معارفِ رضا

مُرتبہ

سیّد محمّد ریاست علی قادری

ادارہ تحقیقات امام احمد رضا
کراچی پاکستان

معارفِ رضا

مرتّبہ

سیّد محمد ریاست علی قادری بریلوی

ادارہ تحقیقات امام احمد رضا کراچی

نام کتاب ــــــــــــــ معارف رضا

مرتّبہ ــــــــــــــ سیّد محمد ریاست علی قادری

کتابت ــــــــــــــ حافظ محمود احمد ناصر

ناشر ــــــــــــــ ادارہ تحقیقات امام احمد رضا کراچی

سنہ طباعت ــــــــــــــ سنہ ۱۴۰۴ھ / سنہ ۱۹۸۳ء

اشاعت اوّل ــــــــــــــ ایک ہزار

قیمت ــــــــــــــ ۲۸ر روپے

مطبوعہ، ٹی ایس پرنٹرز۔ کراچی

ادارہ تحقیقات امام احمد رضا

۳۷۔ بی۔ ۱۱ سی۔ ون۔ سرسید ٹاؤن۔ نارتھ کراچی

ملنے کے پتے

۱۔ مدینہ پبلشنگ کمپنی، ایم۔ اے جناح روڈ کراچی

۲۔ مکتبہ رضویہ۔ فیروز شاہ اسٹریٹ۔ گاڑی کھاتہ۔ آرام باغ روڈ۔ کراچی

۳۔ تاجدارِ حرم پبلیکیشنز، سپر مارکیٹ۔ لیاقت آباد۔ کراچی۔

۴۔ مکتبہ قادریہ، لوہاری گیٹ۔ لاہور۔

۵۔ رضا پبلیکیشنز، مین بازار داتا صاحب۔ لاہور۔

مشمولات

مکتوبِ گرامی میر علی احمد خان تالپور (وزیرِ دفاع، حکومتِ پاکستان)
راولپنڈی

"ادارہ تحقیقاتِ امام احمد رضا" نے میر علی احمد خان تالپور، وزیرِ دفاع حکومتِ پاکستان سے ان کی علمی و ادبی اور مذہبی ذوق کی بنا پر امام احمد رضا کانفرنس میں شرکت کی درخواست کی تھی مگر وہ اپنی سابقہ مصروفیات کی وجہ سے شرکت نہ فرما سکے مگر آئندہ کی شرکت کا موثق وعدہ فرمایا ہے اور ادارہ کی سرگرمیوں پر اظہارِ پسندیدگی فرمایا ہے جو مکتوب ذیل سے مظہر ہے۔

(سید محمد ریاست علی قادری)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

[illegible]

MINISTER FOR DEFENCE
GOVERNMENT OF PAKISTAN
RAWALPINDI

[illegible]

وزیر دفاع

مکرمی و محترمی سید محمد ریاست علی قادری صاحب

السلام علیکم:۔ آنجناب کا ارسال کردہ نوازش نامہ کتاب "معارفِ رضا" کی صورت میں موصول ہوئی۔ علاوہ ازیں محترم پیر و مرشد ڈاکٹر محمد مسعود احمد صاحب کی کتاب بھی ملی۔ یاد آوری کا بیحد ممنون ہوں۔ دست بدعا ہوں کہ خداوند کریم آپ کو اور آپ کے رفقا کو اس ادارے کو ترقی دینے پر لگائے تاکہ پاکستان کے اندر نیکی اور بھلائی کی باتیں عوام تک پہنچائیں۔ امید ہے آپ کے خاندان و رفقا خیر و عافیت سے ہوں گے۔

والسلام
خاکسار
[signature]
میر علی احمد خان تالپور

Syed Mohd. Riasat Qadri,
C/O 37-B/11-C-1
North Karachi

اداریہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم
نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم

الحمد للہ! ادارہ تحقیقات امام احمد رضاؒ "معارف رضا" کا تیسرا یادگاری مجلہ یوم امام احمد رضاؒ کے اہم اور مبارک موقع پر حاضر کر رہا ہے۔ زیر نظر مجلہ اپنی بعض خصوصیات کی بناء پر امام احمد رضاؒ کی دینی و علمی خدمات کے سلسلے میں ایک گرانقدر اضافہ ہے۔ اس شمارہ کی ندرت یہ ہے کہ اس کو دو حصوں میں منقسم کیا گیا ہے۔ پہلا حصہ اُن خطبات و تقاریر پر مشتمل ہے جو گذشتہ سال امام احمد رضاؒ کانفرنس منعقدہ ۱۸ دسمبر ۱۹۸۲ء بمقام تھیوسوفیکل ہال کراچی میں پیش کی گئی تھیں۔ دوسرے حصے میں ملک کے نامور محققین اور کہنہ مشق قلمکاروں کے مقالات و مضامین ہیں جو امام احمد رضاؒ قدس سرہٗ کی دینی اور ادبی گراں مائیگی کے آئینہ دار ہیں۔

پہلے بھی ہماری یہی کوشش رہی ہے اور آج بھی ہمارا مطمع نظر یہی ہے کہ امام احمد رضاؒ کی پُرشکوہ و باوقار شخصیت اور اُن کے عظیم علمی و روحانی کارناموں کو اہلِ علم و فن کے سامنے اس طرح پیش کیا جائے کہ اُن کی سیرت و کردار اور دینی و ملّی خدمات پر جو دبیز پردے پڑے ہوئے ہیں وہ اٹھ جائیں تاکہ اُن کی خدمات کا حسین مرقع آپ کی نگاہوں کے لیئے جنت نگاہ کا منظر پیش کر سکے۔ علاوہ ازیں اس بات کا سب سے زیادہ خیال رکھا گیا ہے کہ بلند پایہ و جامع مضامین ہی پیش کیئے جائیں جو محققانہ دیانت کے آئینہ دار ہونے کے ساتھ ساتھ غیر جانب دار بھی ہوں، جن پر صرف عقیدت ہی کا غازہ نہ ہو بلکہ وہ حقیقت کی رونمائی بھی کرتے ہوں۔ زیرِ نظر مجلہ عہدِ جدید کے تقاضوں سے پوری طرح ہم آہنگ ہے اور جدید ذہنوں کو تذبذب کی دنیا سے نکال کر اعترافِ حقیقت کے سیدھے راستے پر ڈالتا ہے۔

ہمیں مندرجہ بالا مقصد کے حصول میں کہاں تک کامیابی ہوئی؟ اس کا فیصلہ قارئین کے سپرد ہے۔ بہرحال ہم نے اس مقصد کے حصول کے لیئے صحیح سمت پر سوچ سمجھ کر قدم اٹھانے کی کوشش ضرور کی ہے تاکہ آپ کے معیار پر پورا اُتر سکیں۔ اگر ہم اس میں کامیاب ہو گئے تو یہ

سمجھیں گے کہ ہماری کوششیں بارآور ہوئیں۔ اس مجلّہ میں ہم سے اگر کوئی کمی رہ گئی ہو تو ہم اس کے لیئے معذرت خواہ ہیں اور قارئین سے درخواست کرتے ہیں کہ وہ ہماری اصلاح کر کے احسان فرمائیں تاکہ آئندہ ہم ان خامیوں کا ازالہ کر سکیں۔

اس مجلّہ کو پیش کرنے میں جن مخلص احباب نے دامے، درمے، قدمے، سخنے ہماری مدد فرمائی ہم اُن کے بے حد ممنون ہیں۔ ادارہ خصوصیت سے پروفیسر ڈاکٹر محمّد مسعود احمد، علّامہ حضرت شمس بریلوی، پروفیسر ڈاکٹر محمد ایوب قادری اور مولانا سیّد خالد میاں فاخری کا ممنونِ احسان ہے جنہوں نے اپنی گوناگوں مصروفیات کے باوجود مجلّہ کی تیاری میں بھرپور حصّہ لیا۔ ناسپاسی ہوگی اگر حکیم محمّد موسیٰ صاحب امرتسری کا ذکر نہ کیا جائے جن کی ہمدردانہ رہبری ہمارے اس نیک کام کا سبب بنی۔ اُن کی عظیم شخصیت دنیائے رضویت کے لیئے ایک ایسا منارۂ نور ہے جس کی روشنی میں ہم بلاخوف وخطر انشاء اللہ آگے بڑھتے رہیں گے۔ اب یہ ہمارا کام ہے کہ جس مشن کی ابتدا انہوں نے کی ہے اس کو آگے بڑھائیں۔ اُس کی روشنی میں نئے وسعتوں کے امکانات کا جائزہ لے کر اُس میں مزید قوّت واستحکام پیدا کریں۔ ادارہ جناب مولانا عبدالحکیم صاحب شرف قادری اور میاں محمّد زبیر صاحب کا بصمیم قلب احسان مند ہے جنہوں نے پہلے بھی ہماری کوششوں میں ہمارا ساتھ دیا اور آئندہ بھی اپنے اشتراکِ عمل کا یقین دلایا۔ ہم صاحبزادہ علامہ اقبال احمد فاروقی کی ہمت افزائی کے بھی شکر گزار ہیں۔

آخر میں اُن تمام محسنین کا شکریہ جنہوں نے کسی نہ کسی عنوان سے ادارہ کے ساتھ تعاون فرمایا۔ اللہ تعالےٰ ہم سب کا حامی و ناصر ہو اور ہمیں علمِ دین کی ترویج و ترقی کی ہمت عطا فرمائے۔ آمین! بجاہ سیّد المرسلین۔ وصلی اللہ تعالےٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ اجمعین۔

سیّد محمد ریاست علی قادری

ادارہ تحقیقاتِ امام احمد رضاؔ

کراچی

اکتوبر ۱۹۸۳ء

صاحبزادہ سعید حسن قادری، ایم۔ اے

رُودادِ امام احمد رضا کانفرنس

منعقدہ کراچی ۱۹۸۲ء

مورخہ ۱۸ دسمبر ۱۹۸۲ء بروز ہفتہ سہ پہر کو پاکستان کے مرکزی شہر کراچی کے تھیوسوفیکل ہال میں ادارہ تحقیقات امام احمد رضا کی طرف سے "امام احمد رضا کانفرنس" کا انعقاد عمل میں آیا۔ ہال حاضرین سے کھچا کھچ بھرا ہوا تھا۔ علماء، دانشور، قانون داں، صحافی اساتذہ غرض ہر طبقہ کی پوری پوری نمائندگی موجود تھی۔ صدر ایم۔ آئی ارشد، مہمان خصوصی جسٹس (ریٹائرڈ) قدیر الدین احمد، اور دیگر فضلا اسٹیج پر پُروقار انداز میں تشریف فرما تھے۔ سامنے کی قطار میں معززین اور مقالہ نگار حضرات بیٹھے ہوئے تھے۔

نماز عصر کے فوراً بعد جلسہ کا آغاز ہوا۔ معلن کے فرائض مولانا محمد اطہر النعیمی صاحب نے انجام دیئے۔ سب سے پہلے حضرت قاری ظفر احمد دہلوی صاحب نے قرآن مجید کی تلاوت فرمائی۔ ان کی لحن داؤدی نے حاضرین جلسہ میں روحانی کیفیت پیدا کردی۔ اس کے بعد مشہور شاعر جناب جمیل نظر بریلوی صاحب نے فاضل بریلوی مولانا احمد رضا خان کی شان میں منقبت پڑھی جس میں انہوں نے غایت درجہ حسن عقیدت کا اظہار کیا تھا۔ منقبت نہایت پسندیدگی سے سنی گئی اور اسے حسن قبول حاصل ہوا۔

اس کے بعد ادارہ تحقیقات امام رضا کے بانی و ناظم جناب سید ریاست علی قادری صاحب نے خطبہ استقبالیہ ارشاد فرمایا۔ جو نہایت جامع اور مانع تھا۔ اس میں انہوں نے

" فاضل بریلوی کے سندھ و پنجاب وغیرہ سے تعلقات کا ذکر کیا اور

بتایا کہ اس پاکستانی علاقہ کے علماء و اکابر سے ان کے گہرے علمی و روحانی روابط رہے ہیں۔ مسرت کی بات ہے کہ غیر ممالک یورپ و امریکہ کی یونیورسٹیوں اور وہاں کے محققین و دانشور بھی فاضل بریلوی اور ان کے علوم و افکار سے اعتنا کر رہے ہیں۔ اگرچہ ہندوستان و پاکستان میں اعتنا کا یہ انداز نہیں ہے۔ اس سلسلہ میں انہوں نے مرکزی مجلس رضا لاہور، اس کے بانی و صدر جناب حکیم محمد موسیٰ امرتسری اور اس کے کارکنان کی مساعی جمیلہ کا ذکر کیا اور ان کو خراج عقیدت پیش کیا اور بتایا کہ حضرت فاضل بریلوی کی غیر مطبوعہ کتب و حواشی وغیرہ کی رفتار اشاعت اور ان سے متعلق کتب "دائرۃ المعارف امام احمد رضا" اور "معارف رضا" کی مسلسل اشاعت کے کیا منصوبے ہیں اور آخر میں انہوں نے بعض مثبت تجاویز پیش کیں کہ اس سلسلہ میں کیا اور کس طرح کام ہونا چاہیئے۔

سید ریاست علی قادری صاحب کا خطبہ استقبالیہ ایک خاصے کی چیز تھی بلکہ اپنے موضوع پر ایک کامیاب مقالہ تھا۔ اس کے ساتھ ہی نامور فاضل پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد دہلوی نے دائرۃ المعارف امام احمد رضا کے ذریعہ فاضل بریلوی اور دائرہ کا باحسن وجوہ تعارف فرمایا۔ شاید یہاں یہ ذکر بے محل نہ ہو کہ انہوں نے حضرت فاضل بریلوی کے حالات اور علوم و افکار کی تحقیق اور نشر و اشاعت کے لئے اپنی زندگی وقف کر دی ہے اور اس سلسلہ میں انہوں نے مثبت انداز میں قابلِ قدر کام کیا ہے جو دوامی حیثیت کا حامل ہے۔

سب سے پہلے معمّر اور بزرگ مقرر حاجی محمد زبیر مارہروی تشریف لائے اور انہوں نے اپنا مقالہ پیش فرمایا۔ مقالہ کا تو صرف تعارف ہی پڑھا۔ مگر اس کا خلاصہ مختصر الفاظ میں پیش کر دیا انہوں نے مارہرہ کی عظمت، فاضل بریلوی کے مرشد اور اکابر مارہرہ سے ان کے تعلقات اور وابستگی و عقیدت کا موثر الفاظ میں ذکر کیا۔ یہ مختصر تقریر حاضرین جلسہ کی خصوصی دلچسپی کا باعث رہی کیونکہ حاجی محمد زبیر صاحب وہ بزرگ ہیں۔ جنہوں نے مختلف مواقع پر فاضل بریلوی کی زیارت بھی کی ہے۔

حاجی محمد زبیر صاحب کے بعد محترم استاذ پروفیسر ڈاکٹر ابو اللیث صدیقی (بدایونی)

تشریف لائے۔ ڈاکٹر صاحب علمی دنیا میں کسی تعارف کے محتاج نہیں۔ بدایوں ان کا وطن اور علی گڑھ یونیورسٹی ان کی علمی درسگاہ ہے۔ یہ مقامات اکابر مارہرہ اور فضلا و علمائے بدایوں و بریلی کے علمی و روحانی برکات سے مستفید رہے ہیں۔ ڈاکٹر صاحب نے علمی کساد بازاری اور اس ضمن میں کلیات و جامعات کی زبوں حالی کا ذکر کیا اور بتایا کہ کیا صورتِ حال ہے۔ پھر اس نوع کی کانفرنسوں کے انعقاد کی اہمیت و افادیت پر اظہارِ خیال کیا۔ حضرت فاضل بریلوی کو خراجِ عقیدت پیش کیا اور فرمایا کہ

"ایک ایسے لمحے پر ہماری تاریخ میں جب ہم اس تاریخ کے بڑے نازک مرحلے میں داخل ہیں اور ایک بڑے نازک موڑ سے گذر رہے ہیں۔ ایک ایسی کانفرنس کا انعقاد کیا جو دینی اور علمی موضوعات اور مباحث اور ایک عالم دین (امام احمد رضا خاں بریلوی) سے متعلق ہے۔ اور وہ ورثہ جو اسلام کا ورثہ ہے اس کی بازیافت کی ایک تحریک شروع ہو چکی ہے اور ہمارا سب کا یہ فرض ہے کہ اپنے اس علمی، اس دینی اور اس ثقافتی ورثے کی بازیافت میں ہم میں سے ہر شخص اپنے مزاج کے مطابق حصہ لے اور بھرپور کوشش کرے۔"

اس کے بعد ڈاکٹر محمد سرور اکبر آبادی اسلامیہ کالج کراچی نے اپنا مقالہ پڑھا۔ جس میں انہوں نے حضرت فاضل بریلوی کو خراجِ عقیدت پیش کیا۔ ان کے علوم و افکار پر اظہارِ خیال کیا اور اردو لغت گوئی میں ان کا تعین کیا۔

بعد ازاں سید الطاف علی بریلوی تشریف لائے۔ سید صاحب کے اہل خاندان اور بزرگوں کے حضرت فاضل بریلوی سے گہرے روابط اور تعلقات رہے ہیں۔ انکے ماموں سید ایوب علی مرحوم تو ان کے پیش کار اور ان کی کتابوں کے سب سے بڑے ناشر تھے۔ سید صاحب نے ان تعلقات پر روشنی ڈالتے ہوئے فاضل بریلوی کی علمی و دینی خدمات اور ان کے روحانی اثرات و برکات کا ذکر کیا اور فرمایا۔

"میں نے اعلیٰ حضرت کے مریدین کو دیکھا ہے کہ سب کے سب نیک سیرت و نیک کردار ہیں۔ یعنی میرے علم میں نہیں کہ اعلیٰ حضرت کا کوئی مرید ایسا ہو کہ جو کسی بداعمالی میں مبتلا ہو۔ یہ بات میں اپنے پچاس سالہ مشاہدہ کی بنا پر یقین

کے ساتھ کہہ سکتا ہوں۔ آپ کو ان سے اختلاف ہو سکتا ہے۔ لیکن کسی بداعمالی کی وجہ سے نہیں، ان میں دھوکا، چالاکی، فریب جیسی چیزیں نہیں ہیں۔ سیدھے سادے لوگ ہیں اگر بات پسند ہے تو آپ کے دوست ہیں اور اگر بات ناپسند ہے تو آپ سے آپ کے منہ پر صاف کہہ دیں گے کہ ہم آپ کو پسند نہیں کرتے۔ دوسروں کی مدد کرنا، دوسروں کے کام آنا، خدمت کرنا، پابند صوم وصلوٰۃ ہیں اور اس میں اخلاص ہے جو نمود ونمائش سے یکسر پاک ہے۔ تو یہ سب کچھ نتیجہ ہے اچھے کردار کا، اچھے اعمال کا، جس کی طرف اعلیٰ حضرت نے توجہ دلائی اور تعلیم دی اپنی تحریروں سے، اپنی تقریروں سے، اپنے اعلیٰ کردار واعمال سے اور یہ اس کا نتیجہ ہے کہ آج گوکہ ان کے وصال کو ایک طویل زمانہ گزر گیا۔ ان کے بعد بھی ان کی بہار ہے۔"

سید الطاف علی بریلوی کے بعد مشہور فاضل استاد پروفیسر ڈاکٹر سید ابوالخیر کشفی (شعبہ اردو کراچی یونیورسٹی) تشریف لائے اور انہوں نے نہایت فاضلانہ تقریر کی۔ انہوں نے اپنی تقریر میں بعض اہم نکات کی طرف اشارہ کیا۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے فاضل بریلوی کے حالات اور علوم وافکار کا گہرا مطالعہ کیا ہے۔ کشفی صاحب خود ایک روحانی خانوادہ سے تعلق رکھتے ہیں اور وہ بادہ روحانیت کے جرعہ نوش بھی ہیں۔ انہوں نے عشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اہمیت وعظمت اور حضرت فاضل بریلوی کے تعلق پر روشنی ڈالی اور نعت گوئی کے بارے میں ارشاد فرمایا۔

• ان کی نعتوں میں پہنچ کر الفاظ نئی معنویت حاصل کر لیتے ہیں۔ میں آج ہی پڑھ رہا تھا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے انسانوں کو پستیوں سے ابھار کر یعنی آدمیوں کو پستیوں سے نکال کر انسانیت کی منزل تک پہنچا دیا اور اچانک میرے ذہن میں یہ بات آئی کہ جس طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے انسانوں کی قدر ومنزلت کی امام احمد رضا نے اپنی نعتوں میں اردو کے الفاظ کی وہی قدر ومنزلت کی۔ یہ پست اور حقیر الفاظ ان کے یہاں آکر بلند تر مقام پر پہنچ جاتے ہیں مثلاً

میل سے کس درجہ ستھرا ہے وہ پتلا نور کا
ہے گلے میں آج تک کورا ہی کرتا نور کا

یہ مصرع جب میرے سامنے آیا تو میں نے غور کیا کہ یہ لفظ تو ہمارے بچے بھی نہیں جانتے کہ کورا کرتا کسے کہتے ہیں۔ لیکن قرآن و حدیث کی روشنی میں یہ کورا کرتا ہمیں لباس تقویٰ کی طرف لے جاتا ہے جو قرآن کی ایک مستقل اصطلاح ہے یعنی جو لباس تقویٰ کا ہے وہی سب سے اچھا لباس ہے۔

حضرت فاضل بریلوی کے مشہور "سلام" کا ڈاکٹر کشفی نے کیسا مبصرانہ تجزیہ فرمایا ہے۔

"میں حتمی طور پر یہ بات کہہ سکتا ہوں کہ امام احمد رضا خان صاحب کے سلام کو یقیناً جو مقبولیت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دربار میں حاصل ہوئی۔ اس کا ایک اندازہ آپ اس سے کیجیئے کہ صرف بریلوی مسلک ہی کے نہیں بلکہ ملک کا کوئی ایسا نعتیہ جلسہ نہیں ہوگا۔ جس میں وہ سلام نہ پڑھا جاتا ہو۔ لیکن اب میں یہاں ایک بات پیش کرنا چاہوں گا کہ آج اور عقیدوں کی ضرب جو ہم پر پڑ رہی ہے۔ مثلاً نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا خانوادہ یعنی اہلِ بیت کی محبت ہمارے ذہنوں میں ہے۔ لیکن ہم اور آپ جانتے ہیں کہ قرآنِ حکیم نے اہل بیت کا لفظ امہات المومنین کے لئے استعمال کیا ہے اور حضرت مولانا احمد رضا خان کے وہ اشعار کیوں نہیں پڑھے جاتے کہ جو ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی تعریف میں ہیں۔

بنتِ صدیق، آرام جانِ نبی
اُس حریم برأت پہ لاکھوں سلام
یعنی ہے سورۂ نور جن کی گواہ
انکی پُرنور صورت پہ لاکھوں سلام

اسی طرح خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم پر جو اشعار ہیں۔ وہ ان کے مسلک، ان کے پیغام اور خود اسلامی نظام کے عین مطابق ہیں۔ ان کو بھی پڑھنا چاہیئے۔"

اس کے بعد سید انور علی ایڈوکیٹ نے اپنا مقالہ پڑھا۔ سید صاحب ملک کے نامور قانوندان

اور مختلف کتابوں کے معروف مصنف ہیں۔ قانون کے علاوہ علوم اسلامی خصوصًا قرآن پر انکی گہری نظر ہے۔ آج کل انگریزی میں قرآن کریم کی تفسیر لکھ رہے ہیں۔ جو نہایت اہم کارنامہ ہے۔ سید صاحب نے حضرت فاضل بریلوی کی نثر کے انداز تحریر پر ایک مفصل اور پر مغز مقالہ پیش کیا جو نہایت پسند کیا گیا۔

اس کے بعد ملک کے نامور مصنف، مورخ اور محقق جناب پروفیسر ڈاکٹر محمد ایوب قادری صاحب نے کانفرنس کے مہمان خصوصی اور مشہور مصنف جسٹس (ریٹائرڈ) قدیرالدین صاحب سے تحریک کی کہ وہ ان مطبوعات کی رونمائی فرمائی جو خاص اس کانفرنس کے موقع پر اشاعت پذیر ہوئی ہیں۔ یعنی

۱۔ "معارف رضا"

اور ۲۔ "دائرۃ المعارف امام احمد رضا"

جسٹس صاحب نے ان مطبوعات کا افتتاح فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا۔

"میں نے اعلیٰ حضرت کا نام سنا ضرور تھا لیکن مجھے یہ خوبیاں یہ منزلت اور ان کے کام اور ان کی خدمات کا اندازہ نہ تھا۔ اس لحاظ سے بھی یہ جلسہ انتہائی کامیاب ہے کہ اعلیٰ حضرت پر لکھی گئی ان دو کتابوں "معارف رضا" اور "دائرۃ المعارف امام احمد رضا" کا افتتاح میرے ہاتھوں سے ہو رہا ہے۔ میں نے ان کتابوں کا بغور مطالعہ کیا ہے اور پڑھنے کے بعد مجھے یہ اندازہ ہوا کہ جس قسم کی ذہانت، طباعی، حافظہ علم اور تبحر اعلیٰ حضرت کو حاصل تھا وہ کوئی معمولی بات نہیں۔ بلکہ ایک نایاب چیز تھی۔"

" کتاب معارف رضا کو پڑھ کر مجھے یہ اندازہ ہوا کہ موقع کی مناسبت سے درحقیقت یہ ان لوگوں کے لئے لکھی گئی ہے جو آج کل کے تعلیم یافتہ لوگ ہیں۔ اور جو اعلیٰ حضرت کے علمی کارنامے ہیں ان کا ذکر ہے..... آپ نے مختلف کتابوں پر جو حواشی لکھے ہیں۔ ان کے متعلق مضمون پڑھ کر مجھے بے حد خوشی ہوئی۔ یہ مضمون قابل تعریف اور قابل عظمت معلوم ہوا ـــــــــــــــــــ

دوسری کتاب "دائرۃ المعارف امام احمد رضا" جو ادارۂ تحقیقاتِ امام احمد رضا نے پیش کی ہے اور جس میں یہ تجویز رکھی گئی ہے کہ اعلیٰ حضرت کی حیات پندرہ جلدوں

میں لکھی جائے، قابل مستحسن ہے۔ جن صاحب نے یہ تہیہ کیا ہے اللہ تعالیٰ ان کی صحت اور حوصلے کو قائم رکھے اور ان کی مدد فرمائے۔"

اس کے بعد جسٹس قدیرالدین احمد صاحب نے فاضل بریلوی حضرت مولانا احمد رضا خاں کی حیات، ان کے علمی کارناموں، اور اصلاحات پر بصیرت افروز تقریر فرمائی۔

آخر میں ریٹائرڈ مرل ایم۔ آئی ارشد صاحب نے اپنا صدارتی خطبہ ارشاد فرمایا۔ اور کانفرنس کی غایت و افادیت اور اپنے تعلق کا اظہار کیا۔ کارکنانِ کانفرنس کی ہمت افزائی فرمائی اور فرمایا۔

"امام احمد رضا خان کی شخصیت جامع العلوم تھی۔ ایسی عظیم شخصیت کا ذکر نہ کرنا اور ان کے کارناموں کو یاد نہ کرنا بڑی بدقسمتی کی بات ہوگی۔ وہ لوگ جو اپنے تدبر، سوچ اور تحقیق کو پس پشت ڈال دیتے ہیں وہ تو بھول سکتے ہیں لیکن اس کے برعکس وہ لوگ جو ان خوبیوں سے لیس ہیں۔ ایسا کبھی نہیں کر سکتے اللہ تعالیٰ وقتاً فوقتاً ایسی نابغہ روزگار شخصیات اپنے فضل و کرم سے بھیجتا رہتا ہے تاکہ لوگ ان سے فیض حاصل کریں ——— اطیعوا اللہ واطیعوا الرسولؐ کے سلسلہ کو مربوط و برقرار رکھنے میں جو کردار احمد رضا نے ادا کیا اور اپنی پوری زندگی اس کیلئے وقف کر دی۔ اگر ہم اس پر سنجیدگی سے غور کریں اور تحقیق کے بعد نچوڑ کو جو، انہوں نے ہمارے سامنے پیش کیا، نوجوان نسل تک پہنچائیں تو میں سمجھتا ہوں کہ ہم نے اس کانفرنس کا مقصد حاصل کر لیا ہمیں چاہیئے کہ عشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی شمع کو بجھنے نہ دیں۔"

صدر محترم ایم۔ آئی۔ ارشد صاحب نے ایک مفصل مقالہ بھی سپردِ قلم فرمایا جو اس اشاعت میں شامل ہے۔ صدارتی خطبہ کے بعد حاضرین کرام نے نہایت ذوق و شوق اور عقیدت و احترام سے حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور میں صلوٰۃ و سلام پیش کیا اور اس کے بعد حضرت مولانا پیر فضل الرحمٰن مجددی صاحب نے کلمات دعائیہ ارشاد فرمائے اور امام احمد رضا کانفرنس بخیر و خوبی اختتام کو پہنچی۔

مرقعات
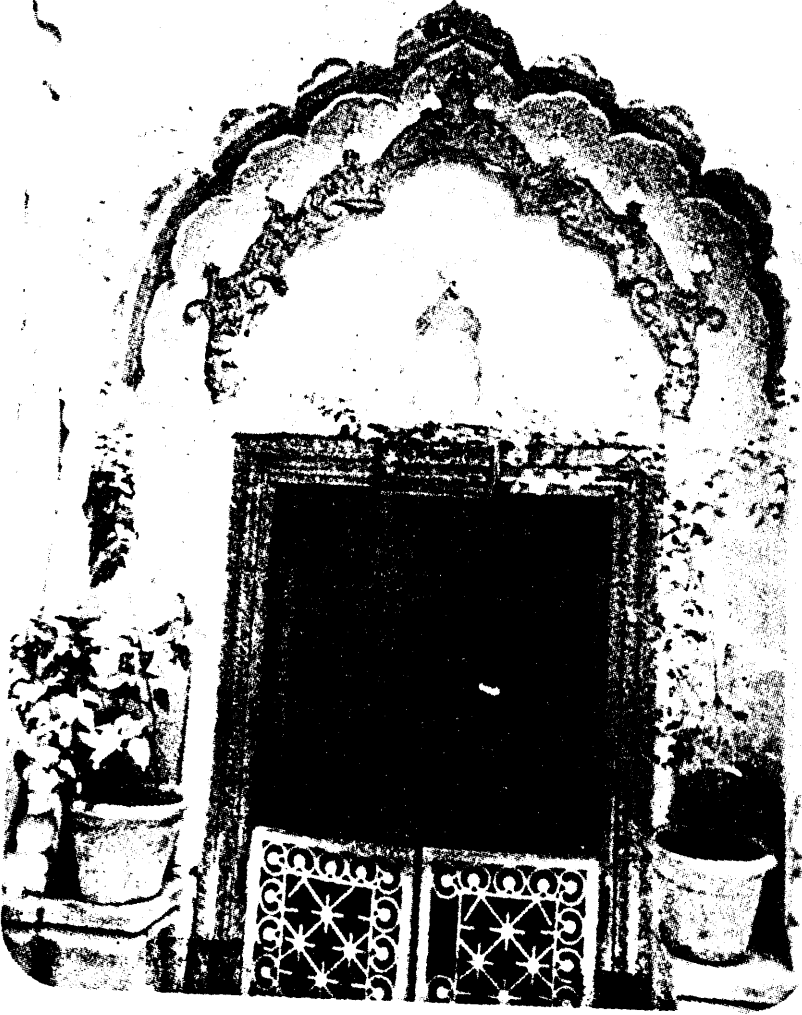
امام احمد رضا قدس سرہٗ کے مزار کا بیرونی دروازہ

امام احمد رضا کانفرنس کا ایک منظر

ڈاکٹر ابواللیث صدیقی تقریر کر رہے ہیں۔

مہمانِ خصوصی جسٹس قدیر الدین تقریر کر رہے ہیں

صدرِ جلسہ ریئر ایڈمرل ایم۔ آئی ارشد تقریر کر رہے ہیں
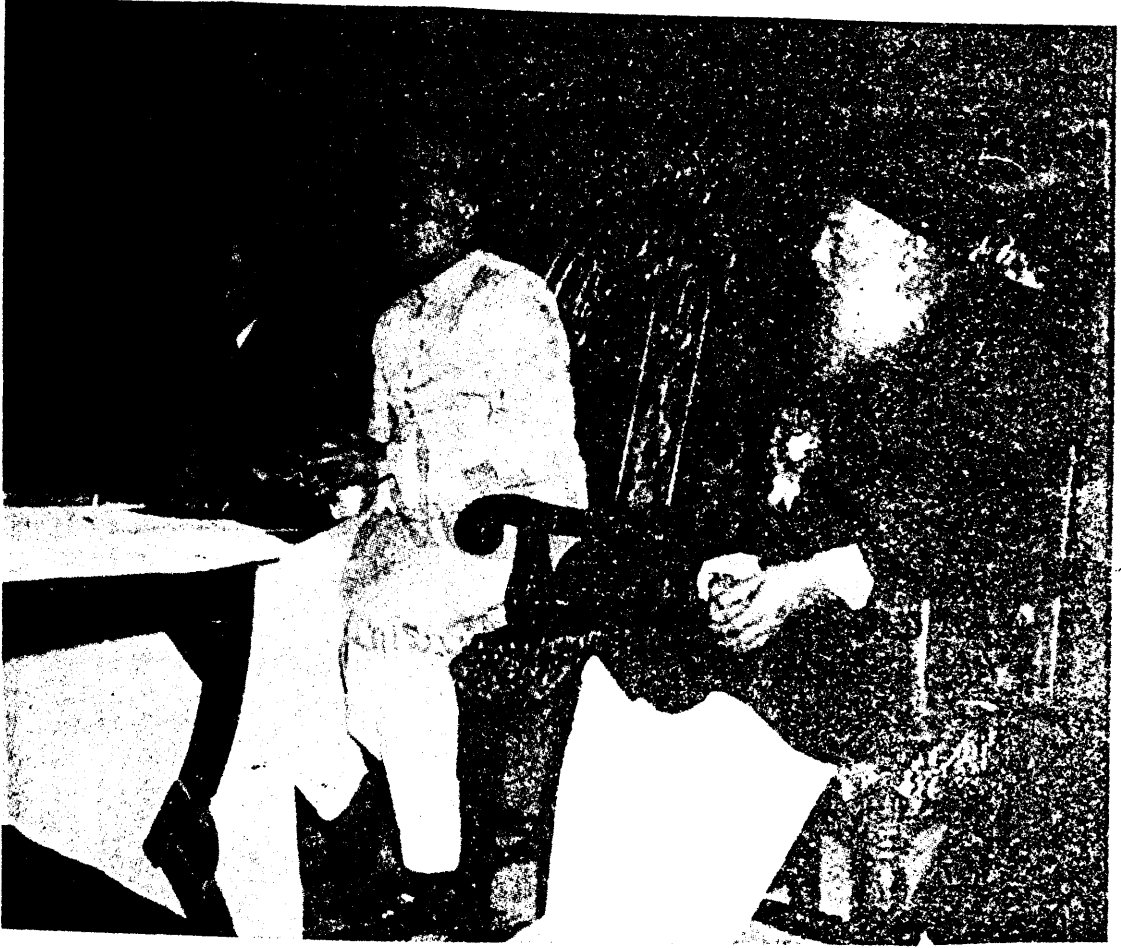
ڈائس پر صدرِ جلسہ ریئر ایڈمرل ایم۔ آئی ارشد،
مہمانِ خصوصی جسٹس قدیر الدین اور
مولانا شوکت حسن خان

مقالات و تقاریر

امام احمد رضا کانفرنس ۱۹۸۲ء

مقالات و تقاریر

خطبۂ استقبالیہ

سیّد محمد ریاست علی قادری بریلوی

منقبت

جمیل احمد نظر

مقالات

۱۔ ڈاکٹر سرور اکبر آبادی
۲۔ ڈاکٹر عبدالرشید
۳۔ سید انور علی ایڈووکیٹ
۴۔ ریٹائرڈ ایڈمرل ایم۔ آئی ارشد

تقاریر

۱۔ الحاج محمد زبیر
۲۔ سیّد الطاف علی بریلوی
۳۔ ڈاکٹر سیّد ابوالخیر کشفی
۴۔ ڈاکٹر ابواللیث صدیقی
۵۔ ریٹائرڈ جسٹس قدیر الدین احمد
۶۔ ریٹائرڈ ایڈمرل ایم۔ آئی ارشد

سید محمد ریاست علی قادری

خطبۂ استقبالیہ

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ؕ نَحْمَدُہٗ وَنُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْمِ ؕ

صدرِ محترم و مہمانانِ گرامی! السلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکتہ

ہماری خوش نصیبی ہے کہ اس کانفرنس کی صدارت ایک ایسی ہستی کر رہی ہے جس کی علمی، ادبی اور دینی حیثیت تو یقیناً مسلّم ہے لیکن حضراتِ گرامی میں آپ کی توجہ ایڈمرل صاحب کی اس حیثیت کی طرف بھی مبذول کرانا چاہتا ہوں جس کے آگے تمام حیثیتیں مدّھم نظر آتی ہیں اور وہ ہے ایک عاشقِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی۔ ان الفاظ کے ساتھ میں اب اس کانفرنس کے انعقاد کے مقصدِ وحید کی طرف آتا ہوں۔

احمد رضاؒ کسی معمولی شخصیت کا نام نہیں بلکہ اس ذات کا نام ہے جو تاریخِ اسلام کے نامور حکماء اور علماء میں نہایت ممتاز ہے۔ صوبۂ سندھ کو یہ اعزاز حاصل ہے کہ ۱۹۰۶ء میں امام احمد رضاؒ یہاں تشریف لائے۔ اُن کے خلفاء اور متبعین یہاں آکر آباد ہوئے اور اپنی خدمات سے یہاں کی دینی فضاء کو منوّر کیا۔ یہی وجہ ہے کہ سندھ کے ایک ممتاز عالمِ دین شیخ ہدایت اللہ مہاجر مدنی رحمۃ اللہ علیہ نے ۱۹۱۲ء میں امام احمد رضا کو خراجِ عقیدت پیش کرتے ہوئے انہیں چودھویں صدی ہجری کا مجدّد قرار دیا تھا اور اسی لقب سے سابق مرکزی وزیرِ خزانہ این۔ ایم عقیلی کے بھائی اللہ بخش عقیلی مرحوم نے ۱۹۲۲ء میں یاد کیا۔ سندھ کے ایک اور عالم مولانا محمد عبد الکریم درس علیہ الرحمہ سے امام احمد رضاؒ کے خصوصی مراسم تھے۔ پاکستان کے دوسرے صوبوں میں بھی امام احمد رضاؒ کے عقیدت مند اور تلامذہ موجود تھے۔ چنانچہ پنجاب کے پروفیسر مولوی حاکم علی مرحوم (پرنسپل اسلامیہ کالج۔ لاہور) امام احمد رضاؒ سے کمال عقیدت رکھتے تھے

اسی طرح صوبہ سرحد کے علماء بھی مستفیض ہوئے۔ آپ کا فیض نہ صرف پاک و ہند اور بنگلہ دیش بلکہ دوسرے مشرقی اور مغربی ممالک اور بلادِ اسلامیہ میں بھی پھیلا۔ آج سے دس بارہ برس قبل جدید علمی حلقوں میں امام احمد رضاؒ کا اتنا چرچا نہ تھا جتنا آج ہے۔ اس کی بڑی وجہ یہ ہے کہ امام احمد رضاؒ کے مخالفین نے ان کے خلاف کردار کشی کی زبردست مہم چلائی جس سے پاک و ہند کا پڑھا لکھا طبقہ متاثر ہوا۔ تعجب تو یہ ہے کہ مؤرخین و محققین نے بھی اس حکروہ پروپیگنڈے سے متاثر ہو کر تاریخ و تمدن کی کتابوں میں اس کا ذکر تک نہ کیا۔ یہی وجہ ہے جب لیڈن یونیورسٹی (ہالینڈ) کے سن رسیدہ اور جہاں دیدہ پروفیسر علومِ اسلامیہ ڈاکٹر جے۔ ایس۔ بلیان نے امام احمد رضاؒ کی شخصیت اور معارفِ علمیہ کے بارے میں پڑھا تو وہ حیران رہ گیا اور کہا کہ تعجب ہے کہ ڈاکٹر اسمتھ اور پروفیسر محمد مجیب نے اپنی اپنی کتابوں میں امام احمد رضاؒ کا ذکر تک نہ کیا۔ اسی طرح کینڈا کے اسلامک سینٹر کے ڈائریکٹر ڈاکٹر اسمتھ کو معلوم ہوا تو وہ بھی حیران رہ گئے اور لکھا کہ اس میدانِ تحقیق میں مزید فتوحات کا منتظر ہوں۔

صدرِ محترم!

امام احمد رضاؒ نے علم و حکمت کے پچاس شعبوں میں کام کیا جن میں سائنس اور فلسفے کے شعبے بھی شامل ہیں۔ گزشتہ نصف صدی میں زیادہ تر ایسا لٹریچر شائع ہوا جس میں امام احمد رضاؒ نے مختلف افکار و نظریات پر شدید تنقید کی ہے اور اس میں شک نہیں کہ اگر وہ مذہبی، سیاسی، معاشرتی، تمدنی اور اقتصادی میدان میں اتنی سخت تنقید نہ فرماتے تو اُس مزاج کی تشکیل نہ ہوتی جس نے پاکستان کے لیئے راہ ہموار کی۔ یہ تنقیدی لٹریچر باوجود اپنی شدت و سختی کے بڑی مذہبی و سیاسی اہمیت کا حامل ہے۔ بہرحال یہ لٹریچر شائع ہوا اور تخلیقی لٹریچر شائع نہ ہوا۔ اس سے عام تاثر یہ پیدا ہوا کہ شاید امام احمد رضاؒ کی کوئی تخلیقی یادگار نہیں۔ اس صورتِ حال نے اہلِ علم کو امام احمد رضاؒ سے دور کر دیا۔ اس کے علاوہ اُن کے متبع عوام اہل سنت و جماعت نے ایسی راہ اختیار کی جس میں اُن کی تعمیری و اصلاحی تعلیمات کو پیشِ نظر نہ رکھا گیا، ان کی بے راہ روی بھی امام احمد رضاؒ سے بدظنی کا باعث ہوئی۔

۱۹۶۹ء سے مرکزی مجلس رضا لاہور نے امام احمد رضاؒ کے تعارفِ علمی کی مہم چلائی اور

تیرہ برس کے اندر اندر یہ خالص علمی تحریک پاکستان کی سرحدوں سے نکل کر بھارت اور بنگلہ دیش جا پہنچی اور دوسرے بلادِ اسلامیہ اور بلادِ مغرب میں پھیلتی چلی گئی۔ اس مہم کے روحِ رواں محسن اہلِ علم حکیم محمد موسیٰ صاحب امرتسری ہیں جن کے اخلاص اور پیہم جد وجہد نے امام احمد رضاؒ کی شخصیت سے دبیز پردے ہٹائے اور سارے عالم کو اُن کی حسین صورت دکھائی۔

مرکزی مجلسِ رضا کی علمی تحریک اور فعّال قیادت نے اہلِ علم کو امام احمد رضاؒ سے روشناس کرایا اور پھر نہ صرف پاکستان بلکہ بیرونی ممالک میں بھی یومِ رضاؒ منانے کا سلسلہ شروع ہوا جو بڑھتا ہی جا رہا ہے۔

۱۹۸۱ء میں راولپنڈی میں یومِ رضاؒ کی تقریب کے خطبۂ صدارت میں جناب خان محمد خان آف ہوتی نے امام احمد رضاؒ کو زبردست خراجِ عقیدت پیش کیا اور اُن کے علوم ومعارف کو بیان کیا جس کے ہم تہہ دل سے ممنون ہیں۔ مرکزی وزارتِ تعلیم نے پاکستان اسٹڈیز کے لیے جو ڈھانچہ فراہم کیا اُس میں نہ صرف امام احمد رضاؒ بلکہ اُن کے خلیفہ اور مدبّر اہلِ سنّت مولانا محمد نعیم الدین مرادآبادی کا اسمِ گرامی بھی شامل کیا ہے۔ ہم صحیح سمت کی طرف اس صحیح قدم کو قدر ومنزلت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں اور آئندہ بھی امید رکھتے ہیں کہ تاریخ نگاری میں دیانتداری سے کام لیا جائے گا اور کسی قسم کی جانبداری یا تنگ دلی کو جگہ نہیں دی جائے گی تاکہ پاکستانی قوم اپنے ماضی سے بخوبی آگاہ ہو سکے۔

ادارۂ تحقیقات امام احمد رضاؒ کراچی نے مرکزی مجلس رضا کی روش پر چلتے ہوئے امام احمد رضاؒ کی شخصیت اور معارف کو روشناس کرانے کے سلسلے میں اپنی سی کوشش کی۔ اس ادارے کو قائم ہوئے تین سال سے زیادہ عرصہ نہیں ہوا مگر اس قلیل عرصے میں اس نے جو کچھ کیا اُس کی تفصیل یہ ہے:۔

سب سے پہلے اس ادارے نے مختلف علوم وفنون پر امام احمد رضاؒ کے چالیس غیر مطبوعہ عربی، فارسی رسائل حواشی فراہم کیے۔ ان میں سے ریاضی پر ایک رسالہ "حاشیہ در علم لوگارثم" ۱۹۸۰ء میں شائع کیا۔ دوسرے دو رسائل تعلیقاتِ تفسیر معالم التنزیل اور حاشیہ طحطاوی جامعہ نظامیہ لاہور کو فراہم کیے جو وہاں سے شائع ہو چکے ہیں۔ اس قلمی ذخیرے کے علاوہ

ایک اور قلمی ذخیرہ فراہم کیا جس میں امام احمد رضاؒ کے ایک سو سے زیادہ رسائل اور حواشی ہیں۔ اسی ذخیرے میں علمائے عرب کی تقاریظ کا ایک نادر فائل بھی تھا جس کو پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد نے "امام احمد رضاؒ اور عالم اسلام" کے نام سے معنون کیا ہے۔ انشاء اللہ یہ کتاب بھی عنقریب یہی ادارہ شائع کرے گا۔ اس ادارے نے پروفیسر موصوف سے امام احمد رضاؒ کی پندرہ جلدوں پر مشتمل عظیم سوانح کا خاکہ مرتب کرایا ہے جو دائرۂ معارف امام احمد رضاؒ Biographical Encyclopädia of Imam Ahmad Rida Khan

کے نام سے حال ہی میں شائع ہوا ہے۔ ادارۂ تحقیقات امام احمد رضاؒ نے دوسرے علمی اداروں کی بھی مدد کی اور ان سے تعاون کیا۔ چنانچہ ادارۂ معارف رضا (کراچی) سے تعاون کر کے ۱۹۸۱ء میں امام احمد رضاؒ پر تحقیقی مقالات کا ایک مجموعہ "معارفِ رضا" کے نام سے شائع کرایا۔ ۱۹۸۲ء میں اسی نام سے دوسرا مجموعہ تیار کرایا جو حال میں شائع ہو چکا ہے۔ ان علمی خدمات کے علاوہ یوم رضاؒ کے موقع پر کراچی کے اخباروں کو یہ ادارہ امام احمد رضاؒ پر مقالات و مضامین بھی فراہم کرتا ہے۔

اصل میں یہ ادارہ چند مخلص ارکان پر مشتمل ہے جو بلا کسی ادنٰے معاوضے کے خدمت کرتے ہیں۔ اس ادارے کا تعلق کسی سیاسی جماعت سے نہیں، نہ اس کے کوئی سیاسی عزائم ہیں۔ یہ خالص علمی ادارہ ہے جو امام احمد رضاؒ کے علوم و معارف کو دنیا میں متعارف کرانے کے لیئے کوشاں ہے۔

صدرِ ذی قدر اور معزز حاضرین!

میں آپ حضرات کی توجّہ بعض تلخ حقائق کی طرف متوجّہ کراؤں گا۔ ایک طرف جبکہ بعض علمی ادارے امام احمد رضاؒ کی تحقیقاتِ علمیہ کو علمی دنیا میں پھیلانے کی کوششوں میں مصروف ہیں اور تحقیقی میدان میں کچھ کرنا چاہتے ہیں تو دوسری طرف پاکستان کی بعض یونیورسٹیاں اور علمی ادارے امام احمد رضاؒ پر تحقیق و ریسرچ کی ہمّت شکنی کرنے پر تلے ہوئے ہیں۔ تحقیق و ریسرچ کے میدان میں ہمت شکنی کا یہ عالم ہے تشکیلِ نصاب اور تدوینِ نصاب کے میدان میں اور ہی عالم ہے۔ ۳۵ برس کا طویل عرصہ گزر جانے کے بعد موجودہ حکومت کی مساعی نے بورڈ کی سطح

تک نصاب کے تشکیلی ڈھانچے میں امام احمد رضاؒ اور ان کے ممتاز خلیفہ مولانا محمد نعیم الدین مراد آبادی کی سیاسی خدمات کو شامل کیا مگر تدوینِ نصاب کے مرحلے پر نصاب مدّون کرنیوالوں نے نصابی کتب میں کوئی خاص اہمیت نہیں دی اور سرسری ذکر پر اکتفا کیا گیا۔ یونیورسٹی کی سطح پر جو نصابی ڈھانچہ بنایا گیا۔ وہاں پہلے ہی مرحلہ پر امام احمد رضاؒ کو فراموش کر دیا گیا۔ سرکاری اداروں میں حقائق سے یہ چشم پوشی مستحسن نہیں۔

صدرِ عالی مرتبت!

میں آپ کی توجہ ایک اور اہم امر کی طرف متوجہ کرانا چاہتا ہوں۔ امام احمد رضاؒ کا قرآن کریم کا اردو ترجمہ ۱۹۱۱ء میں منظرِ عام پر آیا اور جب سے اب تک لاکھوں کی تعداد میں چھپ چکا ہے لیکن ستّر برس کے طویل عرصے میں دنیا کے کسی گوشے سے کوئی آواز نہ اٹھی اور کسی عالم کو اس ترجمے میں کوئی غلطی نظر نہ آئی لیکن حال ہی میں ایک طبقے کی طرف سے معاندانہ جذبے کے تحت اس پر حرف گیری کی گئی اور رابطہ عالمِ اسلامی کے ذریعے ممالکِ اسلامیہ میں اس پر پابندی لگا کر سوادِ اعظم کی نظروں میں خود رابطہ عالمِ اسلامی کی ساکھ کو مجروح کیا گیا۔ امام احمد رضاؒ قرآن و حدیث پر کامل عبور رکھتے تھے۔ ان کے تبحرّ علمی کے اپنے و بیگانے سب ہی معترف تھے۔ ایسی صورت میں اُس طبقے کی طرف سے ترجمہ قرآن میں غلطیاں نکالنا جس کا علمی مقام امام احمد رضاؒ کے مقابلے میں کسی طرح بلند نہیں سخت افسوس ناک ہے۔ اس قسم کی باتوں سے تلخیوں میں کمی کی بجائے اضافہ ہی ہو سکتا ہے۔ حرف گیری کا یہ سلسلہ آج سے نہیں بلکہ خود امام احمد رضاؒ کے عہد سے جاری ہے۔ چنانچہ پہلے یہ مشہور کیا گیا کہ وہ بلا وجہ مسلمانوں کی تکفیر کرتے ہیں۔ پھر یہ مشہور ہوا کہ وہ انگریزوں سے ساز باز رکھتے ہیں۔ پھر یہ مشہور کیا گیا کہ ترکان احرار کے خلاف ہیں اور اب یہ مشہور کیا کہ ان کا ترجمہ قرآن غلط ہے۔ پچھلے الزامات کی محققین نے تحقیق کی تو سراسر غلط ثابت ہوا۔ اسی طرح یہ الزام بھی سراسر بے بنیاد ہے۔

یہ بات روزِ روشن کی طرح عیاں ہے کہ امام احمد رضاؒ ہنود سے موالات کے سخت خلاف تھے۔ اس کے لئے انہوں نے بڑی جد و جہد کی اور ملامتِ خلق کی پرواہ کئے بغیر بیباکی کیساتھ اپنی رائے کا اظہار کیا۔ فکری و نظری سطح پر اُس وقت اسلامی مملکت کے لئے راہ ہموار کی جبکہ

ڈاکٹر سر محمد اقبال اور قائدِ اعظم محمد علی جناح بھی ایک قومی نظریہ کے حامی تھے۔ اس میں شک نہیں کہ امام احمد رضاؒ نے مسلم قائدین کی فکر میں ایک انقلاب برپا کیا۔ ان کے خلفاء، متبعین اور ہم مسلک علماء و عوام نے ناقابلِ فراموش خدمات انجام دیں۔ ایسی عظیم اور محسن شخصیت پر ایسے ملک میں کام کرنے نہ دینا جو اس کی فکر و نظر کا ممنون ہے سخت احسان فراموشی ہے اور اس کے برعکس ایسی شخصیات پر کام کرنے کی ہمت افزائی کرنا جنہوں نے پاکستان کے خلاف جد وجہد کی اور اس تحریک کو سخت نقصان پہنچایا، سخت بے انصافی ہے۔

پاکستان میں یہ کچھ ہو رہا ہے اور ہندوستان میں جس کی بنیاد ایک قومی نظریہ پر ہے، امام احمد رضاؒ پر کام کرنے کی اجازت دی گئی۔ چنانچہ پٹنہ یونیورسٹی سے ایک فاضل نے امام احمد رضاؒ کی فقاہت پر ڈاکٹریٹ کیا ہے۔ یہ مقالہ پٹنہ (بھارت) سے شائع ہو چکا ہے۔ مسلم یونیورسٹی (علیگڑھ) میں بھی ایک فاضل کو امام احمد رضاؒ پر ڈاکٹریٹ کی اجازت ملی ہے۔ ہندوستان کے علاوہ دوسرے ممالک میں بھی کام ہوا ہے۔ چنانچہ لندن یونیورسٹی کے ایک فاضل نے امام احمد رضاؒ کے ترجمہ قرآن کنز الایمان کا انگریزی میں ترجمہ کیا ہے جو لاہور میں چھپ رہا ہے۔ یہ وہی ترجمہ ہے جس پر امام احمد رضاؒ کے مخالفین نے ممالکِ اسلامیہ میں پابندی لگانے کی کوشش فرمائی ہے۔ نیوکیسل یونیورسٹی کے ایک فاضل نے امام احمد رضاؒ کے مشہور زمانہ سلام کو منظوم انگریزی میں منتقل کیا جو شائع ہو چکا ہے، اب وہ ملفوظات امام احمد رضاؒ کی تین مجلدات کا انگریزی میں ترجمہ کر رہے ہیں۔ کیلیفورنیہ یونیورسٹی (امریکہ) میں ڈاکٹر باربرا مٹکاف نے امام احمد رضاؒ پر لکھا ہے۔ ریاض یونیورسٹی (سعودی عرب) میں بھی کام ہوا ہے۔ لیڈن یونیورسٹی (ہالینڈ) کے پروفیسر ڈاکٹر جے ایم ایس بلیسان فتاوی رضویہ کا مطالعہ کر رہے ہیں۔ الغرض امام احمد رضاؒ پر دنیا کے مختلف گوشوں میں کام ہو رہا ہے مگر یہ بات قابلِ افسوس ہے کہ پاکستان کی ایک یونیورسٹی میں صرف ایم اے، ایم فل تک امام احمد رضاؒ پر کام ہوا ہے۔ ادارۂ تحقیقات امام احمد رضاؒ نے محققین و دانشوروں کے لئے ایک تحقیقی خاکہ دائرۂ معارفِ امام احمد رضاؒ کے نام سے شائع [illegible] ہے۔ پاکستان کی یونیورسٹیاں اگر اس کو سامنے رکھیں تو مختلف شعبوں اور مختلف میدانوں میں تحقیق و ریسرچ کے لئے راہیں ہموار ہو جائینگی۔

صدرِ والا جاہ!

پاکستان میں امام احمد رضاؒ پر تحقیق و ریسرچ اس لیئے بھی ضروری ہے کہ ان کے سیاسی افکار و نظریات، نظریۂ پاکستان کے استحکام میں معاون و مددگار ثابت ہوں۔ ایسی شخصیات پر کام کرنے کی اجازت نہ دی جائے جو نظریۂ پاکستان کے خلاف ہوں تو کوئی مضائقہ نہیں لیکن اُن محسنوں پر کام کرنے نہ دینا جنہوں نے دو قومی نظریہ کی بنیاد فراہم کی اور جس کا نتیجہ ہمیں مملکتِ پاکستان کی صورت میں نصیب ہوا سخت ناانصافی ہے۔ پاکستان کے ابتدائی دور میں ایسے نظریاتی لٹریچر اور ایسی نظریاتی شخصیات پر لٹریچر کی سخت پابندی تھی جو پاکستان کے خلاف تھیں۔ دنیا کی نظریاتی حکومتوں میں ایسے لٹریچر پر پابندی ہے۔ خود اسلام میں عدیم المثال رواداری کے باوجود نظریاتی لٹریچر کے لیئے کوئی گنجائش نہیں لیکن ہمارے ابتدائی دور کے بعد یہ پابندی ختم ہوگئی اور لائبریریوں میں ایسا لٹریچر دیکھا جانے لگا جس کا تعلق دوسرے نظریات سے یا دوسرے نظریات کی حامل شخصیات سے ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ ایسا لٹریچر بھی سامنے آیا جس میں پاکستان کے مخالفین کی پردہ پوشی کر کے کردار سازی کی گئی ہے۔ غالباً یہ اُسی چشم پوشی کا نتیجہ ہے کہ ایسا لٹریچر پھیلتا جا رہا ہے اور پاکستان کا جذبۂ حُب الوطنی اور جذبۂ اسلامی سرد ہوتا جا رہا ہے۔ ابتداء میں یہ صورتِ حال نہ تھی۔ نہ کوئی اسلام کے خلاف بول سکتا تھا، نہ پاکستان کے خلاف۔ نہ بانیٔ پاکستان کے خلاف۔ نہ اُن شخصیات کے خلاف جنہوں نے پاکستان کے لیئے جان و مال کی قربانیاں دیں۔ ہمیں تلخ حقائق سے چشم پوشی کر کے کسی خوش فہمی میں نہ رہنا چاہیئے۔ پاکستان میں اسلامی نظریہ کی بقاء اسی صورت میں ممکن ہے جبکہ ہم عوام و خواص کو اُن شخصیات سے متعارف کرائیں جنہوں نے زندگی کے کسی مرحلے پر کفر و شرک سے نہ موالات کی اور نہ کسی قسم کی ساز باز کی اور ایسی شخصیات سے دور رکھیں جنہوں نے پاکستان کی مخالفت کی اور بالفرضِ محال اگر ان کی مذہبی و ادبی خدمات کو داخلِ نصاب کرنا ضروری ہے تو پھر ان کی سیاسی غلطیوں کی نشاندہی بھی ضروری ہے کیونکہ شخصیات سے عقیدت و محبت کے بعد ہی افکار و نظریات سے انسان متاثر ہوتا ہے۔ ہندوستان کے بعض اہلِ علم اور اہلِ قلم نے مذہبی میدان میں اہم خدمات

انجام دیں لیکن افسوس اور تعجب یہ ہے کہ انہوں نے ایک ایسا مزاج بنایا جس نے ہنود کے ساتھ اشتراکِ عمل کر کے تحریکِ پاکستان کو صدمہ پہنچایا اور اکھنڈ بھارت کے لیئے راہ ہموار کرنے کی کوشش کی۔ اس سلسلے میں ہمدردانہ غور و فکر کے لیئے حکومتِ پاکستان کے سامنے مندرجہ ذیل گذارشات پیش کی جاتی ہیں:۔

۱۔ جامعات میں جہاں اسکالرز امام احمد رضاؒ پر کام کرنا چاہتے ہیں اُن کی راہ میں کوئی رکاوٹ نہ پیدا کی جائے اور اگر کوئی ایسا کرتا ہے تو اس کا سختی سے محاسبہ کیا جائے۔

۲۔ تحقیقی اداروں میں ایسے اسکالروں کا تقرر کیا جائے جو امام احمد رضاؒ پر کام کو آگے بڑھائیں۔

۳۔ تحقیقی اداروں کے کتب خانوں میں امام احمد رضاؒ پر ایک سیکشن قائم کیا جائے۔

۴۔ اسلامک ایجوکیشن، اسلامک کلچر اور پاکستان اسٹڈیز کے نصابوں میں ان کی تعلیمات اور ان کی خدمات کو مناسب جگہ دی جائے اور جو حضرات کتبِ نصاب کی تدوین میں باوجود حکومت کی منظوری کے رکاوٹیں پیدا کر رہے ہیں ان کا محاسبہ کیا جائے۔

۵۔ ریڈیو اور ٹی وی کے پروگراموں میں امام احمد رضاؒ پر مقالات، تقریر اور مذاکرات کا اہتمام کیا جائے۔

۶۔ حکومت کے لیئے اگر کوئی پیچیدگی پیدا نہ ہو تو سرکاری طور پر یومِ امام احمد رضاؒ منانے کا اعلان کیا جائے۔

۷۔ رابطہ عالمِ اسلامی نے امام احمد رضاؒ کے ترجمے پر ممالکِ اسلامیہ میں جو پابندی لگوائی ہے اس کا سرکاری سطح پر سختی سے نوٹس لیا جائے اور علمی سطح پر غلط فہمیوں کو دور کیا جائے اور جن پاکستانی حضرات نے اس گھناؤنی مہم میں حصہ لیا ہے ان کا محاسبہ کیا جائے۔

صدرِ گرامی!

ادارۂ تحقیقات امام احمد رضاؒ ہر اس خدمت کے لیئے حاضر ہے جو اس سے ممکن ہے۔ اس

ادارہ میں جذبہ کی کمی نہیں البتہ وسائل کی کمی ہے۔ میں حکومتِ وقت اور مخیر حضرات سے پُرزور اپیل کروں گا کہ وہ مالی وسائل فراہم کریں تاکہ یہ ادارہ اپنے تحقیقی و علمی پروگرام و خدمات کو تسلسل کے ساتھ جاری رکھ سکے۔ یہ ادارہ زبانی جمع خرچ کا قائل نہیں، وہ اخلاص و تندہی سے مسلسل کام کرنا چاہتا ہے۔ اسی لیئے اس ادارہ نے جدید تجربہ کیا ہے۔ اس میں عہدیدار نہیں سب خدمت گزار ہیں۔ بالعموم عہدوں کی لذت میں مبتلا ہو کر انتظامیہ کش مکش کا شکار ہو جاتی ہے اور ذرّہ برابر کام نہیں ہوتا۔ ہم نے اس تلخ تجربے کو سامنے رکھا ہے۔ اللہ تعالےٰ ہماری مدد فرمائے اور ہم کو مزید ہمّت و استقامت عطا فرمائے۔ آمین۔

ادارہ کی خوش نصیبی ہے کہ اس کی سرپرستی وہ حضرات فرمارہے ہیں جن کی علمیت مسلّم، جن کا خلوص مستحکم اور جن کی ہمت جوان ہے۔ ناسپاسی ہو گی اگر میں حضرت مولانا تقدس علیخان، محترم شمس بریلوی، پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد، مولانا محمد اطہر نعیمی صاحب، جناب فتح محمد رضوی صاحب، جناب شفیع محمد قادری صاحب، ڈاکٹر محمد ایوب قادری صاحب، حاجی حنیف طیّب صاحب اور جناب وجاہت رسول قادری صاحب کا ذکر نہ کروں جن کی مساعی جمیلہ سے یہ ادارہ اس کانفرنس کو منعقد کرانے میں کامیاب ہو سکا۔

آخر میں صدرِ گرامی ریٹائرڈ ایڈمرل ایم، آئی، ارشد صاحب۔ جناب جسٹس قدیر الدین صاحب جناب ڈاکٹر ابو اللیث صدیقی، جناب سید الطاف علی بریلوی و مہمانانِ عالی وقار، مقالہ نگار حضرات اور معزز حاضرینِ مجلس کو بہ صمیم قلب خوش آمدید کہتا ہوں اور اللہ تعالےٰ سے دست بہ دعا ہوں کہ وہ ہم سب کو امام احمد رضاؔ کے علمی، روحانی اور دینی فیوض سے مالا مال کرے آمین۔ وصلی اللہ تعالےٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ اجمعین۔
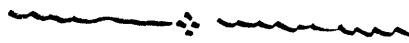
منقبت

در مدح اعلیحضرت مولانا احمد رضا خاں صاحب قدس سرہٗ

(جو کہ احمد رضا کانفرنس میں ۱۸ دسمبر ۸۲ء کو پڑھی گئی)

جلوہ ہے نور ہے کہ سراپا رضا کا ہے
تصویرِ سنیت ہے کہ چہرہ رضا کا ہے

وادی رضا کی، کوہ ہمالہ رضا کا ہے
جس سمت دیکھئے وہ علاقہ رضا کا ہے

دستار آرہی ہے زمیں پر جو سر اُٹھے
اتنا بلند آج پھریرا رضا کا ہے

کس کی مجال ہے کہ نظر بھی ملا سکے
دربارِ مصطفےٰ میں ٹھکانا رضا کا ہے

الفاظ بہہ رہے ہیں دلیلوں کی دھار پر
چلتا ہوا قلم ہے کہ دھارا رضا کا ہے

چھوتا ہے آسمان کو مینار عزم کا
یعنی اٹل پہاڑ ارادہ رضا کا ہے

نکتے عبارتوں سے ابھرتے ہیں خود بخود
نقد و نظر پہ ایسا اجارہ رضا کا ہے

دریا فصاحتوں کے رواں شاعری میں ہیں
یہ سہل ممتنع ہے کہ لہجہ رضا کا ہے

جو لکھ دیا ہے اس نے سند ہے وہ دین میں
اہلِ قلم کی آبرو نکتہ رضا کا ہے

اگلوں نے بھی لکھا ہے بہت علم دین پر
جو کچھ ہے اس صدی میں وہ تنہا رضا کا ہے

اس دورِ پرُ فتن میں نظرؔ خوش عقیدگی
سرکار کا کرم ہے یہ ناتا رضا کا ہے

جمیل نظرؔ

۱۸ دسمبر ۱۹۸۲ء

ڈاکٹر سرور اکبر آبادی
(ایم۔ اے۔ پی۔ ایچ۔ ڈی)

اعلیحضرت مولانا احمد رضا خاں صاحب
بحیثیت
عاشقِ رسولؐ

دورِ متاخرین کے نعت گو شعرائے کرام میں ہمیں تین شعرائے کرام ایسے نظر آتے ہیں کہ جنہوں نے درحقیقت نعت گوئی کو نہایت سنجیدگی اور ایک مستقل فن کی حیثیت سے اپنایا۔ ان شعرائے کرام میں منشی امیر احمد امیر مینائیؒ، مولانا سید محمد محسن کاکوروی اور اعلیٰ حضرت مولانا احمد رضا خاں صاحب فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہم کے اسمائے گرامی خصوصیت سے قابلِ ذکر ہیں۔ یہ تینوں حضرات اکثر فضائل و خصائل اور علوم و کمالات میں بڑی حد تک مماثلت و مماست رکھتے تھے۔ مثلاً یہ تینوں حضرات ہم عمر، ہم عصر، ہم مسلک، ہم مشرب، ہم خیال اور ہم نوا ہونے کے علاوہ مئے حبِّ رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی بے حد سرشار اور سرمست تھے۔

ان تینوں حضرات کی ولادت بھی ایک ایسے بحرانی اور پُر آشوب دور میں ہوئی جب مسلمانوں کو ان حضرات کی رہبری و رہنمائی، دانش و تدبّر اور علمی بصیرت کی بے انتہا ضرورت تھی۔ بایں ہمہ ان تینوں حضرات میں حضرت رضاؒ کو اپنی قوّتِ حافظہ، تزہّد و تعبّد، طریقِ استدلال، زود گوئی و زود نویسی اور اجتہاد کے سبب جو شرفِ قبولیت اور عزّت و

شہرت حاصل ہے وہ اپنی مثال آپ ہے۔

شہنشاہِ کونین حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ اقدس کی تعریف و توصیف خود خداوند تعالےٰ نے بھی جا بجا قرآن مجید میں فرمائی ہے۔ مولانا عبدالرحمٰن جامیؒ نے بھی کیسی سچی اور اچھی بات فرمائی ہے کہ:۔

یا صاحبَ الجمالِ و یا سیّدَ البشر　　مِن وَجہکَ المنیر لقد نُوّرَ القمر

لایمکن الثناء کما کان حقہ　　بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر

اور حقیقت بھی یہی ہے کہ از ازل تا بہ ابد آپ کی ذاتِ اقدس رہبرِ راہِ حیات اور ذریعۂ بخشش و نجات ہے۔ آپ کی تشریف آوری نے نہ صرف عرب بلکہ تمام عالمِ انسانیت کی روحانی و اخلاقی اور ایمانی و ایقانی اقدار کو انتہائی شرف و عروج بخشا۔ آپ نے کفر و ظلمت اور شرک و الحاد کو نیست و نابود کر کے تمام عالم کے مصائب و لوازب کا مداوا و تدارک کیا اور انسان کو انسان کا احترام کرنا سکھایا۔

حضرت رضاؒ کے ہاں اسوۂ سرکارِ والا کی صحیح تقلید اور عشقِ رسول کی سچی تڑپ اور حقیقی سوز و گداز ہر جگہ نمایاں ہے۔ آپ نے عشقِ رسولؐ ہی سے سرشار ہو کر شاعری کی طرف توجہ فرمائی مگر اس فن کے حصول کے لیئے کسی استاد کے آگے زانوئے تلمّذ تہ نہیں کیا بلکہ کلامِ الٰہی اور احادیثِ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ہی عقل و دل و نگاہ کا مرشدِ اوّلیں بنایا۔ اسی مخزنِ علم و حکمت سے گوہرِ مقصود حاصل کیا اور گلِ مراد سے دامانِ آرزو بھرا۔ آپ نے کسی مقام پر بھی شریعت و طریقت کی حدود سے تجاوز نہ کیا۔ لہٰذا خود فرماتے ہیں :۔

قرآن سے میں نے نعت گوئی سیکھی

یعنی احکامِ شریعت رہے ملحوظ

یہی سبب ہے کہ آپ کی نعتوں میں شاعرانہ شعور، حکیمانہ بصیرت، مصلحانہ تقدس، معارفِ قرآن و حدیث، اسرارِ عشق و معرفت، زبان و بیان کی دلکشی اور اک طرح کی مجتہدانہ شان نہایت آب و تاب کے ساتھ جلوہ گر ہے۔ آپ نے نعتیہ شاعری کو دیگر شعراء کی طرح رسمی طور پر اپنانے کے بجائے ایسی والہانہ محبت و عقیدت اور شیفتگی و ربودگی

کے زیرِ اثر اپنا یا کہ مدحتِ شہِ کونین کو ہی توشۂ آخرت اور سرمایۂ حیات تصوّر کیا۔ آپ کا مجموعۂ کلام حدائقِ بخشش از اوّل تا آخر عشقِ رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم سے مزیّن و منوّر ہے۔ آپ نے سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے اوصافِ حمیدہ، اخلاقِ پسندیدہ، اعمال و کردار، شکل و شمائل اور اسوۂ حسنہ کا بیان جس خوش اسلوبی اور حسنِ عقیدت سے کیا ہے وہ اوروں کے ہاں خال خال ہے۔ آپ کا کلام وحدانیت و حقانیت، فلسفہ و تصوّف، عجز و انکسار، جذب و کیف اور محبت و عقیدت سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے اس سلیقے و قرینے سے معمور و مملو ہے کہ نکہت و نورِ جمالِ محمدی کی عطر بیزی و ضیا پاشی سے مشامِ جاں اور شبستانِ دل معطّر و منوّر ھیں۔

حدائقِ بخشش میں ایسی بے شمار نعتیں ہیں جن کی سادگی و برجستگی اور فصاحت و بلاغت کی مثالیں دوسرے شعراء کے ہاں نہیں ملتیں۔ جیسی جیسی نئی و نادر تشبیہات جیسے جیسے عجیب و غریب استعارات، جیسے جیسے رموز و علائم اور جو جو صنایع بدایع آپ نے استعمال کیئے ہیں وہ دوسروں کے ہاں کم ہی نظر آتے ہیں۔

اردو کی نعتیہ شاعری ہماری ایشیائی شاعری کی ایک مستقل صنفِ سخن ہے۔ اس کی عزّت و حرمت، شوکت و عظمت اور اہمیّت و افادیت مسلّم ہے۔ جملہ اصنافِ سخن میں صرف نعت ہی ایک ایسی صنف ہے جو انتہائی دشوار و مشکل اور دقت طلب ہے۔ اسی بات کے پیشِ نظر غالب جیسا شاعر بھی یہ کہے بغیر نہ رہ سکا کہ:-

غالبؔ ثنائے خواجہ بہ یزداں گذاشتیم
کاں ذاتِ پاک مرتبہ دانِ محمدؐ است

حق تو یہ ہے کہ نعت گوئی کے اصول و قوانین اور حدود و قیود کی پابندی صرف وہی شخص کر سکتا ہے جو واقعی مومن ہو، جس کو ازل سے ہی سودائے عشقِ رسول ملا ہو، شریعت و طریقت سے بھی باخبر ہو اور حقیقت و واقعیت پر بھی بڑی گہری نظر رکھتا ہو۔ اس سلسلے میں اس مقام پر میں اعلیٰ حضرتؒ ہی کا قول پیش کرنا بہتر تصور کرتا ہوں۔

آپ فرماتے ہیں:-

"حقیقتاً نعت لکھنا بڑا مشکل کام ہے جس کو لوگوں نے آسان سمجھ لیا ہے۔ اس میں تلوار کی دھار پر چلنا پڑتا ہے۔ اگر بڑھتا ہے تو الوہیت میں پہنچ جاتا ہے اور اگر کمی کرتا ہے تو تنقیص ہوتی ہے۔ البتہ حمد آسان ہے کہ اس میں صاف راستہ ہے جتنا چاہے بڑھ سکتا ہے۔ غرض حمد میں اصلاً حد نہیں اور نعت شریف میں دونوں جانب سخت حدبندی ہے۔" (الملفوظ حصہ دوم ص ۴۰)

لہٰذا دیکھا گیا ہے کہ میدانِ نعت کے بڑے بڑے باشعور شعراء بھی یہ کہنے پر مجبور ہو جاتے ہیں کہ:۔

ع "با خدا دیوانہ باش و با محمد ہوشیار"

جمال الدین عرفی جیسے باکمال شاعر کو بھی آخر کار یہی کہنا پڑا کہ:۔

ع "عرفی مشتاب ایں رہِ نعت است نہ صحرا ست
آہستہ کہ رہ بر دمِ تیغ است قدم را"

لیکن جب ہم حضرت رضاؒ کی جامع الصفات شخصیت پر غور کرتے ہیں تو آپؒ کی ذاتِ گرامی دیگر شعراء سے نہایت ممتاز و ممیز نظر آتی ہے۔ دراصل جب دل میں آتشِ عشقِ نبیﷺ کی لو لگی ہو تو سوز و گداز اور درد و کسک ایک امر بدیہی ہے۔ ایسا تفتہ جگر شاعر ایک ایک بات، ایک ایک مضمون، ایک ایک کیفیت اور ایک ایک واقعہ کا سو سو طرح سے اظہار و ابلاغ کرنے پر پوری پوری قدرت و مہارت رکھتا ہے۔ خوبیٔ قسمت کہ اعلیٰ حضرت کو کئی زبانوں پر خصوصی دسترس حاصل تھی۔ اس لیئے آپؒ کی نعت گوئی میں کوئی نہ کوئی جدت و ندرت تو ہونی ہی چاہیئے تھی۔ لہٰذا خیالِ خاطرِ احباب کے پیشِ نظر آپ نے ایک نعت ایسی بھی فرمائی جس میں بیک وقت عربی، فارسی، اردو اور ہندی چاروں ہی زبانوں کا حسین امتزاج ہے۔ یہ نعت نہایت ہی ممتزوج و مربوط اور مسجّع و مرصّع ہونے کے ساتھ ساتھ آپ کی شاعرانہ قادر الکلامی علوءِ فکر اور جدّتِ تخیل کا ایک اعلیٰ نمونہ ہے اس کو پڑھ کر یا سُن کر ایسا محسوس ہوتا ہے کہ کوئی دریائے نرم سیر اطراف و اکناف میں تغزّل و ترنم اور سرور و کیف کے موتی بکھیرتا گزرتا چلا جاتا ہے۔ یہاں تبرکاً اس نعت کے صرف

دو اشعار پیش کرتا ہوں۔ ملاحظہ فرمائیں :۔

لم یات نظیرک فی نظرِ مثلِ تو نہ شد پیدا جانا

جگ راج کو تاج تو رے سر سو ہے تجھ کو شہِ دو سرا جانا

البحر علا والموج طغیٰ من بیکس و طوفاں ہوش رُبا

منجدھار میں ہوں بگڑی ہے ہوا، موری نیّا پار لگا جانا

آپ کے کلام میں وہ چاشنی و شیرینی ہے کہ محفلیں مہک اٹھتی ہیں. آپ کی عقل و دانش، ذہانت و فطانت اور فنّی شعور ملاحظہ کرنا ہو تو آپ کے قصیدے کے یہ دو اشعار ملاحظہ فرمائیے۔ فرماتے ہیں :۔

زمین و زماں تمہارے لیئے، مکین و مکاں تمہارے لیئے

چنین و چناں تمہارے لیئے، بنے دو جہاں تمہارے لیئے

ذہن میں زباں تمہارے لیئے، اٹھیں گے وہاں تمہارے لیئے

ہم آئے یہاں تمہارے لیئے، اٹھیں گے وہاں تمہارے لیئے

جذب و کیف، عقیدت و محبت سے سرشاری کے عالم میں کہے گئے ذرا ان اشعار کو بھی ملاحظہ کیجیئے۔ فرماتے ہیں :۔

اُن کی مہک نے دل کے غنچے کھِلا دیئے ہیں

جس راہ چل گئے ہیں کوچے لبسا دیئے ہیں

اک دل ہمارا کیا ہے آزار اُس کا کتنا

تم نے تو چلتے پھرتے مُردے جِلا دیئے ہیں

ان کے نثار کوئی کیسے ہی رنج میں ہو

جب یاد آ گئے ہیں سب غم بھُلا دیئے ہیں

ایک اور نعت کے یہ چند اشعار ملاحظہ کیجیئے۔ ان میں بھی ذوق و شوق اور شیفتگی و وارفتگی کا وہی عالم ہے۔ فرماتے ہیں :۔

مصطفےٰ خیر الوریٰ ہو
سرورِ ہر دو سرا ہو
اپنے اچھوں کا تصدق
ہم بدوں کو بھی بنا ہو
کس کے پھر ہو کر رہیں ہم؟
گر تمہیں ہم کو نہ چاہو
بد ہنسیں، تم اُن کی خاطر
رات بھر روؤ کراہو
چرخ بدلے، دہر بدلے
تم بدلنے سے ورا ہو
ہم وہی قابل سزا کے
تم وہی رحمِ خدا ہو

آپ حضرت مولانا کفایت علی کافیؔ شہید کو سلطانِ نعت گویاں فرمایا کرتے تھے۔ ایک رباعی میں آپ نے مولانا کو نذرانۂ عقیدت پیش کرتے ہوئے کیا خوب فرمایا ہے:۔

مہکا ہے مرے بوئے دہن سے عالم
یاں نغمۂ شیریں نہیں تلخی سے بہم
کافیؔ سلطانِ نعت گویاں ہے رضاؔ
انشاء اللہ میں وزیر اعظم

اسی طرح ایک اور رباعی میں عشقِ رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم میں مولانا کافیؔ شہید کے سوز و گداز، درد و الم اور کمالِ عشق و عقیدت پر رشک کرتے ہوئے فرماتے ہیں:۔

پرواز میں جب مدحتِ شہ میں آؤں
تا عرش پرِ واز فکر رسا میں جاؤں

مضمون کی بندش تو میسّر ہے رضاؔ
کافیؔ کا دردِ دل کہاں سے لاؤں

غرض یہ کہ بارگاہِ خداوندی سے آپ کو ہر علم عطا کیا گیا تھا۔ ایسا کون سا علم تھا جس پر آپ کو عبور و کمال حاصل نہ ہو۔ یہی وجہ تھی کہ آپ کا شمار اس دور کے جیّد و متبحّر علماء میں کیا جاتا تھا۔ تائیدِ ایزدی، ذاتی کوشش، مطالعے و مشاہدے، شعور و تجربے، وجدان و معرفت اور غور و فکر نے آپ کو جملہ علوم میں کامل بنا دیا تھا۔ بڑے بڑے ذہین و فطین بھی آپ کا لوہا مانتے تھے۔ یہی سبب ہے کہ آج مختلف علوم و فنون پر مشتمل تقریباً ایک ہزار سے زائد کتب و رسائل آپ کی یادگار ہیں۔

فی الاصل اعلیٰ حضرت اپنے فضل و کمال، مصلحانہ تقدس، حکیمانہ شعور، ذہانت و فطانت، طبّاعی و درّاکی اور عالمانہ و استادانہ تدبّر و بصیرت کے سبب اردو کے نعت گو شعراء میں نہایت محبوب و مقبول ہونے کے ساتھ ساتھ شہرت و عظمتِ لازوال کے مالک ہیں۔ آپ کے دل سے نکلنے والے ایک ایک لفظ اور ایک ایک شعر نے عاشقانِ سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے دلوں میں دیوانگی و شیفتگی اور وارفتگی و ربودگی کی تڑپ کوٹ کوٹ کر بھر دی اور ایک ایسی شمعِ ایمان فروزاں کر دی جس کی روشنی میں آنے والی نسلوں کے شعراء بھی اپنی منزلِ مقصود تک بآسانی پہنچنے میں کامیاب و کامران ہوتے رہیں گے اور حق تو یہ ہے کہ:

ہرگز نمیرد آنکہ دلش زندہ شد بعشق
ثبت است بر جریدۂ عالم دوامِ ما

ڈاکٹر عبدالرشید
استاد شعبہ علوم اسلامی۔ جامعہ کراچی

امام اہلسنت مجدد دین و ملت اعلیحضرت احمد رضا خاں بریلوی کی علمی و سیاسی خدمات

اعوذ باللہ من الشیطن الرجیم۔ بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ الحمد للہ رب العالمین۔ والصلوٰۃ والسلام علیٰ رحمۃ للعالمین۔

اس محفل رشد و ہدایت کے صدر گرامی قدر جناب ارشد صاحب (ریٹائرڈ مرل چیئرمین کراچی پورٹ ٹرسٹ) و معزز حاضرین کرام!

السلام علیکم

خوش نصیب ہیں وہ حضرات جنہوں نے آج کی محفل کا انعقاد کیا اور فخر ہے مجھے اپنی قسمت پر کہ اس محفل کی تجلی لور سے منور ہونے کی سعادت بخشی۔

ایک دو دن قبل کی بات ہے کہ میرے معزز و محترم علم دوست سرپرست جناب حاجی حنیف صاحب طیب کے حوالے سے عالیجناب ریاست علی صاحب قادری نے حکم صادر فرمایا کہ میں اعلیحضرت احمد رضا خاں رحمۃ اللہ تعالےٰ علیہ کی زندگی کے کسی شعبے پر کچھ عرض کروں۔ اگرچہ اس سے قبل میں اپنے پی ایچ ڈی کے مقالے میں تحریک پاکستان میں صوفیائے کرام کے کردار کے سلسلے میں اعلیٰ حضرت کا ذکر بھی کر چکا ہوں لیکن اس موقع پر جب میں نے آپ کی زندگی کا تفصیلی مطالعہ کرنا چاہا تو یقین جانیئے میرے لیئے یہ فیصلہ کرنا بڑا مشکل تھا کہ میں آپ کی زندگی کے کس شعبے کا ذکر کروں۔ اس لیئے کہ آپ کی زندگی

اس قدر جامع ہے کہ جس کا مکمل تعارف وہی کر سکتا ہے جو آپ جیسا جامع العلوم ہو اور آپ جیسا جامع العلوم نہ تو گزشتہ صدی میں گزرا اور نہ اس صدی میں نظر آتا ہے۔ اور آپ کی شخصیت کا یہی وہ مقام ہے جو موجودہ اور آئندہ نسلوں کے ذہنوں میں آپ کی یاد تازہ رکھے گا۔ اس لیئے کہ آپ نے اپنے علم سے تقدیس رسالت صلی اللہ علیہ وسلم کی حفاظت کی اور برصغیر کے مسلمانوں کو سیاسی شعور بخشنے کے لیئے اپنی سیاسی بصیرت سے مختلف اوقات میں اہم نکات پیش فرمائے۔ آپ نے اپنے علم کی بناء پر عشقِ نبوی ﷺ کو نئی زندگی عطا کی۔ جنونِ محبت کو دوام عطا فرمایا اور یہاں قلب و روح میں محبت کی وہ سرمدی مستی اور لافانی سرور و خمار بھر دیا جسے فنا کرنا تو کجا اس کی مدت کا کم ہونا بھی ابد تک ممکن نہیں۔

سامعین گرامی قدر!

یوں تو اسلام علم و فن کے ہر شعبے کی حوصلہ افزائی کرتا ہے اور اس کی تعمیر و ترقی کا داعی بھی ہے لیکن ایسے علوم کی اہمیت زیادہ ہے جن کا تعلق انسان کے فکر و عمل سے ہو۔ کیونکہ فکر و عمل کے اثرات ہی انسان کی انفرادی اور اجتماعی زندگی پر انتہائی گہرے ہوتے ہیں۔ اسی لیئے ایسے علوم کو بطورِ خاص اہمیت دی جاتی ہے اور ان علوم میں فقہ ایک ایسا علم ہے جس کا تعلق انسانی زندگی کے ہر زاویئے سے ہے۔ خاص کر تمدنی زندگی کی بڑھتی ہوئی رفتار میں نت نئے پیش آنے والے مسائل اور ان کا حل نیز جدید دنیا میں انسانی زندگی کی راہوں کا تعین ایسے بنیادی مسائل ہیں جن کا تعلق فقہ سے ہے۔

بلاشبہ قانون کی تشریح کرنا اور اصولوں کی روشنی میں قانون بنانا بڑا مشکل کام ہے اور اس کام کو وہی حضرات بطریقِ احسن انجام دے سکتے ہیں جو بہترین صلاحیتوں کے حامل ہوں۔ گوناگوں علوم و فنون میں مہارت رکھتے ہوں اور قوتِ استدلال اور جدید و قدیم مسائل کے ادراک کے ساتھ ساتھ اعلیٰ اخلاقی اقدار کے مالک بھی ہوں۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ اس سلسلے میں قرآن کریم اور سنتِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بنیاد قائم کر دی ہے لیکن اس بنیاد کی روشنی میں مجتہدانہ غور و فکر اور بصیرت کے ذریعہ مسائل کا قابلِ عمل حل پیش کرنا معمولی ذمہ داری نہیں۔

اگر ہم اس پس منظر میں دیکھیں تو ہمیں اعلیٰ حضرت احمد رضا خاں کی ذات ایک بلند پایہ فقیہہ اور مفتی کی منظر آئے گی۔ آپ کی ایک ذات میں متنوع علوم و فنون میں حیرت انگیز ماہرانہ صلاحیت، تفقہ، تدبر، اصابت رائے اور ذاتی بلندی کردار و اخلاق کی شان پوری آب و تاب سے موجود ہے۔ اس سے میری یہ مراد نہیں کہ آپ صرف ایک فقیہہ اور مفتی ہیں بلکہ اس میدان میں آپ نمایاں ہیں ورنہ اس کے ساتھ ساتھ آپ ایک بلند پایہ مفسر، نامور محدث، معروف ریاضی داں، ماہر علم نجوم و جفر اور لاثانی نعت گو شاعر ہیں اور ۵۳ مختلف علوم و فنون میں آپ کی سینکڑوں تصانیف ہیں جن کے مطالعے سے معلوم ہوتا ہے کہ علمی میدان میں آپ فقہائے اربعہ کا پرتو ہیں۔

میں عرض کر رہا تھا فقہ کے بارے میں۔ فقہ کے میدان میں آپ کے فتاویٰ فقہ اسلامی کا وہ عظیم الشان کارنامہ ہیں جو آپ کو مجتہد کے درجہ پر فائز کرنے کے لیئے کافی ہیں۔ آپ کی اجتہادی قوت کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ فتاویٰ رضویہ کی پہلی جلد کے تیمم کے باب میں آپ نے ۱۱۳ امور بیان کیئے ہیں جن میں سے صرف ۲، ایسے ہیں جن کا ذکر فقہائے متقدمین نے بھی کیا ہے۔ بقیہ تمام آپ کے استنباط کردہ ہیں۔ یہ تو صرف تیمم جیسے معمولی مسائل کے ضمن میں عرض کیا گیا بقیہ مسائل کے استنباط کی کیا صورت ہوگی اس کا اندازہ فتاویٰ رضویہ کی ۱۲ ضخیم جلدوں کے مطالعہ سے بخوبی ہو سکتا ہے جو ہزاروں صفحات پر مشتمل ہیں۔ آپ کی اسی شخصیت سے متاثر ہو کر علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:-

"ہندوستان کے اس دور میں احمد رضا خاںؒ بریلوی جیسا ذہین فقیہہ پیدا نہیں ہوا۔ میں نے آپ کے فتاویٰ سے یہ رائے قائم کی ہے کہ آپ کے فتاویٰ آپ کی ذہانت اور علوم دینیہ میں کمال کا منہ بولتا ثبوت ہیں۔ گویا آپ اپنے دور کے امام ابو حنیفہ ہیں۔"

آپ کے علمی کارنامے کا دوسرا رخ عظمت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہے جس کی توفیق آج تک دوسرے تمام مترجمین قرآن اور مفسرین کو نہ ہو سکی۔ صرف ایک مثال پر اکتفا کرتا ہوں۔ قرآن کریم کی سورۃ ۹۳ کی آیت ۷ میں ارشاد خداوندی ہے کہ:-

"وَوَجَدَكَ ضَآلًّا فَهَدٰى"

اس آیت کریمہ کا ترجمہ مختلف مفسرین نے اس طرح کیا ہے :۔

شاہ عبدالقادر :۔ اور پایا تجھ کو بھٹکتا پھر راہ دی۔

شاہ رفیع الدین :۔ اور پایا تجھ کو راہ بھولا پس راہ دکھائی

عبدالماجد دریا آبادی :۔ اور آپ کو بے خبر پایا سو رستہ بتایا۔

ڈپٹی نذیر احمد :۔ اور تم کو دیکھا کہ راہِ حق کی تلاش میں بھٹکتے پھر رہے تھے تو تم کو دینِ اسلام کا سیدھا رستہ دکھایا۔

مولانا اشرف علی تھانوی :۔ اور اللہ نے آپ کو شریعت سے بے خبر پایا تو آپ کو شریعت کا رستہ بتلایا۔

ان تمام متراجم میں ایک بات مشترک ہے اور وہ یہ ہے کہ آپ صحیح راستے پر نہ تھے۔ آپ کو صحیح راستہ بتلایا گیا۔

اب اس کے بعد ملاحظہ فرمائیے کہ اعلیٰ حضرت احمد رضا خاںؒ نے کس کمالِ علمی سے عصمتِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مدِّنظر رکھتے ہوئے اس آیت کا ترجمہ فرمایا۔ آپ تحریر فرماتے ہیں کہ :۔

"اور آپ کو اپنی محبت میں خود رفتہ پایا تو اپنی طرف راہ دی۔"

یہ تو میں نے صرف ایک آیت بطورِ مثال پیش کی ورنہ حقیقت یہ ہے کہ قرآن کریم کی ایسی تمام آیات جن میں ضالًّا یا اس طرح کے دیگر الفاظ استعمال ہوئے ہیں، صرف اعلیٰحضرت ہی کی وہ واحد شخصیت ہے کہ جنہوں نے ترجمہ کرتے وقت حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت و عقیدت اور عصمت کو مدِّنظر رکھا ہے اور اس طرح اگر ایک طرف تمام مسلمانوں کو گمراہی سے بچاتے ہوئے بہت بڑی علمی خدمت کی ہے تو دوسری طرف مستشرقین کو جو اس طرح کے موقعوں کی تلاش میں ہوتے ہیں تاکہ مسلمان علماء کے حوالے سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شان پر حرف گیری کریں ایسا کرنے سے روک دیا۔ یہ رتبہ صرف آپ کو ملا ہے اور اس نے آپ کو ایک فرد کی حیثیت سے اٹھا کر ایک تحریک کے طور پر ہمارے سامنے لا کھڑا کیا۔

اور ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ آج اعلیٰ حضرت احمد رضا خاںؒ کسی فردِ واحد کا نام نہیں بلکہ تقدیس رسالت کی تحریک کا نام ہے۔ تمام مسلمانوں کے زندہ ضمیر کا نام ہے۔ عشقِ مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم میں ڈوبے ہوئے دھڑکتے دلوں کا نام ہے اور جب تک یہ سب چیزیں زندہ رہیں گی اعلیٰ حضرت امام اہلسنت مجدد دین و ملت احمد رضا خاںؒ کا نام زندہ رہے گا۔ یہی آپ کا مقام ہے اور اسی مقام نے آپ کو اللہ تبارک و تعالیٰ کی قربت بخشی۔

اے امامِ اہلسنت اے فقیہہ بے عدیل
رحمۃ للعالمین کی تیغ الفت کے قتیل
ہے مئے عشق رسول اللہ سے مخمور تو
ہو نہ پھر کیونکر خدا بھی دو جہاں تیرا خلیل

اعلیٰ حضرت کی علمی خدمات کا مختصر جائزہ لینے کے بعد اب آیئے آپ کی سیاسی خدمات پر سرسری نظر ڈالیں۔

معزز سامعین!

اگرچہ یہ ایک افسوسناک حقیقت ہے کہ غیر اسلامی قوتیں اسلام کو نقصان پہنچانے میں ہمیشہ سرگرم عمل رہی ہیں لیکن اس سے بڑھ کر افسوس یہ ہے کہ مسلمانوں نے اپنے دورِ اقتدار میں کبھی یہ کوشش نہیں کی کہ غیر اسلامی قوتوں کو مکمل طور پر ختم کر دیا جائے۔ تاریخ اس بات کی شاہد ہے کہ مسلمان حکومتوں کے زمانہ عروج میں بھی دشمنوں نے لباس دوستی میں اسلامی اتحاد و اتفاق کو پارہ پارہ کرنے کی ہر ممکن کوشش کی۔ خود رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم کو کفار کے مقابلہ میں عبداللہ بن ابی منافق سے زیادہ محتاط رہنا پڑا۔ اسی طرح عباسی دور میں یہودی علما اور حکماء نے کلیدی عہدوں پر فائز ہو کر اپنی تصانیف و تراجم کے ذریعہ مسلمانوں کی ایمانی اور وجدانی قوتوں پر عقلیات کی ضربیں لگائیں۔ حضرت امام ابوحنیفہ اور حضرت امام مالک اور دوسرے بہت سے اہلِ حق مسلمانوں کو خود مسلمان حکمرانوں سے سزائیں دلوائیں۔ اس طرح مسلمان دشمنوں کا آلۂ کار بن کر دانستہ اور غیر دانستہ طور پر ذاتی مفاد کی خاطر اپنے ہی گھر کو آگ لگاتے رہے۔ یہی صورتِ حال برصغیر پاک و ہند میں بھی رہی۔ جے پال کی کارروائیاں،

انند پال کی سازشیں، پرتھوی راج اور شہاب الدین کی جنگ۔ ان تمام واقعات نے مسلمانوں کو سیاسی طور پر تباہ کر کے رکھ دیا۔ اگرچہ باطل کی ان چیرہ دستیوں کو روکنے کے لیئے صرف علمائے حق اور صوفیائے کرام ہی سینہ سپر ہوئے۔ خصوصاً برصغیر میں سلطان محمود غزنوی اور سلطان شہاب الدین غوری کی فتوحات میں حضرت ابوالحسن خرقانی اور خواجہ معین الدین چشتی کا روحانی جہاد کارفرما تھا اور اگر ایک طرف حضرت بابا فریدؒ، شیخ نظام الدین اولیاءؒ، خواجہ قطب الدین کاکیؒ، شیخ بہاؤالدین زکریا ملتانی اور شاہ بوعلی قلندر پاکستان و ہند کے میدانی علاقوں میں اور دوسری طرف حضرت سید علی ترمذی، پیر بابا شیخ بایزید انصاری، شیخ رحمکار کاکا صاحبؒ، قاسم جی باباکیاں شریف اور پیر مہر علی شاہ گولڑہ شریف اور ان جیسے دوسرے صوفیاء حضرات برصغیر کے دور دراز علاقوں اور سنگلاخ پہاڑوں میں مسلمانوں کی روحانی اصلاح کرتے ہوئے ان میں جذبۂ جہاد کی روح پیدا کر رہے تھے تاکہ وہ اپنے سیاسی وقار کو بحال کر سکیں۔ تو اس کے ساتھ ساتھ اعلیٰ حضرت احمد رضا خاں نے ۱۹۱۲ء میں وہ چار نکات پیش کیئے کہ جن پر اگر ہمارے اکابر بروقت توجہ فرماتے تو مسلمان نہ صرف ۱۹۴۷ء سے قبل ہی انگریزوں کی غلامی سے نجات حاصل کر لیتے بلکہ آج پورے برصغیر کی قیادت مسلمانوں کے ہاتھ میں ہوتی۔ آپ نے ان چار نکات کا اعلان کرتے ہوئے فرمایا کہ:-

۱۔ مسلمان اپنے دین کی اشاعت کی طرف توجہ دیں۔

۲۔ فضول خرچی نہ کریں اور مقدمات پر روپیہ پیسہ پانی کی طرح نہ بہائیں۔

۳۔ مسلمان صرف مسلمان تاجروں سے خرید و فروخت کریں۔

۴۔ اہلِ ثروت مسلمان مسلمانوں کے لیئے اسلامی طرز پر بینکاری کا نظام قائم کریں۔

اعلیٰ حضرت کے یہ نکات مسلمانوں کی معاشی اصلاح کے لیئے تھے تاکہ وہ اپنے دین کی روشنی میں معاشی استحکام حاصل کر لیں جس کے نتیجے میں وہ سیاسی طور پر قوت حاصل کر لیں گے۔ کیونکہ اس بات سے ہم انکار نہیں کر سکتے کہ تقسیم سے قبل مسلمان اقلیت ہونے کے باوجود بعض علاقوں خاص کر یوپی میں گاؤں کے مالک ہوتے تھے جس بنا پر

ان کا وہاں کی آبادی پر سیاسی اثر ہوتا تھا اور یہی وجہ تھی کہ تقسیم کے فوراً بعد ہندوستان کے وزیرِ داخلہ پٹیل نے زمینداری کے خاتمے کا اعلان کر کے مسلمانوں کی اقتصادی قوت کو ختم کر دیا۔

اعلیٰحضرت نے ۱۹۱۲ء میں مسلمانوں کے لیئے الگ بنکاری کی جو تجویز پیش کی تھی وہ اس لیئے کہ اس وقت صرف انگریز اور ہندو بنکاری کرتے تھے۔ مسلمان زمیندار ان بنکوں سے قرض لیتے اور پھر سود در سود کے چکر میں اپنی زمینوں سے ہاتھ دھو بیٹھتے اور اس طرح اپنے علاقے میں اپنا سیاسی اثر بھی زائل کر دیتے۔ تیز معاشی استحکام ہی وہ واحد حربہ ہے جو کسی بھی قوم کو سیاسی قوت بخشتا ہے۔ امریکہ کے حالات ہمارے سامنے ہیں کہ یہودی معیشت پر غالب ہونے کی وجہ سے امریکہ جیسی طاقتور حکومت سے اپنے مرضی کے فیصلے کرا لیتے ہیں اور عرب ممالک معاشی قوت کو صحیح طور پر استعمال نہ کرنے کی وجہ سے اسرائیل کے سامنے بے بس نظر آتے ہیں۔

علمِ دین کی اشاعت کی طرف اعلیٰحضرت نے اس لیئے توجہ دلائی کہ اگر مسلمان مادی ترقی کے ساتھ ساتھ روحانی ترقی پر توجہ نہیں دیں گے تو یہی ترقی ان کے لیئے تباہی کا سبب بن سکتی ہے۔ خاص کر اعلیٰحضرت کا مقصد یہ تھا کہ انگریزی تعلیم اگر حاصل کرنا ضروری ہے تو اس کے ساتھ مسلمان اپنی دینی تعلیم نہ بھلا بیٹھیں۔ کیونکہ آپ کو یہ خطرہ محسوس ہو گیا تھا کہ اگر مسلمان علمِ دین سے بے بہرہ ہو گئے تو اپنی حیثیت کھو بیٹھیں گے۔

یہی وجہ تھی کہ آپ نے تحریکِ ترکِ موالات کے سلسلے میں ۱۹۲۰ء میں ایک جامع فتویٰ دے کر دو قومی نظریئے کی بنیاد ڈال دی اور آپ کے فتوے ہی کی بنا پر علامہ اقبال نے ۱۲ر نومبر ۱۹۲۰ء میں انجمن حمایت الاسلام کے جلسہ میں انجمن کے جنرل سکریٹری کی حیثیت سے مسلمانوں کی توجہ اس طرف مبذول کرائی اور فرمایا۔

"میں ہر معاملہ کو مذہبی نقطہ نظر سے دیکھتا ہوں اور مسلمانوں کو بتا دینا چاہتا ہوں کہ اگر وہ شریعت کے احکام پر نہ چلے تو ہندوستان میں ان کی حیثیت بالکل تباہ ہو جائے گی۔"

حاضرینِ گرامی!

میں نے مختصر طور پر اعلیٰ حضرت کی ملّی خدمات کی طویل فہرست میں سے علمی اور سیاسی خدمات کا مختصر ترین ذکر کیا ہے۔ اگر ہم اعلیٰ حضرت کی تعلیمات اور شخصیت کا گہرا مطالعہ کریں تو یقین جانیئے آپ کی روشن کردہ شمع سے آج ہم اپنے تمام مسائل کا حل دریافت کر سکتے ہیں اور اپنے ملک پاکستان کے استحکام میں جو اسلام کے نام پر حاصل کیا گیا بھرپور کردار ادا کر سکتے ہیں۔ کیونکہ نظامِ مصطفٰے کے قیام کے لیئے عاشقانِ مصطفٰے کی رہنمائی ضروری ہے اور اس کے لیئے آج ہم سب ایک بہت بڑے عاشقِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم اعلیٰ حضرت احمد رضا خاںؒ کی یاد میں جمع ہوئے ہیں۔ تو آیئے آج ہم اس بات کا عہد کریں کہ ہم میں سے ہر شخص نہ صرف اپنی زندگی اسوۂ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی میں گزارے گا بلکہ اپنی اپنی جگہ اپنی حیثیت کے مطابق دوسروں کو بھی اسوۂ رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر چلنے کے لیئے پورے طور پر آمادہ کرے گا۔ اگر ہم ایسا کرنے میں کامیاب ہو گئے تو اعلیٰ حضرت کی روح کو سکون اور خوشی حاصل ہو گی اور ہمیں دین و دنیا میں بھلائی نصیب ہو گی جس کی طرف مفکرِ پاکستان نے اشارہ کیا ہے:-

کی محمدؐ سے وفا تو نے تو ہم تیرے ہیں

یہ جہاں چیز ہے کیا لوح و قلم تیرے ہیں

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین۔ والصلوٰۃ والسلام علیٰ سید المرسلین والبشر المومنین (ورحمۃ للعالمین۔

والسلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکتہٗ
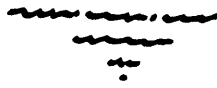
سید انور علی ایڈوکیٹ

مولانا احمد رضا خاں بریلوی کے نثر پارے

مولانا احمد رضا خاں پچاس علوم و فنون پر تو عبور رکھتے ہی تھے مگر ادب و شاعری میں بھی ان کا مقام بہت بلند ہے، وہ اردو، ہندی، فارسی اور عربی نظم و نثر پر یکساں عبور رکھتے تھے۔ ان کی ادبیت کا کمال یہ ہے کہ فقہ جیسے سنجیدہ، سیاست جیسے بے رنگ اور سائنس جیسے پیچیدہ موضوع پر بھی جب وہ قلم اٹھاتے ہیں تو ان کا قلم اپنی بہاریں دکھاتا ہے۔ یہاں چند موضوعات پر آپ کی کتابوں سے کچھ نمونے پیش کئے جاتے ہیں۔

مولانا احمد رضا خاں حرکتِ زمین کے رد میں اپنی معرکتہ الآراء کتاب "فوز مبین در ردِ حرکتِ زمین" (۱۳۳۸ھ) میں آئزک نیوٹن پر تنقید کرتے ہوئے ایک جگہ لکھتے ہیں:

> ہر جسم میں دوسرے کو اپنی طرف کھینچنے کی ایک قوت طبعی ہے جسے جاذبیا یا جاذبیت کہتے ہیں، اس کا پتا نیوٹن کو ۱۶۶۵ء میں اس وقت چلا جب وہ وبا سے بھاگ کر کسی گاؤں گیا باغ میں تھا کہ درخت سے سیب ٹوٹا، اسے دیکھ کر اسے سلسلۂ خیالات چھوٹا جس سے قواعدِ کشش کا بھبوکا پھوٹا۔

(فوز مبین، ص ۳)

ایک کتاب "ختم النبوت" کے موضوع پر لکھی ہے (۱۳۱۷ھ)۔ اس میں مدینہ منورہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو تشریف آوری کا اس طرح نقشہ کھینچا ہے:

> "اللہ اللہ ایک وہ دن تھا کہ مدینہ طیبہ میں حضور پر نور صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری کی دھوم ہے، زمین و آسمان میں خیر مقدم کی صدائیں گونج رہی ہیں، خوشی و شادمانی ہے کہ درو دیوار سے ٹپکی پڑتی ہے، مدینے کے ایک ایک بچے کا دمکتا چہرہ انار دانہ ہو رہا ہے، باچھیں کھلی جاتی ہیں، دل ہیں کہ سینوں میں

نہیں سماتے، سینوں پر جامہ تنگ، جاموں میں قبائے گل کا رنگ، نور ہے کہ جھما جھم برس رہا ہے، فرش سے عرش تک نور کا بقعہ بنا ہے، پردہ نشیں کنواریاں شوقِ دیدار محبوبِ کردگار میں گاتی ہوئی باہر آتی ہیں کہ

طلع البدر علینا من ثنیات الوداع
وجب الشکر علینا مادعا للّٰہ داع

(ص ۷۰)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مدینہ منورہ تشریف آوری کے بعد اب اسی مدینہ طیبہ میں آپ کے دنیا سے تشریف لیجانے کا منظر کھینچتے ہیں۔

" ایک دن آج ہے کہ اس محبوب کی رخصت ہے، مجلسِ آخری وصیت ہے، مجمع تو آج بھی وہی ہے، بچوں سے بوڑھوں تک، مردوں سے پردہ نشینوں تک، سب کا ہجوم ہے، ندائے بلال سنتے ہی چھوٹے بڑے سینوں سے دل کی طرح بے تابانہ نکلے ہیں، شہر بھر نے مکانوں کے دروازے کھلے چھوڑ دیئے ہیں۔ دل کمھلائے، چہرے مرجھائے، دن کی روشنی دھیمی پڑگئی کہ آفتاب جہاں تاب کی وداع نزدیک ہے آسمان پژمردہ، زمین افسردہ، جدھر دیکھو سناٹے کا عالم، اتنا اژدھام، ہو کا مقام، آخری نگاہیں اس محبوب کے روئے حق نما تک کسی حسرت و یاس کے ساتھ جاتی اور ضعف نومیدی سے ہلکان ہوکر بیخودانہ قدموں پر گر جاتی ہیں۔ فرطِ ادب سے لب بند، مگر دل کے دھوئیں سے یہ صدا بلند،" (ص ۷۱)

حسام الحرمین (۱۳۲۴ھ) مولانا بریلوی کی مشہور و معروف کتاب ہے۔ اس میں ایک جگہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی رحمت و رافت کا نقشہ کھینچتے ہوئے لکھتے ہیں:-

" ارے وہ، وہ ہیں کہ تم چادر تان کر، شام سے خراٹے لیتے صبح کی خبر لاتے ہو، تمہارے درد ہو، کرب ہو، بے چینی ہو، کروٹیں بدل رہے ہو ——— ماں، باپ، بھائی، بیٹا، بی بی، اقربا، دوست، آشنا دو چار راتیں کچھ جاگے ہوئے آخر تھک تھک جا پڑے اور جو نہ لیٹے وہ بیٹھے بیٹھے اونگھ رہے ہیں، نیند کے جھونکے آرہے ہیں ——— اور وہ پیارا، بے گناہ، بے خطا ہے کہ تمہارے لئے راتوں جاگا کیا، تم سوتے اور وہ زار زار رو رہا ہے، روتے روتے صبح کر دی ہے کہ

رَبِّ اُمَّتِیْ اُمَّتِیْ

اے میرے رب! میری امت ، میری امت!

(ص ۷۴ - ۷۵)

ایک عیسائی نے قرآن پر اعتراض کیا جب یہ بات آپ کے علم میں لائی گئی تو آپ نے "الصمصام علی مشکک فی اٰیۃ علوم الارحام (۱۳۱۵ھ) کے عنوان سے ایک رسالہ تحریر فرمایا۔ اس رسالے میں ایک جگہ حضرت عیسیٰؑ اور حضرت مریم علیہا السلام کے بارے میں عیسائیوں کے عقائد پر تبصرہ کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:۔

خدارا انصاف ـــــ وہ عقل کے دشمن، دین کے رہزن، جنہیں کو دن، ایک اور تین میں فرق نہ جانیں ـــــ ایک خدا کو تین مانیں ـــــ پھر تینوں کو ایک ہی جانیں ـــــ بے مثل، بے کفو کے لئے جورو بتائیں، بیٹا ٹھہرائیں ـــــ اس کی پاک بندی، ستھری، کنواری، پاکیزہ بتول مریم پر ایک بڑھئی کی جورو ہونے کی تہمت لگائیں ـــــ اللہ اللہ ـــــ یہ قوم! یہ قوم! ـــــ سراسر لوم ـــــ یہ لوگ! یہ لوگ! جنہیں عقل سے لاگ ـــــ جنہیں جنوں کا روگ ـــــ یہ اس قابل ہوئے کہ خدا پر اعتراض کریں اور مسلمان ان کی لغویات پر کان دھریں۔

(ص - ۱۹ - ۲۱)

ایک رسالے منیر العین (۱۳۰۱ھ) میں تقویۃ الایمان پر تنقید کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں۔

" وہابیت کا بھاگ، نجدیت کی ہولی، شرک کا رنگ، تقویۃ الایمان کی پچکاری ہے ـــــ زور گھنگھور شرآلوں کا شور، سارا جہاں شرابور، پر لوکی قید نہ اماوس پہ جھور، یہ انوکھا پھاگن بارہ ماس جاری ہے۔

اشراک بمذہبے کہ تا حق برسد
مذہب معلوم واہل مذہب معلوم

(ص ۱۲۶)

مسٹر گاندھی کی تحریکِ ترکِ موالات سے مولانا بریلوی کو اختلاف تھا۔ وہ اس تحریک کو مسلمانوں کے لئے، خطرناک سمجھتے تھے مگر مسٹر گاندھی نے مسلمانوں پر ایسا جادو کر دیا تھا کہ

علماء و عوام سب ہی اس تحریک میں شامل ہو گئے اور ہندوؤں کے ایسے گرویدہ ہو گئے کہ باوجودیکہ انہوں نے مسلمانوں کا قتل عام کیا۔ ان کو مرتد بنایا۔ ان کو گھروں سے نکالا مگر قوم پرست علماء و عوام نے ہندوؤں کی مخالفت میں ایک لفظ بھی نہ نکالا بلکہ حمایت میں جلسے کئے اور قرار دادیں پاس کیں۔ قوم پرست مسلمانوں کے اس انداز فکر پر تنقید کرتے ہوئے ایک جگہ لکھتے ہیں :۔

ان پر ثبوتِ اشد جرائم کے انبار ہوئے تمہاری چھاتی دھڑکی' ——— تمہاری مامتا پھڑکی ——— گھبرائے، تلملائے، سپٹائے جیسے اکلوتے کی پھانسی سُن کر ماں کو درد آئے ——— فوراً گرما گرم دھواں دھار ریزولیشن پاس کیا ہے ——— کہ ہے ہے یہ ہمارے پیارے ہیں ——— یہ ہماری آنکھ کے تارے ہیں ——— انہوں نے مسلمانوں کو ذبح کیا، جلایا، پھونکا ——— مسجدیں ڈھائیں، قرآن پھاڑے ——— یہ ہماری ان کی خانگی شکر رنجی تھی ——— ہمیں اس کی مطلق پرواہ نہیں ——— یہ ہمارے سگے ہیں، کوئی سوتیا دہ نہیں ——— ماں بیٹی کی لڑائی دودھ کی ملائی ——— برتن ایک دوسرے سے کھڑک ہی جاتا ہے ——— ان کے درد سے ہمیں غش پہ غش آتا ہے ——— ان کا بال بیکا ہوا اور ہمارا کلیجہ پھٹا ——— اللہ ان کو معافی دی جائے ——— فوراً ان سے درگذر کی جائے۔

(ص ۱۳۷)

مولانا احمد رضا خاں کی سینکڑوں تصانیف ہیں اگر ان کا بنظر غائر مطالعہ کیا جائے تو بے شمار شہ پارے مل سکتے ہیں اور ایک ضخیم کتاب مدوّن ہو سکتی ہے۔ اس مختصر مقالے میں مولانا بریلوی کی چھ کتابوں کی ورق گردانی کر کے چند شہ پارے جمع کئے گئے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ اس تکلف کی بھی ضرورت نہ تھی ایک ہی کتاب میں بہت سے شہ پارے مل جاتے مگر مختلف کتابوں سے استفادہ اس لئے کیا گیا تاکہ یہ معلوم ہو جائے کہ وہ ہر موضوع پر ادیبانہ اسلوب نگارش اختیار کرنے پر قادر ہیں آج کل ہم اس بحث میں الجھے ہوئے ہیں کہ اردو اس قابل بھی ہے کہ سائنسی اور قانونی موضوعات پر اس میں لکھا جائے مگر مولانا بریلوی کی سائنسی و علمی تصانیف دیکھکر اندازہ ہوتا ہے کہ اردو کا دامن کتنا وسیع ہے، وہ ہر موضوع پر عربی، فارسی اور اردو میں بے تکان لکھتے چلے جاتے ہیں نہ صرف یہ بلکہ لکھتے لکھتے ادبی شہ پارے بھی چھوڑتے چلے جاتے ہیں۔ فقہیات۔ سیاسیات۔ ادبیات، عقلیات تنقیدات، تعاقبات وغیرہ وغیرہ علم و دانش کی ہر شاخ پر ان کا عندلیب فکر چہچہاتا نظر آتا ہے

وہ جدھر رخ کرتے ہیں الفاظ معانی سمیت دوڑے چلے آتے ہیں یوں محسوس ہوتا ہے کہ اقلیم ادب کے فرماں رواہیں خود کہا اور خوب کہا۔

ملک سخن کی شاہی تم کو رضا مسلم
جس سمت آگئے ہو سکے بٹھادے ہیں

۱۔ احمد رضا خاں : منیر العین (۱۳۰۱ھ/۱۸۸۴ء) مطبوعہ لاہور
۲۔ احمد رضا خاں : الصمصام علی مشکک فی آیۃ علوم الارحام (۱۳۱۵ھ/۱۸۹۷ء) مطبوعہ لاہور۔
۳۔ احمد رضا خاں : حسام الحرمین (۱۳۲۴ھ/۱۹۰۶ء)
۴۔ احمد رضا خاں : جزاء اللہ عدوہ بآبائہٖ ختم النبوۃ (۱۳۱۷ھ/۹۸ ۱۹ء) مطبوعہ لاہور۔
۵۔ احمد رضا خاں : فوز مبین در ردِ حرکتِ زمین (۱۳۳۸ھ/۱۹۱۹ء) ماہنامہ الرضا، بریلی
۶۔ احمد رضا خاں : المحجۃ المؤتمنہ فی آیۃ الممتحنہ (۱۳۳۹ھ/۱۹۲۰ء) مطبوعہ لاہور ۱۹۷۶ء۔

ویٹر اُیڈمرل ایم آئی ارشد

ارشادات حضرت احمد رضا خاں بریلویؒ

حضرت بریلوی نے ان لوگوں کو جنہوں نے اللہ تعالےٰ کی شان اور جناب رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں گستاخی کی تھی ٹوکا تو انہوں نے آپ کے خلاف یہ پراپیگنڈہ شروع کر دیا کہ آپ مشرکانہ عقائد اور بدعات پھیلاتے ہیں اور اس طرح لوگوں کی توجہ اپنی طرف سے ہٹانے میں کامیاب ہو گئے۔ وہ مسلم سیاستداں جنہیں حضرت بریلویؒ نے ہندو کا تابع مہمل بناکر سیاسی خودکشی سے منع کیا تو انہوں نے آپ پر انگریز دوستی کا الزام لگا دیا۔ آپ کے بعض ارشادات ملاحظ ہوں:۔

۱۔ "تمام مخلوق کے علوم مل کر بھی علمِ الٰہی سے مساوی ہونے کا شبہ اس قابل نہیں کہ مسلمان کے دل میں گزرے ۔۔۔۔ ہم نہ علمِ الٰہی سے مساوات مانیں، نہ غیر خدا کے لیے ُ ھسم بالذات جانیں اور عطائے الٰہی سے بھی بعض علم ملنا جانتے ہیں، نہ کہ جمع"

(خالص الاعتقاد)

۲۔ "جان اور یقین جان کہ سجدہ حضرتِ عزت (اللہ) جل جلالہٗ کے سوا کسی کے لیے نہیں۔ غیر اللہ کو سجدۂ عبادت تو یقیناً اجماعاً شرکِ مبین وکفرِ مبین ہے اور سجدۂ تحیہ حرام اور گناہِ کبیرہ بالیقین ہے۔"

۳۔ عورتوں کو مزاراتِ اولیاء اور مقابرِ عوام دونوں پر جانے کی ممانعت ہے۔ سوائے حضورِ اکرم کے روضۂ انور کے کسی مزار پر جانے کی اجازت نہیں۔ وہاں کی حاضری البتہ سنتِ جلیلہ عظیمہ قریب الواجبات ہے۔

۴۔ پیر سے پردہ واجب ہے جب کہ محرم نہ ہو۔

۵۔ آیات اور سورتوں کا معکوس کر کے پڑھنا حرام اور اشد حرام، کبیرہ اور سخت کبیرہ قریب کفر ہے۔

۶۔ تلاوتِ قرآنِ عظیم پر اجرت لینا، دینا حرام ہے اور حرام پر استحقاقِ عذاب ہے

نہ کہ ثواب۔

آپ فرماتے تھے کہ عظمتِ رسولِ پاک ہی سے دلوں میں اسلام کی اساس قائم ہے۔ حضور کی عقیدت و تعظیم پر آنچ نہیں آنی چاہیئے ورنہ دین کی بنیادیں ہل جائیں گی۔ یہی اقبال فرماتے تھے۔

بمصطفٰےؐ برساں خویش راکہ دیں ہمہ اوست
اگر بہ اُو نہ رسیدی تمام بو لہبی است

علامہ اقبال نے حضور کی شان میں بے مثال نعتیہ اشعار لکھ کر مغربی تعلیم یافتہ طبقہ کے دلوں میں عشقِ رسولِ مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کی شمع روشن کی تو حضرت بریلویؒ نے اپنے نعت سے مسلم عوام کے دلوں کو محبتِ رسولِ پاکؐ سے گرمایا۔ اقبال نے حضورؐ کی شان میں لکھا ہے:۔

مقامش عبدہٗ آمد ولیکن
جہان شوق را پرور دگاراست

ترجمہ:۔ حضور کا مقام عبدہٗ آیا ہے مگر آپ عشق و مستی کے جہان کے پرور دگار ہیں۔ عام فہم الفاظ میں یوں کہہ لیجئے کہ روحانیت حضور کے دروازے سے ملتی ہے۔ جو حضور کا گستاخ ہے وہ روحانیت میں کوئی مقام نہیں پا سکتا۔ یہی موقف حضرت بریلویؒ نے اختیار کیا۔

~~~~~~~~ ❖ ~~~~~~~~
~~~~~~~~

تقاریر

الحاج محمد زبیر صاحب

جنابِ صدر!

محترم حاضرین!

اسے کوئی تکلف نہ سمجھیئے اور نہ اسے نمود و تفخر کہ مجھ خاکسار کا آبائی وطن وہی ہے جو کہ اعلیٰحضرت کا روحانی وطن ہے یعنی مارہرہ شریف۔ میری عمر اس وقت تو یا دس برس کی تھی جب حضرت کے پیرِ طریقت کے بہت ہی قریبی عزیز جن سے اُن کو بڑا خصوصی تعلق تھا، اُن کا عُرس منایا جاتا تھا تو میں نے کم از کم پچاس عُرسوں میں شرکت کی ہے اور حضرت کے صاحبزادگان جو وہاں تشریف لاتے تھے اُن کی خدمت میں حاضری دی، قوالیاں سُننے اور نعتیں سُننے کے بڑے مواقع ملے ہیں۔ میں ساٹھ برس پہلے سے حضرت کے نام نامی سے واقف ہوں اور پھر جب میں یونیورسٹی سے وابستہ ہوا تو کتابوں سے مجھے واسطہ پڑا تو آپ کے علمی کارنامے میرے سامنے روزِ روشن کی طرح آ گئے۔ چونکہ ان دنوں میں علیل ہوں اور میرا ارادہ مقالہ پڑھنے کا نہیں تھا اور جس سعادت سے میری علالت مجھے محروم کرنا چاہتی تھی وہ پروفیسر ڈاکٹر محمد ایوب قادری صاحب کی مہربانی کی وجہ سے میں محروم ہونے سے بچ گیا۔ ایک مختصر سا مقالہ میں نے لکھا ہے جس کا عنوان ہے "اعلیٰحضرت اور مارہرہ"، مقالہ تو میں اس وقت نہیں پڑھونگا چونکہ وقت کم ہے اور میری طبیعت بھی اچھی نہیں ہے۔ لہٰذا اُس کا صرف ایک صفحہ پڑھ کر رخصتی چاہونگا۔

والسلام

سید الطاف علی بریلوی

جنابِ صدر و مہمانِ خصوصی اور میرے بزرگو اور عزیزو!

تقریباً چار سال سے میری صحت خراب ہے اس لیئے میرے لیئے اب تقریر کرنا بہت دشوار ہوگیا ہے۔ ایک زمانہ تھا کہ میں کوشش کیا کرتا تھا کہ جلسوں میں میری تقاریر ضرور ہوں اور اس کی پیروی بھی کیا کرتا تھا۔ یا اب یہ عالم ہے کہ جب مجھ سے فرمائش کی جاتی ہے تو میں یہ کوشش کرتا ہوں کہ مجھے معاف کر دیا جائے۔ بہرحال چونکہ یہاں حاضری ایک طرح سے فریضہ تھا اس لیئے میں حاضر ہوگیا ہوں۔ ابھی ابھی آپ نے میرے تعارف کے سلسلے میں میرے بڑے ماموں سید ایوب علی صاحب کا نام نامی سُنا۔ وہ اعلیحضرت کے پچیس سال تک اعزازی سکریٹری رہے اور آپ کے پلنگ کے پاس ہی اُن کی نشست رہا کرتی تھی اور جس قدر بھی اعلیحضرت کو خطوط لکھوانا ہوتے تھے وہ اُن کو اِملا کرتے تھے۔ اُن کا کل ریکارڈ رکھتے تھے۔ ان کی تمام تصانیف رکھتے تھے خیر میں تفصیل میں تو نہیں جاؤں گا لیکن سب سے بڑا کارنامہ ماموں صاحب کا یہ تھا کہ اعلیحضرت کے وصال کے بعد اُن کی تمام تصانیف یہاں تک اُن کا ہاتھ پہنچتا تھا اُن کو انہوں نے اپنے پاس جمع کیا اور چونکہ مالی حالت اچھی نہ تھی اس لیئے وہ اور اُن کے شریک کار سید قناعت علی صاحب بانسوں کی کھپچیوں کی الماریاں بنا کر کتابیں رکھتے تھے اور پھر جو جو ختم ہوتی جاتی تھیں اُن کو دوبارہ چھپواتے تھے۔ اُس زمانے میں بڑی کم قیمت ہوتی تھی اور بہت معمولی کاغذ استعمال ہوتا تھا۔ سیکڑے کے حساب سے کتابیں فروخت ہوتی تھیں یعنی دس روپے کی سو کتابیں یا پچیس روپے کی سو کتابیں۔ اس سلسلے کو جب تک وہ بریلی میں تشریف فرما رہے پوری تندہی کے ساتھ جاری رکھا یہاں تک کہ اور کوئی کام کیا ہی نہیں بجز اس کے کہ اعلیحضرت کی تصانیف کی اشاعت کی جائے۔ اس کے بعد جب پاکستان بن گیا اور وہ لاہور تشریف لائے اور مقیم ہوئے تو وہ اس کل ذخیرے کو وہاں لے آئے اور وہاں سے انہوں نے پھر اشاعت کی اور اس میں لائلپور کے حضرات نے خصوصیت کے ساتھ اُن کی بڑی مدد کی۔ اُن کو لاہور سے وہاں لے گئے تا، وہ وہاں Settle ہو جائیں۔ ایک حادثہ یہ بھی پیش آیا کہ سیلاب نے بہت سے ذخیرے

کو ضائع کر دیا لیکن پھر بھی اس زمانے میں جس بیکسی میں اُس سرمایہ کو محفوظ رکھا گیا وہ قابل ستائش ہے۔

ہم اب دیکھتے ہیں کہ کیسی کیسی شاندار کتابیں شائع ہو رہی ہیں اور کتنے اچھے اور بڑے پیمانے پر کام ہو رہا ہے، دلی مسرت ہوتی ہے۔ یعنی بلا مبالغہ یہاں پر بہت سی مذہبی جماعتیں ہیں لیکن اتنا لٹریچر کسی جماعت کی طرف سے شائع نہیں ہو رہا ہے جتنا کہ اس جماعت کی جانب سے شائع ہو رہا ہے یعنی اعلیٰحضرت کے پیروکاروں کی طرف سے۔ بلاشبہ اچھی کتابوں کی بارش ہو رہی ہے۔ میں ایک ایسے ادارے سے منسلک ہوں کہ شاید ہی کوئی دن ایسا خالی جاتا ہو کہ کوئی نہ کوئی اچھی کتاب یا پمفلٹ یا کوئی رسالہ، اخبار نہ آتا ہو۔ جب میں اُس دور کو یاد کرتا ہوں کہ جب بانس کی الماریوں میں وہ کتابیں رکھی جاتی تھیں، بیکسی کا کیا عالم تھا اور اب دیکھتا ہوں تو زمین و آسمان کا فرق محسوس ہوتا ہے۔

یہ بڑا مبارک کام ہوا ہے کہ ایک ادارہ قائم ہوا ہے جس میں میرے دوست حضرت شمس بریلوی، میرے عزیز سید ریاست علی قادری اور پروفیسر محمد ایوب قادری جیسے ارباب شامل ہیں۔ یقین واثق ہے کہ یہ حضرات اس ادارہ کو ترقی دیں گے، بہت سی چیزیں جو اب تک چھپی ہوئی ہیں وہ روشنی میں آئیں گی۔ جناب جسٹس قدیر الدین صاحب نے بڑی کاوش اور بڑی فکر کے ساتھ اشارہ کیا کہ وہ کیا چیز تھی جس کی وجہ سے اعلیٰحضرت مجدّد کہلاتے ہیں اور ایک عظیم بزرگ کہلاتے ہیں۔ میں نے اعلیٰحضرت کے مریدین کو دیکھا ہے کہ سب کے سب نیک سیرت و نیک کردار ہیں۔ یعنی میرے علم میں نہیں کہ اعلیٰحضرت کا کوئی مرید ایسا ہو جو کسی بداعمالی میں مبتلا ہو۔ یہ بات میں اپنے پچاس سالہ مشاہدہ کی بناء پر کہہ سکتا ہوں۔ آپ کو اُن سے اختلاف ہو سکتا ہے لیکن کسی بداعمالی کی وجہ سے نہیں۔ اُن میں دھوکا، چالاکی، فریب جیسی چیزیں نہیں ہیں۔ سیدھے سادھے لوگ ہیں۔ اگر بات پسند ہے تو آپ کے دوست ہیں اور اگر بات ناپسند ہے تو آپ سے آپ کے منہ پر صاف کہہ دیں گے کہ ہم آپ کو پسند نہیں کرتے۔ دوسروں کی مدد کرنا، دوسروں کے کام آنا، خدمت کرنا، پابند صوم وصلوٰۃ ہیں اور اُس میں اخلاص ہے جو کہ نمود و نمائش سے یکسر پاک ہے۔ تو یہ سب کچھ نتیجہ ہے اچھے کردار کا، اچھے اعمال کا جس

کی طرف اعلیحضرت نے توجّہ دلائی اور تعلیم دی۔ اپنی تحریروں سے، اپنی تقریروں سے، اپنے اعلیٰ کردار و اعمال سے اور یہ اُسی کا نتیجہ ہے کہ آج گو کہ اُن کے وصال کو ایک طویل زمانہ گزر گیا، اُن کے بعد بھی اُن کی بہار ہے اور یہ بہار برابر بڑھ رہی ہے اور انشاء اللہ بڑھتی ہی رہے گی۔ خصوصیت سے اعلیحضرت کا جو کلام ہے اُس کی گرمی جس کا ذکر جناب جسٹس قدیر الدّین صاحب نے بھی کیا ہے اور تعریف کی ہے اُس کا تو کوئی ثانی ہی نہیں۔ ویسے تو محسن کاکوروی کا بھی کلام ہے جن کا ۱۹۰۵ء میں انتقال ہوا لیکن آج جو شہرت کلامِ رضؔا کو حاصل ہے اُس کی نظیر نہیں۔ والسّلام

علّامہ ابو حسین محمد مرزوقی علیہ الرحمۃ ۔ (مکّہ معظمّہ)

امام احمد رضا کے متعلق ان الفاظ میں اظہارِ خیال فرماتے ہیں

"بیشک مجھ پر اللہ کا احسان ہوا اور اس کے لیئے حمد و شکر ہے کہ میں حضرت عالم علّامہ سے ملا جو زبردست عالم، دریائے عظیم الفہم ہیں جن کی فضیلتیں وافر اور بڑائیاں ظاہر اور بے شک میں نے ان کا اچھا ذکر اور بڑا مرتبہ پہلے ہی سُنا تھا اور ان کی بعض تصانیف کے مطالعہ سے مشرف ہوا جن کے نورِ قندیل سے حق روشن ہوا تو اُن کی محبت میرے دل میں جم گئی اور میرے دل و دماغ میں متمکن ہو گئی۔ کبھی کبھی کان، آنکھ سے پہلے گرفتارِ محبت ہو جایا کرتے ہیں۔ تو جب اللہ تعالےٰ نے اس ملاقات سے احسان فرمایا تو میں نے وہ کمال ان میں دیکھے جن کا بیان طاقت سے باہر ہے۔ جس کے نور کا ستون اونچا ہے اور معرفتوں کا ایسا دریا جس سے مسائل نہروں کی طرح چھلکتے ہیں اور میں نے اسکی تعریف و توصیف میں خود کو عاجز پایا، دل بھر کر تعریف نہ کر سکا دل کی آرزو دل ہی میں رہ گئی۔"

پروفیسر ڈاکٹر سید ابوالخیر کشفی

جناب صدر و مہمانِ خصوصی !

اور معزز حضرات محترم !

السلام علیکم

میں تو سب سے پہلے جناب سید ریاست علی قادری صاحب کو مبارک باد دیتا ہوں کہ انہوں نے اس کانفرنس کا انعقاد کیا یعنی " امام احمد رضا کانفرنس" میری دلی تمنا ہے کہ آئندہ سال اس سے زیادہ اجلاس ہوں تاکہ تفصیلی گفتگو اہم تر موضوعات پر ہو سکے۔ چند باتیں خطبۂ استقبالیہ میں بیان کی گئیں جو بنیادی طور پر تو درست ہیں لیکن اس وقت میں آپ کی اجازت سے ایک بات عرض کرنا چاہوں گا کہ اسلامی تاریخ کا یہ ایک عجیب پہلو ہے کہ بعض ایسی شخصیات جو اُس دور میں متصادم اور ایک دوسرے کی مخالف سمجھی جاتی تھیں اگر ان کی خدمات میں حسنِ عقیدت اور حسنِ نیت شامل تھی تو آنے والے ماہ و سال کے ساتھ اس ملّت نے اُن کو بیک وقت قبول کیا۔ پہلی بات جو میرے ذہن میں آتی ہے اور جو نام یعنی سر سیّد احمد خاں اور جمال الدین افغانی کہ آج ان دونوں کے نام اور کام ہمارے لیئے بڑے محترم ہیں۔ اس طور پر بیسویں صدی کی اس آٹھویں دہائی میں جب ہم ہندوستان پر انیسویں صدی کے منظر نامے پر نظر ڈالتے ہیں تو آج آپ یہ دیکھتے ہیں کہ جو ورثہ ہمیں ملا ہے اس میں سر سیّد احمد خاں ہوں یا مولانا شبلی یا امام احمد رضاؔ آج یہ فضا پیدا ہو گئی ہے کہ کسی مناظرے سے الگ ان سب کی خدمات سے فائدہ اٹھانا یا اُن سے روشنی حاصل کرنا ممکن ہو گیا ہے: وقت چونکہ خاصا گزر چکا ہے اس لیئے تفصیل سے قطع نظر یہ عرض کروں گا کہ اب غلط فہمیوں کی فضا بھی چھٹ رہی ہے۔ جس کے بہت اچھّے اسباب ہیں۔ ہمارے رویّوں میں لچک پیدا ہوئی ہے۔ ابھی سیّد صاحب نے جیسے فرمایا کہ اُن کے ایک پھوپھا نے داماد کو مسلک کے اختلاف کی وجہ سے معاف نہیں کیا۔ آج الحمدللہ پاکستان میں یہ فضا نہیں ہے اور آج جو ہم سے اختلاف رکھتا ہے ہم نہیں سمجھتے کہ وہ بدنیتی کی بناء پر ایسا کر رہا ہے۔ کبھی کبھی انتہا پسندی

کی وجہ سے کردار کشی کا جو ذکر کیا گیا ہے وہ اب آہستہ آہستہ ختم ہو رہا ہے اور لوگ حق و ناحق میں تمیز کرنے لگے ہیں

اردو ادب کے ایک طالبِ علم کی حیثیت سے آج میں آپ سے یقین کے ساتھ کہہ سکتا ہوں کہ اب امام احمد رضا خاںؒ اور ان کے خانوادے کی تحریروں کی طرف لوگ متوجہ ہوئے ہیں۔ ڈاکٹر ابواللیث صدیقی صاحب کی کتاب "آج کا اردو ادب" یا پنجاب یونیورسٹی نے جو کتاب شائع کی ہے اس میں اُن کی تحریروں کا مناسب طور پر اعتراف کیا گیا ہے اور خود آپ یہ غور فرمائیے کہ ایک جذباتی فضا یقیناً بہت ضروری ہے۔ مثلاً نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ گرامی سے اگر میری صرف علمی دلچسپی ہو تو میں اپنے آپ کو مسلمان نہیں کہوں گا۔ مولانا ظفر علی خان نے کہا ہے کہ :-

نہ جب تک کٹ مروں میں خواجۂ یثرب کی عظمت پر
خدا شاہد ہے کامل میرا ایماں ہو نہیں سکتا

تو یہ جذباتی لگاؤ بہت ضروری اور اچھا ہے۔

اس کے ساتھ ساتھ جو نئی کتابیں منظرِ عام پر آئیں اور جو آج پیش کی گئیں ڈاکٹر مسعود احمد صاحب کی کاوش کا نتیجہ ہیں۔ میں ڈاکٹر صاحب سے واقف نہیں ہوں لیکن اُن کی کتاب میں جو معروضیت پیدا ہوئی ہے اس کی وجہ سے اہلِ علم اب اُن حقائق کی طرف متوجہ ہو رہے ہیں۔ آپ نے دیکھا ہوگا کہ ڈاکٹر صاحب کی اس کتاب میں جن اہلِ علم کا اعتراف امام احمد رضا خاںؒ کی خدمت میں پیش کیا گیا ہے اُن میں مختلف عقیدوں کے بزرگ موجود ہیں۔ گذشتہ بدھ کو میری گفتگو مولانا عبدالرشید نعمانی صاحب سے ہو رہی تھی اور میں نے اُن سے دریافت کیا کہ مولانا احمد رضا خاںؒ کے متعلق آپ کی کیا رائے ہے؟ انہوں نے کہا کہ اُن کا علم حاضر تھا۔ اور میرے علم کے مطابق وہ عربی میں اپنے تمام ہمعصروں میں سب سے زیادہ مضبوط و مستحکم ہیں۔ اب دیکھئے کہ اس بدلی ہوئی فضا میں اُس سوانحی قاموس پر کام کرنے کی ضرورت ہے۔ جس کا منصوبہ پیش کیا گیا اور اس میں مجھے امید ہے کہ آپ جس کسی سے بھی کہیں گے یا سیّد ریاست علی قادری صاحب یا اس ادارے کے ارکان تو انشاء اللہ آپ دیکھیں گے کہ ایک

محبت جو سب سے بڑی محبت ہے اور تمام خرافات کو ختم کرتی ہے حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت سے ہے۔ امام احمد رضا خاںؒ ہمیں بھی عزیز ہیں اور اس میں آپ ہمیں ہمیشہ ہر خدمت کے لیئے تیّار اور آمادہ پائیں گے۔

امام احمد رضا خاںؒ کے بارے میں ایک اور واقعہ جس نے میرے قلب میں بہت گہرا اثر ڈالا ہے وہ یہ ہے کہ جو شخص بریلی میں حج ادا کرکے اور نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے دیار کی زیارت کے بعد واپس لوٹتا تھا تو امام احمد رضا خاںؒ اپنی عظمت، عظمتِ کردار اور اعلیٰ منصبی کے باوجود اُس کے پاس جاتے تھے اور اُس کے قدموں کو اپنے رومال سے صاف کرتے تھے اس لیئے کہ اُس کے قدموں نے اُس دیار کے ذرّوں کو بوسہ دیا تھا۔ تحمل اور بُردباری کی ایک اور مثال پیش کرتا ہوں کہ ایک دفعہ جناب حفیظ قریشی صاحب سے میں نے نازیبا تو نہیں کہوں گا بلکہ کچھ شوخ باتیں امام احمد رضا خاںؒ کے بارے میں کہیں، جبکہ انہوں نے بڑے تحمّل سے سُنا تو مجھے بڑا تعجب ہوا تو میں نے اُن سے کہا کہ حضرت اتنا تحمّل آپ میں کیوں؟ تو جس انداز سے انہوں نے جواب دیا اُس نے میری زندگی میں بڑا گہرا اثر ڈالا ہے۔ کہنے لگے آپ سیّدزادے ہیں۔ میں تو میں اگر امام احمد رضاؒ بھی ہوتے تو شاید اسی طرح سُنتے۔ تو اس ایک آدمی کے تحمّل نے مجھ پر وہ اثر ڈالا جیسا ہم اپنی کہانیوں میں پڑھتے چلے آرہے ہیں۔

چونکہ یہ دوستوں کی محفل ہے اس لیئے بلا تکلّف میں یہ بات عرض کررہا ہوں کہ "امام" کا صحیح استعمال کیا گیا ہے اور چونکہ یہ لفظ اپنی وسعتِ معنویت کے اعتبار سے بہت ہی جامع ہے اس لیئے کہ میں میرے ماں باپ قربان ہوں کہ جب نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم تو کسی اور کے لیئے اُس حضرت کے بعد میری زبان سے اعلیٰحضرت کا لفظ نہیں نکلتا تھا۔ ممکن ہے یہ میرے اپنے جذبہ کی بات ہو لیکن جو لوگ اعلیٰحضرت کہتے ہیں میں اُن پر معترض بھی نہیں ہوں اس لیئے کہ بعض لوگ کہتے ہیں کہ نعت میں "تُو" کا لفظ نہیں ہونا چاہیئے۔ کل ہی رات اس کا ذکر ایک محفل میں آیا۔ میں نے کہا میں آپ سے متفق ہوں اپنے لیئے اور آپ کے لیئے۔ لیکن اگر امام احمد رضا خاںؒ جیسا نعت گو لفظِ "تُو" استعمال کرتا ہے تو وہ خلوت کی اُس منزل پر ہے جہاں آپ کی رسائی ممکن نہیں اور نہ اس پر

اعتراض کرنا زیب دیتا ہے۔
جامعات کی فضا بھی بدل رہی ہے۔ ہم نے اپنے طالب علموں کو دعوت دی ہے کہ اس پر کام کریں۔ ڈاکٹر ابواللیث صدیقی صاحب اس کے بارے میں خود فرمائیں گے۔ لیکن ابھی تک ہمیں اس سلسلے میں خاطر خواہ کامیابی حاصل نہیں ہوئی ہے کیونکہ ہمیں کوئی مناسب طالب علم نہیں مل سکا۔ ہم چاہتے ہیں کہ اس خاندان کی علمی اور ادبی خدمات پر کام کیا جائے۔ آپ جانتے ہیں کہ ہم آجکل کس قحط الرجال سے گزر رہے ہیں۔
اب میں دو چار منٹ آپ کے اور لوں گا تاکہ امام احمد رضا خانؒ صاحب کی زندگی کا وہ گوشہ پیش کروں جس میں اُن کی ذات سب سے زیادہ کامیابی سے جھلکتی ہے یعنی اُن کی نعت گوئی۔ ملاحظہ فرمائیے کہ ان کی نعتوں میں پہنچ کر الفاظ نئی معنویت حاصل کر لیتے ہیں۔
میں آج ہی پڑھ رہا تھا کہ نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے انسانوں کو پستیوں سے ابھار کر یعنی آدمیوں کی پستیوں سے نکال کر انسانیت کی منزل تک پہنچا دیا اور اچانک میرے ذہن میں یہ بات آئی کہ جس طرح حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے انسانوں کی قدر و منزلت کی امام احمد رضاؒ نے اپنی نعتوں میں اُردو کے الفاظ کی وہی قدر و منزلت کی۔ یہ پست اور حقیر الفاظ اُن کے یہاں آکر بلند تر مقام پر پہنچ جاتے ہیں۔ مثلاً

میل سے کس درجہ سُتھرا ہے وہ پُتلا نور کا
ہے گلے میں آج تک کورا ہی کُرتا نور کا

یہ مصرع جب میرے سامنے آیا تو میں نے غور کیا کہ یہ لفظ تو ہمارے بچے بھی نہیں جانتے کہ کورا کُرتا کسے کہتے ہیں لیکن قرآن و حدیث کی روشنی میں یہ کورا کُرتا ہمیں لباسِ تقویٰ کی طرف لے جاتا ہے جو قرآن کی ایک مستقل اصطلاح ہے۔ یعنی جو لباس تقویٰ کا ہے وہی سب سے اچھا لباس ہے۔ مثلاً اب یہ دوسرا شعر ملاحظہ ہو:-

کیا بنا نامِ خدا اسریٰ کا دولہا نور کا
سر پہ سہرا نور کا بر میں شہانہ نور کا

اب آپ یہ دیکھئے کہ شادی کی نسبت سے رسوم اور یہ معراج۔ نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم

کی حیاتِ طیبہؐ کا ہر لمحہ معراج ہے اور معراج کا واقعہ معراجِ کبریٰ ہے۔ اس معراجِ کبریٰ سے یہ لفظ دولہا جس طرح ایک نقطۂ معراج کی طرح یہاں آتا ہے اُس کا جواب نہیں۔

ڈاکٹر ابواللیث صدیقی اردو کا لغت مرتب فرما رہے ہیں اور آپ یہ غور فرمائیے کہ آج واقعی اردو کے لغت مرتب کرنے میں مظہر النور کا، اعلیٰ نور کا، اعلا نور کا، توڑا نور کا، یہ وہ الفاظ ہیں جو اردو میں متروک ہو جاتے اگر امام احمد رضا خانؒ نے ان کو اپنی نعتوں میں استعمال نہ کیا ہوتا۔ مجھے امید ہے کہ آپ اسی نکتہ پر غور فرمائیں گے۔ ایک آدمی کی نعتیہ شاعری کی وجہ سے ہماری زبان کے اتنے اہم الفاظ آج بھی مستعمل الفاظ میں شامل ہیں اور وہ متروک نہیں ہیں۔ ایک طرف یہ اُن کے عشق کا اظہار ہے اور دوسری طرف نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ سامانی دیکھئے کہ آپ نے مُردہ انسانوں کو زندگی بخشی اور ایک وہ زبان جو نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے معتقدین کی بڑی اکثریت کی زبان ہے۔ خود وہ زبان انوارِ مصطفےٰ سے کس طرح زندہ ہے تو اس ردیف کا ماخذ جہاں تک میں سمجھتا ہوں قرآنِ حکیم ہے۔

" قَدْ جَآءَكُمْ مِّنَ اللّٰهِ نُوْرٌ وَّكِتٰبٌ مُّبِیْنٌ "

اور جتنی عربی مجھے استادوں نے پڑھائی ہے اس سے میں سمجھتا ہوں کہ نور سے مُراد سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ ایک ترجمۂ قرآن میں نے دیکھا اور کچھ لوگ یہی کہتے ہیں کہ یہاں نور سے مراد قرآن حکیم ہے۔ میرے ذہن میں ایک بات آئی کہ یہاں "و" کیوں استعمال کیا گیا۔ دو چیزوں کی انتہائی قربت کے لیئے "و" کا استعمال عربی لغت میں کوئی ایسی بات نہیں ہے۔ یہاں میں سمجھتا ہوں کہ نور کا مطلب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ گرامی ہے اور کتابِ مبین ہے اور اسی کے ساتھ ساتھ ہر شے کے حقیقی مقام کا تعیّن پھر نور ہی سے ہوتا ہے۔ اس لیئے نور کے مقابل جو لفظ ہے وہ ظلمت کا لفظ ہے۔ یہ اسمِ محمدؐ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے لیئے ایک ایسا حوالہ ہے نور کا جس کی وجہ سے ہم اشیاء کو دیکھ سکتے ہیں۔ اور جو چیزیں اس کے بارے میں ہوں۔ میں حتمی طور پر یہ بات کہہ سکتا ہوں کہ امام احمد رضا خان صاحب کے سلام کو یقیناً جو مقبولیت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دربار میں حاصل ہوئی اُس کا ایک اندازہ آپ اس سے کیجیئے کہ صرف بریلوی مسلک ہی کے نہیں بلکہ ملک کا کوئی ایسا نعتیہ جلسہ نہیں

ہوگا جس میں وہ سلام نہ پڑھا جاتا ہو۔ لیکن اب میں یہاں ایک بات پیش کرنا چاہوں گا کہ آج اور عقیدوں کی ضرب جو ہم پر پڑی ہے مثلاً نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا خانوادہ یعنی اہلِ بیت کی محبت ہمارے ذہنوں میں ہے لیکن ہم اور آپ جانتے ہیں کہ قرآن حکیم نے اہلِ بیت کا لفظ امہات المومنین کے لیئے استعمال کیا ہے۔ احمد رضا خاںؒ کے وہ اشعار کیوں نہیں پڑھے جاتے جس میں سے مثلاً سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالےٰ عنہا کے بارے میں اس مصرع پر کم ازکم تین دن صرف ہوئے ہیں۔ ایک ایسی شدّت کا مسئلہ تھا کہ یہ تین دن آنسوؤں میں گزرے ہیں۔

بنتِ صدیق آرامِ جان نبیؐ
اس حریمِ برأت پہ لاکھوں سلام
یعنی ہے سورۂ نور جن کی گواہ
اُنکی پُر نور صورت پہ لاکھوں سلام

اسی طرح جو خلفائے راشدین پر اشعار ہیں وہ اُن کے مسلک، ان کے پیغام اور خود اسلامی نظام کے عین مطابق ہیں اور اب حضرت احمد رضا خان صاحبؒ کے کلام کی کلیت سلام کی محفلوں کو دیکھ کر مختلف محفلوں میں مختلف انتخابات کیئے جائیں تاکہ یہ سلام اپنی پوری سرعت و معنویت میں سننے والوں کے سامنے ہو۔ بدنصیبی ہے کہ ہمارے ملک میں خوانگی کی شرح بھی کم ہے اور علم کی شرح بھی کم ہے۔ بس یہ چند باتیں تھیں جو آپ کی خدمت میں عرض کرنا تھیں۔ اللہ تعالےٰ ہمیں اور آپ کو اسلام کی خدمت کی توفیق عطا فرمائے۔ جناب سیّد ریاست علی قادری کی خدمات کو قبول فرمائے اور میں اُن سے عرض کروں گا کہ وہ مجھے جب بھی بلائیں گے، یہ نہیں کہ وہ میرے پاس آئیں۔ میں انشاء اللہ العزیز انہیں مایوس نہیں کروں گا اور یہ بات میں کئی اور حضرات کی طرف سے بھی کہہ سکتا ہوں۔ اللہ تعالےٰ سے دعا ہے کہ ان کے جو منصوبے ہیں وہ پایۂ تکمیل کو پہنچیں۔

والسلام

ڈاکٹر ابو اللیث صدیقی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

صدرِ محترم جناب ریٹرایڈمرل ایم۔ آئی۔ ارشد صاحب!

مہمانِ خصوصی جناب جسٹس قدیر الدین صاحب!

اور

میرے بزرگو!

سب سے پہلے تو میں اس کانفرنس کے انعقاد کے سلسلے میں تمام حضرات کا جنھوں نے کسی طرح بھی حصّہ لیا، شکریہ ادا کرتا ہوں کہ مجھے یہاں حاضر ہو کر اپنے خیالات کے اظہار کا موقع دیا۔ لیکن اصل شکریہ اس بات کا کہ انہوں نے ایک ایسے لمحہ پر ہماری تاریخ میں جب ہم اُس تاریخ کے بڑے نازک مرحلے میں داخل ہیں اور ایک بڑے نازک موڑ سے گزر رہے ہیں ایک ایسی کانفرنس کا انعقاد کیا جو دینی اور علمی موضوعات اور مباحث اور ایک عالم دین سے متعلق ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ ملّتِ اسلامیہ کا بالعموم اور ہمارا بالخصوص سب سے بڑا المیہ یہ ہے کہ ہم معلوم نہیں علم کو کیا سمجھتے ہیں۔ مجھے بھی جو ہمارے یہاں اعلیٰ ترین علمی درسگاہیں کہی جاتی ہیں یعنی یونیورسٹیاں، اُس میں تدریس کا چھیالیس سالہ تجربہ ہے۔ نصف صدی۔ مگر مجھے بڑی حیرت ہے کہ ان یونیورسٹیوں میں جن میں مشرق و مغرب دونوں کی یونیورسٹیاں شامل ہیں جن میں میں نے پڑھا بھی ہے اور پڑھایا بھی ہے ان میں ارسطو اور افلاطون کو تو آپ چھوڑ دیں مجھے تو اُس سطح کا بھی کوئی آدمی نہ ملا جن کی کتابوں کے نام الفہرست میں ملتے ہیں اور سب سے بڑا المیہ یہ ہے کہ وہ کتابیں جن کے الفہرست میں نام موجود ہیں وہیں تک رہ گئی ہیں۔

مجھے یاد ہے کہ المناظر المرایا کا پہلا نسخہ جب برِصغیر میں دستیاب ہوا جو سر سیّد احمد خاں کے مخالف مولوی علی بخش خاں کے کتب خانہ میں تھا تو سر شاہ سلیمان جو اُس وقت علیگڑھ مسلم یونیورسٹی کے وائس چانسلر تھے اُس نسخے کو اُن سے لائے اور وہ OPTICS پر مُسلمان ماہر کا ایک ایسا رسالہ تھا جو نہایت مستند اور معتبر سمجھا جاتا ہے اور جس کے بعض اصول

اور کلیات آج بھی OPTICS کی کتابوں میں دوسروں کے ناموں سے درج پائے جاتے ہیں۔ مجھے معلوم نہیں کہ یہ صورتِ حال کیوں پیدا ہوئی۔ ایک طویل عرصے سے ہمارے یہاں کوئی ابن الہیثم، کوئی جابر بن حیّان، کوئی بوعلی سینا اب کیوں نہیں پیدا ہوتا۔ غالباً اس لیئے کہ ہم نے علم کی ایک نئی تعریف کی ہے جس کو آج specilization یا تخصیص کہتے ہیں اور کہا یہ جاتا ہے کہ جو سب کچھ جاننا چاہتا ہے وہ کچھ نہیں جانتا۔ علم کی حدود اتنی وسیع ہیں کہ آدمی کو علم کا ایک گوشہ اختیار کر لینا چاہیئے۔ دو آدمی اس ملک میں بڑے بدنام تھے جن سے پبلک سروس کمیشن نے پوچھا تھا کہ ہمارے امیدواروں کو شکایت ہے کہ یہ دو حضرات جو آپ کے یہاں بطورِ Expert آتے ہیں یہ اردو میں دینیات کے سوالات پوچھتے ہیں تو سُن لیجیئے، وہ دینیات کے سوالات کیا تھے؟ ہمارے عزیزِ محترم ڈاکٹر محمد مسعود احمد صاحب یہاں تشریف رکھتے ہیں، اُن دونوں سے واقف ہیں جن کی طرف میرا اشارہ ہے۔ ایک طالب علم ایم۔اے کے تشریف لائے اُن سے پوچھا میاں آپ خط تو کم از کم اردو میں لکھتے ہی ہو گے؟" کہنے لگے "جی ہاں"۔ میں نے کہا ظاہر ہے کہ آپ اپنے سے برابر والے یا اپنے بزرگ کو جب خط لکھوگے تو السّلام علیکم تو لکھوگے نا؟ کہنے لگے جی ہاں۔ میں نے کہا ذرا تختۂ سیاہ پر چاک سے لکھئے تو انہوں نے "السلام" لکھا "و" لکھا پھر "علیکم"۔ میں نے کہا سُبحان اللہ سُبحان اللہ۔ میرے دوسرے ساتھی نے اُن سے کہا آپ کو نمازِ جنازہ تو آتی ہی ہوگی؟ بالآخر فرضِ کفایہ ہے نا! جب کسی مسلمان بچّے کو تعلیم دوگے جہاں مدرسے میں مسلمان پڑھتے ہوں گے تو وہ شاید کبھی آپ سے پوچھ بیٹھے؟ کہنے لگے جی ہاں آتی ہے۔ پوچھا کتنی رکعت ہوتی ہیں؟ فرمایا "چار"۔

مجھے اُن علوم کی محفل میں دعوت دی گئی ہے جن کے بارے میں اپنے آپ کو ان پڑھ ہی سمجھتا ہوں۔ لیکن بہر حال اس بات کی کوشش ضرور کرتا ہوں کہ وہ ورثہ جو اسلام کا ورثہ ہے اُس کی بازیافت کی ایک تحریک شروع ہو چکی ہے اور ہمارا سب کا یہ فرض ہے کہ اپنے اُس علمی اُس دینی اور اُس ثقافتی ورثے کی بازیافت میں ہم میں سے ہر شخص اپنے مزاج کے مطابق حصہ لے اور بھرپور کوشش کرے۔

جناب جسٹس قدیر الدین احمد صاحب

جناب صدر و معزز حاضرین! السلام علیکم

میں درحقیقت اس عزت افزائی کے قابل نہ تھا جو مجھے آپ کی مجلس نے بخشی ہے۔ آپ کے اس جلسے کی کامیابی کی ضمانت میں شروع ہی سے دے سکتا ہوں اور وہ اس طرح کہ آج کے جلسے کی بدولت مجھے مولانا احمد رضا خاں صاحبؒ کی ذات، اُن کے کارنامے اور اُن کی خوبیوں کو معلوم کرنے کا موقع ملا۔ میں نے اعلیٰحضرت کا نام سُنا ضرور تھا لیکن مجھے یہ خوبیاں، یہ منزلت اور اُن کے کام اور اُنکی خدمات کا اندازہ نہ تھا۔ اس لحاظ سے بھی یہ جلسہ انتہائی کامیاب ہے کہ اعلیٰحضرت پر لکھی گئی ان دو کتابوں یعنی "معارفِ رضا" اور "دائرۂ معارف امام احمد رضا" کا افتتاح میرے ہاتھوں سے ہو رہا ہے۔ میں نے ان کتابوں کا بغور مطالعہ کیا اور پڑھنے کے بعد مجھے یہ اندازہ ہوا کہ جس قسم کی ذہانت، طبّاعی، حافظہ، علم اور تبحرّ اعلیٰحضرت کو حاصل تھا وہ کوئی معمولی بات نہیں بلکہ ایک نایاب چیز تھی۔ اسی سلسلے میں اعلیٰحضرت کے متعلق میں نے ایک مضمون "اردو دائرہ معارفِ اسلامیہ" میں یہ سوچ کر پڑھا کہ میں اُن لوگوں کی رائے بھی معلوم کر لوں جن کی رائے غیر جانب دار ہو۔ اس مضمون میں مجھے تین واقعات اعلیٰحضرت کی زندگی کے ایسے ملے جو اِن کتابوں میں نہیں ہیں اور جن کو پڑھ کر مجھے حیرت ہوئی۔ ایک واقعہ یہ لکھا ہے کہ جب اعلیٰحضرت کی عمر بائیس سال کی تھی تو آپ پہلی مرتبہ حج بیت اللہ کے لیئے تشریف لے گئے۔ وہاں ایک بزرگ تھے اُن سے بہت عقیدت پیدا ہو گئی۔ اُن کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ انہوں نے اُس زمانے میں ایک کتاب تالیف کی تھی اور وہ چاہتے تھے کہ اس کی تشریح کوئی با علم شخصیت کرے۔ چنانچہ انہوں نے وہ کتاب اعلیٰحضرت کو یہ کہہ کر دی کہ آپ اس کی تشریح عربی میں کر دیجیئے۔ اعلیٰحضرت اُس کتاب کو لے کر چلے گئے اور دو دن کے اندر اس کتاب کی تشریح عربی میں کر کے اُن کو پیش کر دی۔ ایک اور واقعہ جو اس میں لکھا ہے وہ یہ ہے کہ جب آپ دوسری مرتبہ حج کے لیئے تشریف لے گئے تو اُس وقت آپ کی عمر ۴۹ سال کی تھی۔ اس دوران میں آپ کے علم اور فضل کی وہاں شہرت ہو چکی تھی۔ چنانچہ وہاں کے علماء یعنی علمائے حرمین نے ایک

استفتا تیار کیا اور یہ کہہ کر کہ اس کے متعلق وہاں کافی الجھنیں ہیں آپ کے سامنے پیش کیا چنانچہ آپ نے اس کو لیا اور محض یاد سے بغیر کتابوں کو دیکھے ہوئے قلم برداشتہ حل کر کے اُن کو دے دیا۔ کسی استفتا کا جواب لکھ دینا تو اتنی بڑی بات نہیں ہے اس لیئے کہ جواب اچھا بھی ہو سکتا ہے اور بُرا بھی ہو سکتا ہے لیکن اس کا اندازہ کہ وہ کس پائے کا تھا اس بات سے ہوتا ہے کہ اس کے بعد پھر ایک استفتا علمائے حرمین نے اعلیٰحضرت کے پاس اس غرض سے بھیجا کہ وہ اس کا جواب تیار فرماویں اور اس مسئلے کو حل فرماویں۔ یہ تین واقعات ایسے ہیں کہ جن سے مجھے محسوس ہوا کہ آپ کا تبحرِ علمی، ذکاوت، سمجھ اور پہنچ کس درجہ کی تھی، کس بلا کی تھی کہ ایسے مسئلوں کو جو لوگوں کے لیئے مشکل ہوں اتنی آسانی سے حل فرما سکتے تھے۔

کتاب "معارفِ رضا" کو پڑھ کر مجھے یہ اندازہ ہوا کہ موقع کی مناسبت سے درحقیقت یہ ان لوگوں کے لیئے لکھی گئی ہے جو آج کل کے تعلیم یافتہ لوگ ہیں۔ اس میں کرامات کا ذکر نہیں ہے۔ اس میں شاقہ عبادتوں کا ذکر نہیں ہے۔ اس کے اندر ایسی چیزوں کا ذکر نہیں ہے کہ ایک پھونک سے فلاں آدمی اچھا ہو گیا۔ بلکہ جو اعلیٰحضرت کے علمی کارنامے ہیں اُن کا ذکر ہے۔ آپ کے علم و فضل کے جو عظیم کارنامے ہیں اُن سے قطع نظر آپ نے مختلف کتابوں پر جو حواشی لکھے ہیں اُن کے متعلق مضمون پڑھ کر مجھے بے حد خوشی ہوئی۔ یہ مضمون قابلِ تعریف اور قابلِ عظمت معلوم ہوا۔ اس میں لکھا ہے کہ آپ نے چالیس کتابوں پر حاشیے لکھے اور وہ کتابیں ایسی نہیں تھیں جو چھوٹی موٹی سی ہوں بلکہ مثلاً بخاری کی شرح کے اوپر حاشیہ لکھا، فتاویٰ عالمگیری پر حاشیہ لکھا۔ یہ بڑی بڑی کتابیں ہیں جن پر آپ نے حواشی لکھے ہیں۔ مضمون میں یہ بھی لکھا ہے کہ اس میں اُن کے نمونے پیش نہیں کیئے جا سکتے کیونکہ وہ اتنی سی جگہ پر نہیں آسکتے۔ لیکن یہ کارنامے اس قابل ضرور ہیں کہ لوگوں کے سامنے لائے جائیں۔
اسی طرح آپ کی شاعری کے متعلق جو کیفیت ہے جب ہم دیکھتے ہیں تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جذبات دل سے اُبل رہے ہیں۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ الفاظ تڑپ تڑپ کر زبان پر آ رہے ہیں اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ آپ کو دنیا و آخرت اُن ہی کے قدموں میں نظر آ رہی ہے اور پڑھنے والوں کو محسوس ہوتا ہے کہ واقعی نعت گوئی میں جس قسم کی گہرائی اور جس قسم

کی تڑپ پیدا کی جاسکتی ہے اُس کا کمال اس میں موجود ہے۔

دوسری کتاب " دائرۂ معارف امام احمد" جو ادارہ تحقیقاتِ امام احمد رضاؒ نے پیش کی ہے اور جس میں یہ تجویز رکھی گئی ہے کہ اعلیٰحضرت کی حیات پندرہ جلدوں میں لکھی جائے قابلِ مستحسن ہے۔ جن صاحب نے یہ تہیہ کیا ہے خدا اُن کی ہمت اور حوصلے کو قائم رکھے اور اُن کی مدد فرمائے۔ ایک بات اس سلسلے میں عرض کرنا چاہتا ہوں کہ حیات میں لکھا جائے گا کہ اعلیٰحضرت نے یہ کام کیا، اعلیٰحضرت نے وہ کام کیا۔ میں آپ سے کہتا ہوں کہ آپ اعلیٰحضرت کے جو واقعی خود کے کارنامے ہیں اُن کو پیش کیجئے۔ اُن میں سے اُن چیزوں کو پیش کیجئے کہ جن چیزوں کو دیکھ کر لوگ یہ کہیں کہ ہاں ہمارے مسائل یوں حل ہو رہے ہیں اور یوں حل ہو سکتے ہیں۔ آپ یقین جانیئے کہ جہاں تک اللہ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابۂ کرام کا تعلق ہے کوئی مسلمان دانستہ طور پر اُن کی مخالفت کرنے کے لیئے ہرگز تیار نہیں ہے۔ میں اپنے لیئے محسوس کرتا ہوں کہ اگر میں چاہوں کہ وہ الفاظ استعمال کروں جو آپ لوگوں کو ازبر ہیں اور جس طریقے سے آپ تعریف کر سکتے ہیں اور جو جو الفاظ اُن کی خوبیوں کے بارے میں آپ استعمال کرتے ہیں تو یہ میرے لیئے مشکل ہے کیونکہ وہ الفاظ میری زبان پر چڑھے ہوئے نہیں ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ میں نے اُس ماحول میں تعلیم نہیں پائی ہے جس سے آپ گزرے ہیں۔ میں نے جہاں علم حاصل کیا ہے وہاں تعلیم کے طریقے کچھ اور تھے۔ دنیا میں تعظیم کے طریقے بدلتے رہتے ہیں لیکن یہ بات اپنی جگہ اٹل ہے کہ دراصل حقیقی تعظیم وہ ہے جو دل میں یہ یقین پیدا کرے کہ یہ شخصیتیں تھیں کہ جن کے پاس وہ کمالات تھے جو کہ اب نایاب ہیں یہ محسوس ہونے لگے کہ جو انہوں نے کیا ہے وہ ہمارے لیئے آج ایک نعمت ہے۔ اس سے آگاہی ہو جائے کہ اگر یہ شخصیتیں نہ ہوتیں اور یہ لوگ نہ بتاتے، نہ کرتے تو ہماری زندگیاں کتنی حقیر، کتنی پھیکی، کتنی چھوٹی اور کتنی نیچی ہوتیں۔ لوگوں کے دلوں کے اندر محبت، عزت اور اعتبار پیدا کیا جائے تاکہ اُس کا اظہار زبان سے اُسی انداز میں ہو سکے۔ تو وہ اس قابل بھی ہو جائیں گے کہ وہ اس طرح سے بیان کر سکیں۔ اگر اُن میں یہ بات پیدا نہ کی گئی تو فقط یہ کہہ دینے سے کہ تعظیم ہونی چاہیئے تعظیم ہو ہی نہیں سکتی۔ وہ تعظیم کر سکتے ہی نہیں۔

وہ اگر چاہیں تب بھی تعظیم نہیں کر سکیں گے۔ میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ میں بھی چاہتا ہوں کہ وہ الفاظ استعمال کروں جو آپ کرتے ہیں لیکن مجھے وہ الفاظ نہیں آتے تو اس صورت میں بھلا میرے لیئے یہ کیسے ممکن ہے کہ میں بھی وہی الفاظ استعمال کروں۔ میں تو اپنی سیدھی سادھی سی زبان میں اگر یہ کہتا ہوں کہ "اعلیٰحضرت"، یا "رحمۃ اللّٰہ علیہ" تو میرے لیئے یہ بہت کچھ ہے۔ جس میں تعظیم بھی ہے اور محبت بھی۔ ہاں اگر میں آپ کی طرح تعظیمی الفاظ استعمال نہ کروں تو اس کا مطلب یہ ہرگز نہیں کہ میں اُن کی تعریف کرنے کے لیئے تیار نہیں۔

جنابِ صدر!

میں جو کچھ عرض کرنا چاہتا تھا اُس میں مزید کچھ الفاظ کا اضافہ کرنا چاہتا ہوں۔ میں نے اس کتاب "معارفِ رضا" میں جو مجھے کل مطالعہ کے لیئے پیش کی گئی تھی، کچھ نشانات لگائے ہیں کہ اس میں سے کچھ آپ کے سامنے پڑھوں اور اُس کی غرض و غایت یہ ہے کہ میرا جی چاہتا ہے کہ جو چیز کتاب میں لکھی ہوئی ہے اُس کو اجاگر کیا جائے اور لوگوں کو پوری طرح مطلع کیا جائے، لوگوں کے دلوں کو اطمینان دلایا جائے کہ جو آپ اس میں فرمارہے ہیں واقعی آپ کرنا چاہتے ہیں اور واقعی وہ ایسی ہے کہ جس کی لوگوں کو توقع ہو تو آپ کو اس سے میرے خیال کے مطابق اطمینان کر لینا چاہیئے کہ لوگوں کو پھر آپ سے مخالفت نہیں ہو سکتی۔ اس کتاب کا ایک پیراگراف جو "امام احمد رضاؒ کے حواشی" میں سے ہے آپ کے سامنے پڑھتا ہوں۔

"امام احمد رضاؒ ایک مقلد تھے۔ آپ کا مسلک حنفی تھا لیکن آپ ایسے مقلد تھے جس کی تقلید کے دامن میں اجتہاد کی وسعتیں اپنی تمام تر گہرائیوں کے ساتھ سمٹ کر آگئی تھیں۔ وہ مجدّد تھے لیکن ایسے مجدّد کہ آپؒ کے تجدّد نے علم و فکر کے ان گوشوں تک صاحبانِ طلب کو پہنچایا جو رہنمائی کی نایابی کے باعث مجبور ہو کر بیٹھ گئے تھے۔ اسلاف پرستی اور شخصی عظمتوں کے اعتبارات علم و فضل نے تحقیق و تجسّس، تفحص و تفکر کے راستوں پر اعتماد و یقین کے ایسے دبیز پردے ڈال دیئے تھے کہ نئے راستے ہی نہیں بلکہ قدیم راستے بھی چھپ گئے

تھے اور مدتوں سے قدم نا آشنا بن چکے تھے۔"

آپ یہ ملاحظہ کیجیئے کہ اگر کوئی مقلّد ایسا ہو تو وہ درحقیقت مقلّد کیا؟ جو آدمی مقلد نہیں ہوتے وہ یہ تو نہیں کہتے کہ آنکھیں بند کرکے کنوئیں میں جا پڑو۔ اس طرح دوڑو کہ راستہ ہی نظر نہ آئے۔ اگر کوئی ایسا مقلد ہو جیسا اس میں بیان کیا گیا ہے کہ اُن کے دامن میں اجتہاد کی ساری وسعتیں چھپی ہوئی تھیں تو پھر یہ باتیں جو قابلِ قدر ہیں ان کو ظاہر کیجیئے اور اعلیٰحضرت کے جو کارنامے ہیں اُن کو منظرِ عام پر لائیے اور لوگوں کو بتائیے کہ یہ چیز اُن میں موجود ہے۔ اور کہیئے کہ وہ ایسے مجدّد تھے جن کے تجدّد کے علم و فکر نے اُن تمام لوگوں کو جن تک اُن کی رسائی نہیں تھی اُن کو اُن تک پہنچا دیا تھا۔

ماشاء اللہ! جو چیز اس مضمون میں خلاصہ کرکے بیان کی گئی ہے اُس کو مدِّنظر رکھتے ہوئے اس کو پھیلایا جائے۔ اِس کو بتایا جائے کہ یہ چیز ہے جو اعلیٰحضرت کرنا چاہتے تھے تو پھر وہ کون ہوگا جو آپ کے پاس نہیں آئے گا؟ وہ کون ہوگا جو آپ سے دستِ تعاون نہ کریگا! اور وہ کون ہوگا جو اعلیٰحضرت کے اقوال کی تعظیم و توقیر نہیں کرے گا؟ اسی طرح ایک اور چیز اس میں سے آپ کے سامنے پیش کرنا چاہتا ہوں جو صفحہ ۳۲ پر رقم ہے کہ:-

"اسی طرح امام احمد رضا رحمتہ اللہ علیہ نے جب اس راہ میں قدم رکھا تو باوجود یہ کہ اُن اسلاف ذوی الاحترام کے لوازم اعزاز و احترام قدم قدم پر انہوں نے پورے کیئے ہیں لیکن جہاں بات حق گوئی و حق نگاری کی آپڑی ہے وہاں انہوں نے اس کے بیان کرنے میں کوئی جھجک پیدا نہیں ہونے دی اور جو کچھ کہا ہے لیکن ادب کو ملحوظ رکھا ہے اور اس طرح کہا کہ اپنے اختلاف کو فاضلینِ فن کے اقوال سے اور اُس فن کی کتابوں کے حوالوں سے مبرہن کیا ہے عقلی و نقلی دلائل سے اپنے قول کا استدلال پیش کیا۔"

دراصل یہ چیزیں ایسی ہیں جو آج کے لوگوں کو پسند آئیں گی اور اُن کو محسوس ہوگا کہ اعلیٰحضرت کے پاس یہ چیزیں بھی ہیں جن کو وہ تلاش کرنے کے باوجود نہیں پاتے۔ اسی طرح ایک فتویٰ اس کتاب میں نقل ہے۔

"کسی نے سوال کیا تھا کہ خالد یہ عقیدہ رکھتا ہے کہ جو کام بھلا یا بُرا ہوتا ہے سب خدا کی تقدیر سے ہوتا ہے اور تدابیر کو کارِ دنیاوی و اُخروی میں امرِ مستحسن اور بہتر جانتا ہے۔ ولید خالد کو بوجہ مستحسن جاننے تدبیرات کے کافر کہتا ہے وغیرہ۔"

اعلیحضرت نے جو جواب ارشاد فرمایا اس کا کچھ حصّہ یہ ہے:۔

"بے شک خالد سچّا اور اُس کا عقیدہ اہلِ حق کا عقیدہ ہے۔ فی الواقع عالم میں جو کچھ ہوتا ہے سب اللہ جل شانہٗ کی تقدیر سے ہے مگر تدبیر زنہار معطّل نہیں۔ دنیا عالمِ اسباب ہے۔ رب جل مجدّہٗ نے اپنی حکمتِ بالغہ کے مطابق اس میں مسبّبات کو اسباب سے ربط دیا اور سنتِ الٰہیہ جاری ہوئی کہ سبب کے بعد مسبب پیدا ہو۔ جس طرح تقدیر کو بھول کر تدبیر پر پھولنا کفار کی خصلت ہے یونہی تدبیر کو محض مطرود و فضول و مردود بتانا کسی کھُلے گمراہ یا سچّے مجنوں کا کام ہے۔"

جی یہ چاہتا ہے کہ سارے مسلمان ایک ہوں۔ جی یہ چاہتا ہے کہ سب میں آپس میں محبت کا رشتہ ہو۔ جی یہ چاہتا ہے کہ ہم لوگوں میں جو فرق ہیں وہ کسی صورت سے دُور ہوجائیں اور باری تعالےٰ اس میں اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کے طفیل ہماری مدد فرماتا رہے۔ ورنہ جہاں تک ہمارے ادب ہنر کا تعلق ہے، کتابوں کا تعلق ہے یہ تو بہت لوگ کرتے رہتے ہیں لیکن جو بات اصل میں کرنے کی ہے وہ یہ ہے کہ:۔

نازاں نہ ہو تو اس پر گر سنگ میں سے تجھ کو
گوہر نکالنے کا کسب و کمال آیا
دانشوروں کے آگے وہ صاحبِ ہنر ہے
کینہ کسی کے دل سے جس کو نکال آیا

ریئر ایڈمرل ایم۔ آئی۔ ارشد صاحب

بسم اللہ الرحمن الرحیم
نحمدہٗ ونصلی علی رسولہ الکریم

مہمانِ خصوصی جناب جسٹس قدیر الدین صاحب!

ومعززہ حاضرین! السلام علیکم

چونکہ دوسرے مقررین نے اختصار برتا ہے اور میں صدرِ مجلس ہونے کا پورا فائدہ اٹھانا نہیں چاہتا لہٰذا وہ مقالہ جو میں نے لکھا ہے جناب سیّد ریاست علی قادری صاحب کو میں پیش کردوں گا اور اگر وہ طبع ہونے کے قابل ہو تو اس کو شاملِ اشاعت کرلیا جائے۔ ریاست، سیّد ریاست علی قادری کے ہاتھ ہے اور روشنی حضرت شمس بریلوی کے ہاتھ ہے اور طہارت کی دولت مولانا محمد اطہر نعیمی صاحب کے ہاتھ ہے تو پھر یہ کانفرنس کیوں نہ کامیاب ہو۔ وہ دن میرے لیئے انتہائی عزت کا دن تھا جب یہ حضرات میرے پاس تشریف لائے اور اللہ تعالیٰ نے جو عزّت مجھے بخشی ہے میں اُس کا جتنا بھی شکر ادا کروں کم ہے۔ درحقیقت میں اس عزت افزائی کا شکریہ ادا کرہی نہیں سکتا۔ مجھے تو خود ان محترم پیشواؤں کے پاس چل کر جانا چاہیئے تھا لیکن انہوں نے مجھ پر احسان کیا اور اس کانفرنس کی صدارت کے لیئے مجھ سے کہا جو یقیناً ایک عزّت کی بات ہے۔ میں اپنے آپ کو اس قابل نہیں سمجھتا لیکن اگر میرا نام عاشقانِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی فہرست میں کہیں نیچے جا کر بھی آجائے تو میری بات توبن جائیگی۔ اس خطبۂ استقبالیہ کو تو میں یقیناً اپنے پاس سنبھال کر رکھوں گا اور اس کو سند کے طور پر پیش کردوں گا کہ اس میں مجھے عاشقِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کہا گیا ہے۔

امام احمد رضاؒ خاں کی شخصیت جامع العلوم تھی۔ ایسی عظیم شخصیت کا ذکر نہ کرنا اور ان کے کارناموں کو یاد نہ کرنا بڑی بدقسمتی کی بات ہوگی۔ وہ لوگ جو اپنے تدبّر، سوچ اور تحقیق کو پسِ پُشت ڈال دیتے ہیں وہ تو بھول سکتے ہیں لیکن اس کے برعکس وہ لوگ جو ان خوبیوں سے لیس ہیں، ایسا کبھی نہیں کرسکتے۔ اللہ تعالےٰ وقتاً فوقتاً ایسی نابغۂ روزگار شخصیات اپنے فضل وکرم سے

بھیجتا رہتا ہے تاکہ لوگ اُن سے فیض حاصل کریں۔ انہیں میں ایک ہستی علامہ ڈاکٹر محمد اقبالؒ کی بھی ہے جنکی زندگی کا ماحاصل عشقِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم تھا۔

کی محمدؐ سے وفا تو نے تو ہم تیرے ہیں ٭ یہ جہاں چیز ہے کیا لوح و قلم تیرے ہیں

اقبالؔ

عشقِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا مقدس سلسلہ جو امام احمد رضا خانؒ نے پیش کیا وہ ایک ایسی دولتِ عظمیٰ ہے جسکو دوسری قومیں اور خاص طور پر وہ قوم جس نے ہم پر ہندوستان میں کافی عرصہ تک حکومت کی مسلمانوں سے چھین لینا چاہتی ہیں۔ ان قوموں کے اثرات ابھی تک پاکستان میں موجود ہیں اور ہم کسی نہ کسی انداز سے ان قوموں سے اثر لیتے ہیں چاہے اُس کا تعلق معیشت سے ہو یا سائنس سے۔ چاہے وہ ترقّی ہو یا نت نئی ایجادات۔ حتیٰ کہ ہمارے ذہنوں اور سوچ کی پرواز بھی انہیں کے تابع ہے۔ ہماری ان کمزوریوں سے اُن قوموں نے یہ اندازہ لگا لیا اور اپنی تحقیق کے نتیجے میں انہوں نے جان لیا کہ اگر مسلمانوں سے یہ دو چیزیں چھین لی جائیں اور اُن کے ذہنوں سے ان کو ختم کر دیا جائے تو پھر ان پر تسلّط جمانا مشکل نہیں۔ پہلی چیز ہے توکّل راضی برضا۔ اس میں شکوک و شبہات پیدا کیئے جائیں اور مسلمانوں کو توکّل کی لازوال نعمت سے اس طرح متنفر کیا جائے کہ یہ ہمیشہ کے لیئے اس سے دور رہیں۔ دوسری چیز ہے عشقِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم مسلمانوں کے قلوب پر اسمِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا جو نقش کندان ہے اس کو کس طرح مٹایا جائے۔ اللہ تعالےٰ کا بڑا فضل و کرم ہے کہ وہ ہمیشہ مسلمانوں کو توکّل اور عشقِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا سبق دینے اور ان کے احیاء کے لیئے اپنے نیک و صالح بندے بھیجتا رہتا ہے تاکہ مسلمان ان ابدی نعمتوں سے مالا مال ہو کر دین و دنیا میں سرخرو رہیں۔ یہ اطیعو اللہ و اطیعو الرسولؐ کا ایک ایسا تسلسل ہے جس کے بغیر مسلمان کا کہیں گزر نہیں۔ اطیعو اللہ کے بعد اگر ٹھہراؤ آگیا تو پھر ہماری راہیں محدود ہو کر رہ جائیں گی۔ ہاں اُسوقت نہیں جب ہم اطیعو الرسول کے سبق کو نہ بھولیں۔ اطیعو اللہ و اطیعو الرّسول کے سلسلے کو مربوط و برقرار رکھنے میں جو کردار امام احمد رضاؒ نے ادا کیا اور اپنی پوری زندگی اس کیلیئے وقف کر دی۔ اگر ہم اُس پر سنجیدگی سے غور کریں اور تحقیق کے بعد نچوڑ کو جو انہوں نے ہمارے سامنے پیش کیا تو جوان نسل تک پہنچائیں تو میں سمجھتا ہوں کہ ہم نے اس کانفرنس کا مقصد حاصل کر لیا۔ ہمیں چاہیئے کہ عشقِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی شمع کو بجھنے نہ دیں۔ والسّلام

اظہارِ تشکّر

ادارہ مندرجۂ ذیل مخلص کرم فرماؤں کا بے حد ممنون ہے کہ انہوں نے وقت کی اہمیت کا اندازہ کیا اور امام احمد رضا کے عظیم دینی و ملّی کارناموں کو اہلِ علم و فکر کے سامنے پیش کرنے میں بھرپور مالی تعاون فرمایا۔ اللہ تعالےٰ سے دعا ہے کہ وہ ان حضرات کے جذبۂ شوق و عمل کے عوض ان کو اپنی بے پناہ رحمتوں سے نوازے۔ آمین۔

۱۔ جناب محترم عبد اللطیف قادری صاحب
۲۔ جناب محترم انور بھائی صاحب
۳۔ جناب محترم شفیع بھائی صاحب
۴۔ جناب محترم حمید بھائی صاحب
۵۔ جناب حاجی غلام نبی صاحب
۶۔ جناب حاجی احسان صاحب
۷۔ جناب حاجی ظہیر الحسن صاحب
۸۔ جناب حنیف نورانی صاحب
۹۔ جناب فتح محمد رضوی صاحب
۱۰۔ جناب حاجی عبد الغفار صاحب
۱۱۔ جناب ابرار احمد خان صاحب
۱۲۔ مولانا تقدّس علیخان صاحب
۱۳۔ وجاہت رسول قادری صاحب

مقالات
معارف رضا ۱۹۸۳ء

فہرست مقالات

سیاسیات ۲۳۵

ادبیات ۲۴۱

شخصیات ۲۸۶

نوادرات ۳۲۸

پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد

امام احمد رضا کے ماہ و سال

۱۔ ولادت باسعادت	: ۱۰ شوال ۱۲۷۲ھ / ۱۴ جون ۱۸۵۶ء
۲۔ ختم قرآن کریم	۱۲۷۶ھ / ۱۸۶۰ء
۳۔ پہلی تقریر	ربیع الاول ۱۲۷۸ھ / ۱۸۶۱ء
۴۔ پہلی عربی تصنیف	۱۲۸۵ھ / ۱۸۶۸ء
۵۔ دستار فضیلت	شعبان ۱۲۸۶ھ / ۱۸۶۹ء (بعمر تیرہ سال، دس ماہ، پانچ دن)
۶۔ آغاز فتویٰ نویسی	۱۴ شعبان ۱۲۸۶ھ / ۱۸۶۹ء
۷۔ آغاز درس و تدریس	۱۲۸۶ھ / ۱۸۶۹ء
۸۔ ازدواجی زندگی	۱۲۹۱ھ / ۱۸۷۴ء
۹۔ فرزند اکبر مولانا محمد حامد رضا خاں کی ولادت	ربیع الاول ۱۲۹۲ھ / ۱۸۷۵ء
۱۰۔ فتویٰ نویسی کی مطلق اجازت	۱۲۹۳ھ / ۱۸۷۶ء
۱۱۔ بیعت و خلافت	۱۲۹۴ھ / ۱۸۷۷ء
۱۲۔ پہلی اردو تصنیف	۱۲۹۴ھ / ۱۸۷۷ء

۱۳۔ پہلا حج اور زیارت حرمین شریفین — ۱۲۹۵ھ/۱۸۷۸ء

۱۴۔ شیخ احمد بن زینی بن دحلان مکی سے اجازت حدیث — ۱۲۹۵ھ/۱۸۷۸ء

۱۵۔ مفتیٔ مکہ شیخ عبد الرحمٰن سراج مکی سے اجازت حدیث — ۱۲۹۵ھ/۱۸۷۸ء

۱۶۔ شیخ عابد السندی کے تلمیذ رشید امام کعبہ شیخ حسین بن صالح جمل اللیل مکی سے اجازت حدیث — ۱۲۹۵ھ/۱۸۷۸ء

۱۷۔ احمد رضا کی پیشانی میں شیخ موصوف کا مشاہدۂ انوار الٰہیہ — ۱۲۹۵ھ/۱۸۷۸ء

۱۸۔ مسجد خیف (مکہ معظمہ) میں بشارت مغفرت — ۱۲۹۵ھ/۱۸۷۸ء

۱۹۔ زمانۂ حال کے یہود و نصاریٰ کی عورتوں سے نکاح کے عدم جواز کا فتویٰ — ۱۲۹۸ھ/۱۸۸۱ء

۲۰۔ تحریک ترک گاؤکشی کا سدّباب — ۱۲۹۸ھ/۱۸۸۱ء

۲۱۔ پہلی فارسی تصنیف — ۱۲۹۹ھ/۱۸۸۲ء

۲۲۔ اردو شاعری کا شاہکار قصیدۂ معراجیہ کی تصنیف — قبل ۱۳۰۳ھ/۱۸۸۵ء

۲۳۔ فرزند اصغر مفتی اعظم محمد مصطفےٰ رضا خان کی ولادت — ۲۲ ذی الحجہ ۱۳۱۰ھ/۱۸۹۳ء

۲۴۔ ندوۃ العلماء کے جلسۂ تاسیس (کانپور) میں شرکت — ۱۳۱۱ھ/۱۸۹۳ء

۲۵۔ تحریک ندوہ سے علیحدگی — ۱۳۱۵ھ/۱۸۹۷ء

۲۶۔ مقابر پر عورتوں کے جانے کی ممانعت میں فاضلانہ تحقیق — ۱۳۱۶ھ/۱۸۹۸ء

۲۷۔ قصیدۂ عربیہ اٰمال الابرار و آلام الاشرار — ۱۳۱۸ھ/۱۹۰۰ء

۲۸۔ ندوۃ العلماء کے خلاف ہفت روزہ اجلاس پٹنہ میں شرکت — رجب ۱۳۱۸ھ/۱۹۰۰ء

۲۹۔ علماء ہند کی طرف سے خطاب مجدد مائۃ حاضرہ — ۱۳۱۸ھ/۱۹۰۰ء

٣٠۔ تاسیس دار العلوم منظر اسلام بریلی	سنہ ۱۳۲۲ھ / سنہ ۱۹۰۴ء
٣١۔ دوسرا حج اور زیارت حرمین شریفین	سنہ ۱۳۲۳ھ / سنہ ۱۹۰۵ء
٣٢۔ امام کعبہ شیخ عبد اللہ میرداد اور ان کے استاد شیخ حامد احمد محمد جدادی مکی کا مشترکہ استفتاء اور احمد رضا کا فاضلانہ جواب	سنہ ۱۳۲۴ھ / سنہ ۱۹۰۶ء
٣٣۔ علماء مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ کے نام سندات اجازت و خلافت	سنہ ۱۳۲۴ھ / سنہ ۱۹۰۶ء
٣٤۔ کراچی آمد اور مولانا محمد عبد الکریم درس سندھی سے ملاقات	سنہ ۱۳۲۴ھ / سنہ ۱۹۰۶ء
٣٥۔ احمد رضا کے عربی فتوے کو حافظ کتب الحرم سید اسمٰعیل خلیل مکی کا زبردست خراج عقیدت	سنہ ۱۳۲۵ھ / سنہ ۱۹۰۷ء
٣٦۔ شیخ ہدایت اللہ بن محمد بن محمد سعید السندی مہاجر مدنی کا اعتراف مجددیت	۱۴ ربیع الاول سنہ ۱۳۳۰ھ / سنہ ۱۹۱۲ء
٣٧۔ قرآن کریم کا اردو ترجمہ کنز الایمان فی ترجمۃ القرآن	سنہ ۱۳۳۰ھ / سنہ ۱۹۱۲ء
٣٨۔ شیخ موسیٰ علی الشامی الازہری کی طرف سے خطاب "امام الائمۃ المجدد لہٰذہ الامۃ"	یکم ربیع الاول سنہ ۱۳۳۰ھ / سنہ ۱۹۱۲ء
٣٩۔ حافظ کتب الحرم سید اسمٰعیل خلیل مکی کی طرف سے خطاب "خاتم الفقہاء والمحدثین"	سنہ ۱۳۳۰ھ / سنہ ۱۹۱۲ء
٤٠۔ علم المربعات میں ڈاکٹر سر ضیاء الدین کے مطبوعہ سوال کا فاضلانہ جواب	قبل سنہ ۱۳۳۱ھ / سنہ ۱۹۱۳ء
٤١۔ ملت اسلامیہ کے لیے اصلاحی اور انقلابی پروگرام کا اعلان	سنہ ۱۳۳۱ھ / سنہ ۱۹۱۳ء
٤٢۔ بہاول پور ہائی کورٹ کے جسٹس محمد دین کا استفتاء اور احمد رضا کا فاضلانہ جواب	۳ رمضان المبارک سنہ ۱۳۳۱ھ / سنہ ۱۹۱۳ء
٤٣۔ مسجد کانپور کے تصفیے پر برطانوی حکومت سے معاہدہ کرنے والوں کے خلاف ناقدانہ رسالہ	سنہ ۱۳۳۱ھ / سنہ ۱۹۱۳ء

۴۴۔ ڈاکٹر سر ضیاء الدین (وائس چانسلر مسلم یونیورسٹی، علیگڑھ) کی آمد اور استفادۂ علمی — مابین ۱۳۳۲ھ / ۱۹۱۴ء اور ۱۳۳۵ھ / ۱۹۱۶ء

۴۵۔ انگریزی عدالت میں جانے سے انکار اور حاضری سے استثناء — ۱۳۳۴ھ / ۱۹۱۶ء

۴۶۔ صدر الصدور صوبہ جات دکن کے نام ارشاد نامہ — ۱۳۳۴ھ / ۱۹۱۶ء

۴۷۔ تاسیس جماعت رضائے مصطفیٰ بریلی — تقریباً ۱۳۳۶ھ / ۱۹۱۷ء

۴۸۔ سجدۂ تعظیمی کی حرمت پر فاضلانہ تحقیق — ۱۳۳۷ھ / ۱۹۱۸ء

۴۹۔ امریکی ہیأۃ داں پروفیسر البرٹ ایف پورٹا کو شکستِ فاش — ۱۳۳۸ھ / ۱۹۱۹ء

۵۰۔ آئزک نیوٹن اور آئین اسٹائن کے نظریات کے خلاف فاضلانہ تحقیق — ۱۳۳۸ھ / ۱۹۲۰ء

۵۱۔ ردِّ حرکت زمین پر ۱۰۵ دلائل اور فاضلانہ تحقیق — ۱۳۳۸ھ / ۱۹۲۰ء

۵۲۔ فلاسفۂ قدیمہ کا ردِّ بلیغ — ۱۳۳۸ھ / ۱۹۲۰ء

۵۳۔ دو قومی نظریہ پر حرفِ آخر — ۱۳۳۹ھ / ۱۹۲۱ء

۵۴۔ تحریکِ خلافت کا افشائے راز — ۱۳۳۹ھ / ۱۹۲۱ء

۵۵۔ تحریکِ ترکِ موالات کا افشائے راز — ۱۳۳۹ھ / ۱۹۲۱ء

۵۶۔ انگریزوں کی معاونت اور حمایت کے الزام کے خلاف تاریخی بیان — ۱۳۳۹ھ / ۱۹۲۱ء

۵۷۔ وصال — ۲۵ صفر ۱۳۴۰ھ / ۲۸ اکتوبر ۱۹۲۱ء

۵۸۔ مدیر پیسہ اخبار لاہور کا تعزیتی نوٹ — یکم ربیع الاول ۱۳۴۰ھ / ۳ نومبر ۱۹۲۱ء

۵۹۔ سندھ کے ادیب شہیر سرشار عقیلی تتوی کا تعزیتی مقالہ — سنہ ۱۳۴۱ھ / ستمبر سنہ ۱۹۲۲ء

۶۰۔ بمبئی ہائی کورٹ کے جسٹس ڈی۔ الیف ملّا کا خراجِ عقیدت — سنہ ۱۳۴۹ھ / سنہ ۱۹۳۰ء

۶۱۔ شاعرِ مشرق علّامہ ڈاکٹر محمّد اقبال کا خراجِ عقیدت — سنہ ۱۳۵۱ھ / سنہ ۱۹۳۲ء

شیخ سید اسمٰعیل بن خلیل علیہ الرحمتہ (حافظ کتب الحرام۔ مکہ معظّمہ)

امام احمد رضا کو ان الفاظ میں خراجِ عقیدت پیش کرتے ہیں

"اور میں اللہ عزوجل کی حمد بجا لاتا ہوں کہ اس نے اس عالِم با عمل کو مقرر فرمایا جو فاضل کامل ہے، مناقب ومفاخر والا۔ اس مثل کا مظہر کہ اگلے پچھلوں کے لیئے بہت کچھ چھوڑ گئے۔ یکتائے زمانہ، اپنے وقت کا یگانہ مولانا احمد رضا خاں احسان والا، پروردگار اسے سلامت رکھے تاکہ وہ (مخالفین) کی بے ثبات حجتوں کا آیاتِ قرآنیہ اور قطعی احادیث سے رد فرماتے رہیں اور وہ ایسا کیوں نہ ہو کہ علماءِ مکہ اس کے لیئے ان فضائل کی گواہیاں دے رہے ہیں اور اگر وہ سب سے بلند مقام پر نہ ہوتا تو علمائے مکہ اس کی نسبت یہ گواہی نہ دیتے۔ میں کہتا ہوں کہ اگر اس کے حق میں یہ کہا جائے کہ وہ اس صدی کا مجدد ہے تو بے شک حق وصحیح ہے۔"

معارف رضا

حمد

حضرت رضا قدس سرہٗ

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْکَوْنِ وَالْبَشَرِ حَمْدًا یَدُوْمُ دَوَامًا غَیْرَ مُنْحَصِرِ
وَاَفْضَلُ الصَّلَوٰتِ الزَّاکِیَاتِ عَلٰی خَیْرِ الْبَرِیَّۃِ مُنْجِی النَّاسِ مِنْ سَقَرِ
بِکَ الْعِیَاذُ اِلٰہِیْ اِنْ اَشَأ حَکَمًا سِوَاکَ یَا رَبَّنَا یَا مُنْزِلَ النُّذُرِ

نعت شریف

امام احمد رضا قدس سرہٗ

زعکست ماہ تاباں آفریدند زبوئے تو گلستاں آفریدند
نہ از بہر تو مرقا نیا نند کہ خود بہر توایماں آفریدند
صبا راست از بویت بہر سو چناں اُفتاں وخیزاں آفریدند
برائے جلوۂ یک گلبنِ ناز ہزاراں باغ وبستاں آفریدند
زمُہر تو مثالے برگرفتند وزاں مُہرِ سلیماں آفریدند
چو انگشتِ تو شد جولانِ برق قمر را بہر قرباں آفریدند
زلعلِ نوشخندِ جانفزایت زُلالِ آبِ حیواں آفریدند
نہ غیرِ کبریا جاں آفرینے نہ خود مثلِ تو جاناں آفریدند
پئے نظارۂ محبوب لاہوت جبینت آئنہ ساں آفریدند
بناکردند تا قصرِ رسالت ترا شمعِ شبستاں آفریدند
زمہر وچرخ بہرِ خوانِ جودت عجب قرص نمکداں آفریدند
زحُسنت تا بہارِ تازۂ گُل رضایت را غزل خواں آفریدند

نعت معظّم

از تبرکات اعلیٰحضرت امام احمد رضا فاضل بریلوی قدس سرہٗ

(اس نعت میں یہ صنعت رکھی گئی ہے کہ پڑھنے والے کے دونوں ہونٹ نہیں ملتے)

سیدِ کونین سلطانِ جہاں ظلِّ یزداں شاہِ دیں عرش آستاں

کُل سے اعلیٰ کُل سے اولیٰ کُل کی جاں کُل کے آقا کُل کے ہادی کُل کی شاں

دلکشا دلکش دلِ آرا دلستاں کانِ جان و جان و شایانِ شاں

ہر حکایت ہر کنایت ہر ادا ہر اشارت دلنشین و دل نشاں

دل دے دل کو جانِ جاں کو نور دے اے جہانِ جان و اے جانِ جہاں

آنکھ دے اور آنکھ کو دیدارِ نور روح دے اور روح کو راحِ جناں

اللہ اللہ یاس ایسی آس سے اور یہ حضرت یہ در یہ آستاں

تو ثنا کو ہے ثنا تیرے لیئے ہے ثنا تیری ہی دیگر داستاں

تو نہ تھا تو کچھ نہ تھا گر تو نہ ہو کچھ نہ ہو تو ہی تو ہے جانِ جہاں

تو ہو داتا اور اوروں سے رجا تو ہو آقا اور یادِ دیگراں

التجا اس شرک و شر سے دور رکھ ہو رضا تیرا ہی از این و آں

جس طرح ہونٹ اس غزل سے دور ہیں دل سے یوں ہی دور ہو ہر ظن و ظاں

قرآنیات

علامہ سعید بن عزیز یوسف زئی
امیر جمعیت برادران اہلِ حدیث پاکستان

کنز الایمان اہلِ حدیث کی نظر میں

بہت دنوں سے اخبارات و رسائل میں یہ مطالبہ پڑھنے میں آرہا ہے کہ مولانا احمد رضا خان صاحبؒ بریلوی کے ترجمۂ قرآن مجید المعروف بہ "کنز الایمان" پر پابندی لگائی جائے۔ یہ مطالبہ کرنیوالے علمائے دیوبند ہیں جو اپنی تنظیم نظام العلماء اور سوادِ اعظم اہلِ سنت کے بینر تلے یہ مہم چلا رہے ہیں۔ اپنے مطالبے کے درست ہونے کے جواز میں یہ حضرات سعودی عرب، کویت، متحدہ عرب امارات اور ایران وغیرہ میں اس پر پابندی کے احکامات کی سرکاری نقول اور اخباری اقتباسات وغیرہ پیش کرتے ہیں اور حکومتِ وقت پر مسلسل زور ڈال رہے ہیں کہ شرق الاوسط کی حکومتوں کی مانند حکومتِ پاکستان کو بھی "کنز الایمان" پر پابندی لگا دینی چاہیئے۔ اس لیئے کہ اس ترجمۂ قرآن میں بقول ان کے تحریف کی گئی ہے اور اکثر آیات کا غلط ترجمہ کیا گیا ہے۔ ساتھ ہی ان کا یہ بھی کہنا ہے کہ اس ترجمہ میں مترجم نے سلف صالحین کی پیروی نہیں کی ہے بلکہ اپنی رائے سے کام لیا ہے۔ یہ بات بھی مشاہدے میں آئی کہ اکثر جلسوں میں اس سلسلے میں قرار دادیں بھی پاس کی گئیں کہ حکومت فوری طور پر کنز الایمان پر پابندی عائد کرے اور اس کے نسخوں کو ضبط کر کے تلف کر دے۔ چند علماء نے اس سے بھی زیادہ تیزی دکھائی اور باقاعدہ پریس کانفرنس منعقد کی اور یہاں بھی وہی مطالبہ کیا گیا۔ ساتھ ہی صحافیوں کو شرق الاوسط کی حکومتوں کے احکامِ بندش برکنز الایمان کی نقول وغیرہ دکھائیں۔ الغرض کہ اپنی جانب سے ان حضرات نے کنز الایمان پر پابندی لگوانے کے لیئے ایڑی چوٹی کا زور لگایا اور آج بھی مختلف رسالوں، پمفلٹ وغیرہ اور پوسٹروں کے ذریعے ان کی مہم جاری ہے اور ملک کی اکثریت کو یہ اپنا ہمنواء

بنانے کی کوشش کر رہے ہیں۔

ہوسکتا ہے کہ کچھ لوگ یہ گمان کرتے ہوں کہ شاید اہلِ حدیث حضرات بھی کنز الایمان پر پابندی لگوانے کے مطالبے میں دیوبندی حضرات کے ہمنوا ہوں گے۔ اس لیئے کہ اہلِ حدیث کی مانند دیوبندی حضرات بھی توحید کے علمبردار بنے خود کو مواحدین کہلاتے ہیں (جب کہ حقیقت اس کے برعکس ہے) اہلِ حدیث کی مانند یہ لوگ بھی شرک و بدعات کے خلاف بڑی دھواں دھار تقاریر کرتے ہیں (جبکہ ان سے بڑا مشرک اور بدعتی روئے زمین پر کوئی اور نہیں) اہلِ حدیث کی مانند یہ حضرات بھی شرک الاوسط کی وہابی حکومتوں کے بہت زیادہ خیر خواہ نظر آتے ہیں (بسبب الریال) چنانچہ عوام الناس پر یہ شائبہ اکثر گزرتا ہے کہ شاید دیوبندی اور اہلِ حدیث ایک ہی ہیں مگر ہم وضاحت کر دینا چاہتے ہیں کہ ہمارے اور ان کے عقائد میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔ اُن کی توحید خالص توحید نہیں بلکہ ملاوٹ والی ہے اور یہ اصلی مواحد نہیں بلکہ ہمارے نزدیک گلابی مواحد ہیں۔ ہم اور یہ ایک نہیں ہیں اور نہ ہی پاکستان میں بسنے والے ڈیڑھ کروڑ سے زائد اہلِ حدیث عوام اور ہزاروں علماء اہلِ حدیث ان کے اس مطالبہ میں شامل ہیں۔ بلکہ ہم اس قسم کے بے ہودہ اور جاہلانہ مطالبوں کی سخت ترین مخالفت کرتے ہیں اور اُن لوگوں کی مذمت کرتے ہیں جو کنز الایمان پر پابندی لگانے کا مطالبہ کرتے ہیں۔

آج سے پہلے بھی صدیوں سے علماء کے درمیان علمی اور فروعی اختلافات ہوتے چلے آرہے ہیں جن کی روداد تاریخ کے صفحات پر ہمیں جا بجا پھیلی ہوئی ملتی ہے۔ امام مالک، امام ابوحنیفہ اور امام سفیان ثوری کے درمیان کیا علمی اور فروعی اختلافات نہ ہوا کرتے تھے؟ امام شافعی امام ابو یوسف، امام محمد وغیرہ کے درمیان ہونے والے علمی اور فروعی اختلافات کس سے پوشیدہ ہیں؟ ایسی ایک نہیں ہزارہا مثالیں ہمیں تاریخ اسلام میں ملتی ہیں مگر ایسی مثال کہیں نہ ملے گی کہ کسی عالمِ دین نے حکومتِ وقت سے یہ مطالبہ کیا ہو کہ فلاں عالم کی فلاں کتاب پر پابندی لگائی جائے۔ اس لیئے کہ وہ علماء تھے جہلا نہ تھے۔ علماء میں جب کسی مسئلے پر اختلاف ہوتا ہے تو وہ احسن طریقے سے فریق ثانی پر تنقید کرتے ہیں اور اسے اس کی اغلاط سے آگاہ کرتے ہیں۔ یہی طریقہ بھی ہے کہ اگر کسی کتاب کے مندرجات پر کسی کو اعتراض ہو تو اسے چاہیئے کہ وہ اس

کتاب کا جواب تنقید برائے تعمیر کے اصول کے تحت لکھے اور قابلِ اعتراض کلمات کے جوابات لکھ کر فریقِ ثانی کو دلائل و براہین کے ذریعے اپنے نقطۂ نظر سے آگاہ کرے اور دلائل و براہین شرعیہ ہی سے اس کے قابلِ اعتراض کلمات کا ابطال کرے۔ ہم چاہتے ہیں کہ اپنے اس مضمون میں اس بات کی وضاحت و صراحت کر دیں کہ کنز الایمان اہلِ حدیث کی نظر میں کیا ہے؟ اور اس پہ عائد کیئے جانے والے الزامات پر ہمارا کیا نقطۂ نظر ہے؟

جہاں تک عقیدے کی بات ہے حضرات اہلِ حدیث اور اہلِ سنت کے درمیان بظاہر بڑا فرق نظر آتا ہے اور یہ دونوں مکتبِ فکر اکثر مقامات پر ایک دوسرے کے مدِ مقابل نظر آتے ہیں مگر ہم اپنا دامن اس وقت اس بحث کے کانٹوں میں الجھانا نہیں چاہتے کہ دونوں فریقوں میں کون حق پر ہے اور کون باطل پر ہے مگر پھر بھی ایک بات کہیں گے کہ باوجود اختلافاتِ کثیرہ کے ہمیں اہلِ حدیث اور اہلِ سنت کے ہاں ایک مقام پر خصوصاً قدرِ مشترک ملتی ہے۔ وہ مقام ہے جنابِ محمد مصطفےٰ محبوبِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کا کہ یہاں اطاعت و تابعداری کرنے کے لیئے ان کے سوا کسی اور کی اطاعت دلوں کو نہیں بھاتی ہے اور وہاں عشق و محبت کے سلسلے میں جمالِ مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم سے بڑھ کر نگاہوں میں کوئی اور نہیں سماتا ہے اور یہی ایک بات ایسی ہے کہ باوجود اختلافات کثیرہ کے حضراتِ اہلِ سنت سے محبت کرنے پر مجبور کر دیتی ہے۔

تقریباً یہی معاملہ جناب مولانا احمد رضا خان صاحبؒ کا ہے۔ اکثر علماء حضرات ہمیں ان سے ناخوش نظر آتے ہیں۔ اس کی اولین وجہ ان کے وہ فتاوے ہیں جو انہوں نے ان کے اکابرین کے حق میں دیئے تھے۔ مگر ہم سمجھتے ہیں کہ فاضل بریلوی نے اگر کسی کی تکفیر کی ہے تو وہ بے جا نہیں کی ہے بلکہ اُس کی وجوہات بھی ہیں جو کہ انہوں نے اپنی کتابوں میں تحریر بھی کی ہیں اور جن سے ہم بھی اتفاق کرتے ہیں۔ تحریر ملاحظہ ہو:۔

"ہزار ہزار بار حاشَ لِلّٰہ! میں ہرگز ان کی تکفیر پسند نہیں کرتا۔ جب کیا اُن سے ملاپ تھا اب رنجش ہوگئی! جب ان سے جائداد کی کوئی شرکت نہ تھی، اب پیدا ہوگئی! حاشَ لِلّٰہ! مسلمانوں کا علاقہ محبت و عداوت صرف محبت و عداوت

خدا و رسول ہے، جب تک ان دشنام دہیوں سے دشنام صادر نہ ہوئی یا اللہ و رسول کی جناب میں ان کی دشنام نہ دیکھی سنی تھی اس وقت تک کلمہ گوئی کا پاس لازم تھا۔ غایتِ احتیاط سے کام لیا۔ حتیٰ کہ فقہائے کرام کے حکم سے طرح طرح ان پر کفر لازم تھا مگر احتیاطاً ان کا ساتھ نہ دیا اور متکلمین عظام کا مسلک اختیار کیا۔ جب صاف صریح انکارِ ضروریاتِ دین و دشنام دہی ربُّ العالمین و سیّد المرسلین آنکھ سے دیکھی تو اب بے تکفیر چارہ نہ تھا کہ اکابر ائمہ دین کی تصریحات سُن چکے"۔

(فاضل بریلوی اور امورِ بدعت)

اس تحریر کو مدِ نظر رکھتے ہوئے ہمیں اس بات کے کہنے میں کوئی باک نہیں کہ اگر انہوں نے چند علماء کی گستاخانہ عبارتوں اور نظریات کی بنیاد پر تکفیری فتاوے دیئے تھے تو وہ بالکل درست تھے اور ہم خود بھی ان گستاخانہ نظریات و عبارات کی تکفیر کرتے ہیں۔

اب آیئے اصل مضمون کی طرف جو کہ کنز الایمان کے بارے میں ہے کہ ہمارا اس کے بارے میں کیا نظریہ ہے۔ جہاں تک حضرات علمائے دیوبند کا تعلق ہے وہ تو نہایت شد و مد سے اسکی مخالفت بلکہ تکفیر تک کرتے ہیں۔ مگر میں نہایت وضاحت کے ساتھ یہ کہوں گا کہ الــحمد سے لے کر وَالنَّاس تک ہم نے کنز الایمان میں نہ تو کوئی تحریف پائی ہے اور نہ ہی ترجمہ میں کسی قسم کی غلط بیانی کو پایا ہے۔ نہ ہی کسی بدعت اور شرک کے کرنے کا جواز پایا ہے بلکہ یہ ایک ایسا ترجمۂ قرآن مجید ہے کہ جس میں پہلی بار اس بات کا خاص خیال رکھا گیا ہے کہ جب ذاتِ باری تعالیٰ کے لیئے بیان کی جانے والی آیتوں کا ترجمہ کیا گیا ہے تو بوقتِ ترجمہ اس کی جلالت، علوت، تقدّس و عظمت و کبریائی کو بھی ملحوظِ خاطر رکھا گیا ہے جبکہ دیگر تراجم خواہ وہ اہلِ حدیث سمیت کسی بھی مکتبِ فکر کے علماء کے ہوں ان میں یہ بات نظر نہیں آتی ہے۔
اسی طرح وہ آیتیں جن کا تعلق محبوبِ خدا، شفیعِ روزِ جزا، سید الاوّلین و الآخرین، امام الانبیاء حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم ؐ

زباں پہ بار خدایا یہ کس کا نام آیا
کہ میرے نطق نے بوسے میری زباں کے لیئے

سے ہے۔ یا جن میں آپ سے خطاب کیا گیا ہے تو بوقت ترجمہ جناب مولانا احمد رضا خان صاحب نے یہاں پر بھی اوروں کی طرح صرف لفظی اور لغوی ترجمہ سے کام نہیں چلایا ہے بلکہ صاحبِ مَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى اور وَرَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ کے مقامِ عالیشان کو ہر جگہ ملحوظِ خاطر رکھا ہے۔ یہ ایک ایسی خوبی ہے جو کہ دیگر تراجم میں بالکل ہی ناپید ہے۔

ذرا سوچیئے اُس وقت ایک عام اور سیدھے سادے مسلمان کے دل پر کیا گزرتی ہوگی جب وہ وَاسْتَغْفِرْ لِذَنْبِكَ کا ترجمہ پڑھتا ہوگا کہ "اے نبی! اپنے گناہوں کی مغفرت مانگ" کیا اس قسم کے تراجم سے عقیدۂ عصمتِ انبیاء علیہم الصّلٰوۃ والسّلام پر کوئی گزند نہیں پڑتی ہوگی؟؟ یہود و نصاریٰ، مشرک و کافر ہندو اور سکھ ان آیتوں کے تراجم پڑھ کر مسلمانوں کے نبیؐ اور رسولؐ کا استہزاء نہ کرتے ہوں گے کہ بمطابق ان تراجم کے ان سے کہا جا رہا ہے کہ اپنے گناہوں کی مغفرت مانگ۔ کیا ایک بے دین آدمی ایسے تراجم کو پڑھ کر یہ نہیں کہہ سکتا کہ وہ نبی (نعوذ باللہ) جو خود گنہگار ہو وہ اپنی امت کی مغفرت کیونکر کرا سکتا ہے؟ کیا یہ تراجم دل میں اس احساس اور ایسے جذبوں کو جنم نہیں دیتے کہ (نعوذ باللہ) نبی صلی اللہ علیہ وسلم گنہگار تھے تو آپ کو نبوت کے لیئے کیوں چنا گیا؟ پھر جس امت کا نبی ہی (نعوذ باللہ) گنہگار ہو تو پھر اُس کی امّت کیوں نہ گناہوں کی کیچڑ میں لت پت پھرے؟

نہ اس معاملے میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا (نعوذ باللہ) کوئی قصور ہے اور نہ ہی اللہ تبارک وتعالٰی نے اپنے نبیؐ سے یوں خطاب کیا ہے کہ اپنے گناہ کی معافی مانگ بلکہ درحقیقت یہاں مراد یہ ہے کہ اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنی قوم کے گناہوں کے لیئے اللہ تعالٰی سے مغفرت طلب کریں۔ جناب مولانا احمد رضا خان صاحب بریلوی نے بھی تقریباً ایسا ہی ترجمہ کر کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی شان کو مزید اجاگر کیا ہے جبکہ دیگر مترجمین تو اپنے اپنے لغوی اور لفظی ترجمے کر کے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو (نعوذ باللہ) بڑی بے حسی، سنگدلی اور قساوتِ قلبی سے گنہگار بناتے چلے آ رہے ہیں۔ ہمیں حیرت ہوتی ہے وہ عقل کے اندھے جو کہ آج کنزالایمان پر پابندی کے مطالبے کر رہے ہیں انہیں خود اپنی آنکھ کا شہتیر نظر کیوں نہیں آتا؟ کیا یہ مقامِ محمد مصطفٰے صلی اللہ علیہ وسلم کی توہین نہیں ہے

کہ ان کو بلا سوچے سمجھے (نعوذ باللہ) گناہوں سے استغفار کا حکم دیا جائے۔ حیرت ہے اور افسوس ہے ان اصحابِ بصیرت پر جن کی علمیت پر کسی قسم کا اعتراض نہیں کیا جاسکتا مگر وہ کردار ابو جہل بنے نظر آتے ہیں۔ میں ان حضرات سے سوال کرنے کی گستاخی ضرور کروں گا کہ بتایئے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی شانِ اقدس میں گستاخی کرنا کفر ہے یا ایمان کی مضبوطی کی علامت ہے؟ اگر کفر ہے تو پھر ان مترجمین پر کفر کا فتویٰ لگا دیں جو کہ ایسے الفاظ اپنے تراجم میں لکھ آئے ہیں جو کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی شانِ اقدس میں سراسر کفریہ کلمات ہیں اور ساتھ ہی مولانا احمد رضا خان صاحب بریلوی ؒ کی اس تکفیر کی بھی تائید کریں جو کہ انہوں نے ایسی ہی دل برداشتہ اور کافرانہ وگستاخانہ کلمات کے اخراج وصدور پر کی تھی۔

بسم اللہ شریف کا ترجمہ دیکھئے ہر مترجم نے ترجمہ تقریباً یوں کیا ہے کہ اللہ تبارک و تعالیٰ کا نام کہیں بھی ان کے تراجم میں مبتدا کی حیثیت سے نہیں آتا ہے جبکہ اردو زبان میں یہ ہوسکتا تھا بلکہ اس سے جملہ نہایت با معنی اور خوبصورت بن جاتا ہے۔ مگر ہم دیکھتے ہیں کہ صرف اکیلے احمد رضا خان صاحب بریلویؒ ہیں جو کہ اس بات کا اعلان کر رہے ہیں کہ اللہ کے نام سے شروع جو بڑا مہربان نہایت رحم والا۔ آخر کو یہ بھی تو اس آیت کا ترجمہ ہے کہ جس کے لیئے ہر مترجم کو اللہ تبارک وتعالیٰ کے نامِ نامی سے پہلے "شروع" لانے کی ضرورت پیش آئی۔ مگر آفرین ہے مولانا احمد رضاؒ پر کہ بغیر شروع کے لیئے مقامِ خداوندی کو مدِنظر رکھتے ہوئے کہ هُوَ الْأَوَّلُ وَالْآخِرُ کہ جب کائنات کی ابتداء اُس سے ہوئی، مادّہ کی ابتدا اس سے ہوئی، روح کی، جنس کی۔ غرضیکہ ہر شئے کی ابتداء اُس سے ہوئی تو یہ کیونکر ناممکن ہے کہ بسم اللہ شریف کے ترجمے کی ابتداء اس کے مقدس و مکرم ترین نام سے نہ ہو۔ مگر اب بھی داد وتحسین نہیں دی جاتی بلکہ وہی مطالبہ ہے کہ کنز الایمان پر پابندی لگائی جائے۔

قرآن مجید کے جتنے بھی تراجم آج تک اردو زبان میں ہوئے ہیں اُن سب کو پڑھ ڈالیں سوائے کنز الایمان کے ہر ترجمہ میں یہ بات نظر آئے گی الفاظ گو کہ مختلف ہوں گے مگر مفہوم ایک ہی ہوگا کہ "وَوَجَدَكَ ضَآلًّا فَهَدٰى" اور تمہیں گمراہ پایا

توہدایت دی۔

افسوس ان مترجمین پر بھی ہوتا ہے جو کہ بوقتِ ترجمہ اپنا ذہن اتنا سا بھی استعمال نہ کر سکے کہ یہ ترجمہ ہم کس کے لیئے کر رہے ہیں؟ کیا وہ نعوذ باللہ گمراہ تھے؟ اگر گمراہ تھے تو پھر نبی کیونکر بنے؟ کیا اللہ تعالٰے گمراہوں کو نبوت سے سرفراز فرماتے ہیں؟ کیا گمراہی بذاتِ خود ایک عیب اور برائی نہیں؟ کیا اللہ تعالٰے گمراہوں کو اپنا محبوب اور دوست بناتا ہے؟ کیا محمد صلی اللہ علیہ وسلم نعوذ باللہ گمراہ تھے؟ کیا قرآن مجید اُن کے بارے میں اعلان نہیں کر رہا ہے کہ مَا ضَلَّ صَاحِبُكُمْ ...... تمہارے ساتھی محمد مصطفٰے صلی اللہ علیہ وسلم گمراہ نہیں ہیں؟ پھر اس کے باوجود یہ بات کہنا کیا معنی رکھتا ہے؟ ہم سمجھتے ہیں کہ اس بات کو وہی لوگ زیادہ بہتر جانتے ہوں گے جو کنز الایمان پہ پابندی لگانے کا مطالبہ کر رہے ہیں۔ اس لیئے کہ یہ ان کے اسلاف کے تراجم ہیں جو کہ بقول ان کے بڑے پکے سچے مسلمان تھے مگر پھر بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو گناہ گار و گمراہ کہا کرتے تھے (نعوذ باللہ)

مگر دیکھئے کہ یہاں بھی مولانا احمد رضا خان صاحب بریلوی ہی ہیں کہ ان کا ترجمہ ہی مقامِ محمد مصطفٰے کی روشنی میں کیا گیا ہے اور حاملِ مقامِ محمود صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت و رفعت کے مطابق ہے کہ لکھتے ہیں یہ کہ "تمہیں اپنی محبت میں خود رفتہ پایا تو راہ دی"۔ دیکھئے احادیث شریف میں کثرت سے آیا ہے کہ قبل از نبوّت سرکارِ دو عالم پہروں استغراق میں محو رہتے تھے۔ غارِ حرا میں جا کر تشریف فرمایا کرتے تھے اور کئی کئی دن تک رموزِ کائنات و تخلیقِ کائنات وغیرہ پر غور فرمایا کرتے تھے۔ یہ سب کچھ کیا تھا؟ یہ خود رفتگی تھی ذاتِ باری تعالٰے سے کہ پہروں اسی کے خیالوں میں مگن اور دُھن میں رہتے تھے۔ اگر اسے گمراہی کہہ دیا جائے تو یہ خود گمراہی ہو گی بلکہ اشد دیوانگی ہو گی کہ محبت و خود رفتگی کا نام گمراہی رکھ دیا جائے۔ اللہ عقلِ سلیم عطا فرمائے۔

ایک مقام کنز الایمان میں ایسا بھی ہے کہ قاری اسے پڑھ کر جھوم جاتا ہے اور علمیتِ احمد رضا خان صاحب پر انگشت بدنداں رہ جاتا ہے۔ لکھتے ہیں :۔ وَالنَّجْمِ اِذَا

ھَوٰی ؕ "اس پیارے چمکتے دمکتے ستارے (محمد صلی اللہ علیہ وسلم) کی قسم جب یہ معراج سے اترے"۔ تمام تفاسیر و تراجم میں یہی بات ذرا سی تبدیلی کے ساتھ ملتی ہے کہ ستارے کی قسم جب وہ گرے۔ یہ ترجمہ لکھتے وقت نہ تو وہ اس کی کوئی وجہ لکھتے ہیں نہ شانِ نزول بتاتے ہیں جب کہ مولانا احمد رضا خان صاحب نے بوقت ترجمہ یہ بات ملحوظِ خاطر رکھی ہے کہ سورۃ النجم میں ابتدائی آٹھوں میں معراج شریف کا تذکرہ ہے چنانچہ یہ بات بھی اللہ ربُّ العزت کے علم میں ہے کہ جب میرا محبوب معراج سے ہو کر اپنے لوگوں میں جائے گا تو مشرکین و کفّار اس بات کو سچ نہ مانیں گے بلکہ انکار کریں گے۔ چنانچہ یہ آیات نازل فرمائیں کہ اس چمکتے دمکتے ستارے (محمد صلی اللہ علیہ وسلم) کی قسم جب یہ معراج سے اترے، جان لو کہ تمہارے ساتھی نہ تو بھٹکے ہیں اور نہ ہی بہکے ہیں اور نہ ہی اپنی خواہش نفسانی سے کچھ کلام کرتے ہیں۔

پھر ان سب سے بڑھ کر ایک اور آیت کا ترجمہ ہے جسے پڑھ کر سر فخر سے بلند ہو جاتا ہے اور صاحب کنز الایمان کے لیئے دل سے ہزاروں دعائیں نکلتی ہیں کہ حقیقت میں وہ ایک ایسے عالمِ دین ہیں کہ جنہوں نے اوروں کے مقابلے میں اللہ اور اس کے رسول حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے مقامِ عالیشان کی پاسداری کرتے رہے ورنہ دیگر مترجمین نے تو ہم مسلمانوں کو نہ تو کسی کافر و مشرک نہ ہی مستشرقین کو منہ دکھانے کے قابل رکھا تھا۔ اور آج بھی ان ہی تراجم سے دشمنانِ اسلام اور مستشرقین حضرات اسلام اور جنابِ رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم پر طعن کرتے ہیں اور اسلام کے خلاف اپنا پروپیگنڈہ بھرپور طریقے سے کرتے ہیں۔ چنانچہ دیکھیئے والضحیٰ ہی کی آیت ہے "وَوَجَدَكَ عَائِلًا فَأَغْنٰى ؕ" اس کا لفظی ترجمہ ہوتا ہے کہ "اور آپ کو تہی دست پایا تو غنی کر دیا"۔ اس آیت مبارکہ کی تفسیر میں صاحبِ کنز الایمان کو چھوڑ کر ہر ایک مترجم و مفسر نے یہی لکھا ہے کہ کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم یتیم تھے، مفلس و نادار تھے لہذا اللہ تعالےٰ نے حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ تعالےٰ عنہا سے آپ کی شادی کرا دی اور یوں آپ حضرت خدیجہ رضی کے مال کے ذریعے غنی ہو گئے (نعوذ باللہ)

تفہیم القرآن میں جناب ابوالاعلیٰ مودودی صاحب نے اس آیت مبارکہ کی تفسیر میں لکھا ہے کہ قبل شادی نبی صلی اللہ علیہ وسلم نادار تھے۔ ایک تو یہ کہ آپ یتیم تھے دوم یہ کہ ترکہ میں آپ کو سوائے ایک اونٹنی اور ایک خادمہ کے کچھ نہ ملا تھا۔ پھر جب عرب کی ایک مالدار خاتون خدیجہ بنت خویلد آپ کے نکاح میں آئیں تو پھر اللہ تعالےٰ نے آپ کو غنی کر دیا۔ دیگر مترجمین بھی اسی بات کو الٹ پھیر کر بیان کرتے ہیں۔ حالانکہ یہ سب جھوٹ بکواس اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ مبارکہ پر دروغ و افتراء ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم مفلس نہیں تھے۔ اگر مفلس ہوتے تو تجارت کیونکر کر رہے تھے؟ ہمیں آج اس دور میں کوئی بھی تاجر مفلس نظر نہیں آتا۔ نہ ہی آپ کو تجارت میں کبھی ایسا خسارہ ہوا جو کہ آپ کو مفلس بنا دیتا بلکہ آپ تو تجارت اور امورِ تجارت میں نہایت کامیاب تاجر سمجھے جاتے تھے۔ اسی لیئے حضرت خدیجہؓ نے جب آپ کی دیانت داری اور تجارتی کامیابی کے چرچے سُنے تو آپ کو اپنا سامانِ تجارت بھی اپنے غلام میسرہ کے ساتھ دیا اور یہ بات تاریخ میں موجود ہے کہ آپؐ نے اپنا اور حضرت خدیجہؓ کا تمام مال چند ہی دنوں میں بہت بڑے منافع پر فروخت فرما دیا تھا۔ پھر ایسی بات کہنے کے کیا معنیٰ کہ "آپ مفلس ونادار تھے"؟

دیوبند ہی کے ایک مشہور عالمِ دین مولانا محمد میاں نے اپنی تاریخ اسلام میں لکھا ہے کہ عرب کے معاشرے میں یہ بات نہایت ہی معیوب سمجھی جاتی تھی کہ کوئی آدمی اپنی بیوی کا مال خرچ کرے۔ اگر خدانخواستہ آپؐ بھی اپنی بیوی کا مال اپنے اوپر خرچ کرتے تو مشرکینِ مکہ آسمان سر پر اٹھا لیتے اور یوں آپ کو بدنام کرتے۔ مگر افسوس کہ ہمارے ان علماء نے اپنے تراجم میں ذرہ برابر بھی ناموسِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا خیال نہیں رکھا۔ پھر یہ کہنا بھی غلط ہے کہ آپ مفلس و نادار تھے۔ بلکہ آپ مولانا محمد میاں صاحب کی تاریخ اسلام کے مطابق غنی تھے۔ آپ کے والدِ ماجد نے اپنے ترکہ میں پانچ اونٹ اور ایک باندی اُم ایمنؓ چھوڑیں تھیں جو کہ آپ کو ملیں۔ عرب میں جس گھر میں لونڈی غلام ہوتے تھے وہ صاحب حیثیت سمجھے جاتے تھے چنانچہ یہ کہنا بالکل درست نہیں کہ آپؐ مفلس تھے۔ اور یہ کہنا بھی غلط ہے کہ آپؐ اپنی زوجۂ محترم حضرت خدیجۃ الکبریٰ کے مال کو خرچ کرتے تھے یا اُن کے مال کی وجہ سے آپؐ غنی

ہو گئے تھے۔ دراصل اس آیتِ کریمہ کے معنی ہیں کہ "اے مصطفیٰ! تمہارے پروردگار نے جب تمہیں علم میں تہی دست پایا تو بے پناہ علم عطا فرما کر علم میں غنی کر دیا"۔ چنانچہ ایک اور مقام پر بھی ارشاد فرمایا کہ "سَنُقْرِئُكَ فَلَا تَنْسٰى ہم تمہیں یوں پڑھائیں گے کہ تم کبھی نہ بھولو گے"۔ ایک اور جگہ فرمایا کہ "وَعَلَّمْنٰهُ مِنْ لَّدُنَّا عِلْمًا اور ہم نے اسے آپ خود اپنے پاس سے علم دیا ہے"۔

یہاں بھی صرف صاحبِ کنز الایمان مولانا احمد رضا خان صاحب ہی ہمیں اس آیت کا صحیح ترجمہ کرتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ چنانچہ باوجود اُن کے حنفی ہونے کے ہم اس بات کو تسلیم کرتے ہیں کہ انہوں نے اپنے ترجمے میں وہ چیز پیش کی ہے جس کی نظیر علمائے اہلِ حدیث کے ہاں بھی نہیں ملتی ہے۔ کنز الایمان واقعی ایک ایسا ترجمۂ قرآن مجید ہے جو کہ ہر ایک متبع رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو پڑھنا چاہیئے۔ میں یہ بات برملا کہوں گا کہ کنز الایمان کا مطالعہ ہر اس شخص کے حق میں مفید ہے جو کہ جناب رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم کا صحیح معنوں میں اطاعت گزار ہے۔

~~~~~ ჻ ~~~~~

شیخ سعید محمد سعید ابن السید محمد الغزی شیخ الدلائل علیہ الرحمۃ (مدینہ منورہ)

امام احمد رضا کے متعلق ان الفاظ میں اظہارِ خیال فرماتے ہیں

"جب شک و شبہ کی اندھیری رات چھا جاتی ہے تو وہ اپنے آسمانِ علم سے ایک چودھویں کا چاند چمکاتا ہے۔ اس طرح نسلاً بعد نسل علماء کاملین و ناقدین کے ہاتھوں شریعتِ مطہرہ تغیرّ و تبدّل سے محفوظ رہی اور ان اجلّہ علماء میں سے کثیر العلم اور دریائے عظیم الفہم حضرت مولانا احمد رضا خاں ہیں"۔
~~~~~

مذہبیات

امام احمد رضا قدس سرہٗ

مسئلہ علم غیب

پیش لفظ :۔ سید ریاست علی قادری

مسئلہ علمِ غیب پر یوں تو امام احمد رضا قدس سرہٗ نے کئی رسائل تصنیف فرمائے لیکن "الدولۃ المکیہ" نامی کتاب آپ کی وہ مشہور زمانہ تصنیف ہے جس کو پڑھ کر علمائے عرب نے امام احمد رضا قدس سرہٗ کی فاضلانہ اور محققانہ حیثیت کو نہ صرف تسلیم کیا بلکہ نہایت ہی شاندار الفاظ میں خراجِ تحسین پیش کیا۔

امام احمد رضا قدس سرہٗ نے یہ کتاب ۲۶ ر اور ۲۷ ر ذی الحجہ ۱۳۲۳ھ دو نشستوں میں صرف ساڑھے آٹھ گھنٹوں میں تصنیف فرمائی۔ یہ کتاب شاہِ حجاز کے دربار میں پڑھی گئی۔ علمائے حرمین شریفین امام احمد رضا کی تحقیق اور فاضلانہ تحریر سے اتنے متاثر ہوئے کہ بقول شیخ اسماعیل بن خلیل (حافظ کتب الحرم مکہ معظمہ)۔ مولانا شیخ اسماعیل بن خلیل (مدینہ منورہ) نے اپنی تقریظ میں ان واقعات کا مفصل ذکر کیا ہے۔ آپ تحریر فرماتے ہیں :۔

"علماء اور طلبہ علم نے چاروں طرف سے انہیں گھیر لیا تو کوئی فائدہ حاصل کرنے کے لیئے کوئی سوال کرتا اور کوئی قولِ صحیح دریافت کرنے کے لیئے کوئی مسئلہ پیش کرتا اور کوئی اجازت مانگتا اور کوئی اشارہ کا انتظار کرتا۔ یہ اُن کا حال تھا جب وہ مکّے میں تھے۔"

کتاب الدولۃ المکیہ کے حصّہ اول کا موضوع مسئلہ علمِ غیب ہے۔ اس مضمون میں ہم صرف اس مسئلہ علمِ غیب کی تمہید اور تشریح کے چند نمونے پیش کر رہے ہیں تاکہ اہلِ علم و فکر امام احمد رضا کی اس مایۂ افتخار تحقیق اور تبحّرِ علمی کا اندازہ کر سکیں جس میں علمِ غیب جیسے نازک مسئلہ پر بڑی فاضلانہ اور محققانہ بحث کی گئی ہے۔ یہ کتاب دو حصوں پر مشتمل ہے اور عربی میں لکھی

گئی ہے جس کا ترجمہ امام احمد رضا قدس سرہٗ کے خلفِ اکبر مولانا شاہ محمد حامد رضا خان علیہ الرحمۃ نے کیا ہے جو خود بھی عربی زبان کے بہت بڑے عالم و فاضل تھے اور امام احمد رضا کے ہمراہ حج بیت اللہ شریف میں شریکِ سفر تھے۔

اس عظیم تصنیف پر اکسٹھ (۶۱) علمائے عرب (مکہ معظمہ، مدینہ منورہ و دیگر بلادِ اسلامیہ مثلاً مصر، دمشق، بغداد، الجزائر و بیروت وغیرہ) نے تقاریظ لکھیں۔ پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد نے بہت سی تقاریظ کو جمع کیا اور اپنی کتاب "فاضل بریلوی علمائے حجاز کی نظر میں" پیش کی۔ یہ کتاب مرکزی مجلسِ رضا لاہور اور المجمع الاسلامی مبارک پور (ہندوستان) سے کئی بار شائع ہو چکی ہے۔ بعض اہم تقاریظ کے اصل عکس ادارہ ہذا کی نئی پیش کش "امام احمد رضا اور عالمِ اسلام" میں پیش کیے جا رہے ہیں جو عنقریب شائع ہونے والی ہے۔

سید محمد ریاست علی قادری

حدیثِ نبویؐ

صحیح بخاری اور صحیح مسلم کی حدیث حذیفہ رضی اللہ تعالےٰ عنہٗ سے انہوں نے فرمایا "کہ ایک بار نبی صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم ہم میں خطبہ پڑھنے کھڑے ہوئے تو حضورؐ نے وقتِ قیام سے روزِ قیامت تک جو کچھ ہونے والا تھا کچھ نہ چھوڑا سب بیان فرما دیا۔"

علم غیب کی تمہید

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم
نحمدہ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم

سب خوبیاں اللہ کو جو جمیع غیوب کا کمال جاننے والا ہے۔ گناہوں کا بڑا بخشنے والا، عیبوں کا بہت چھپانے والا، پوشیدہ راز پر اپنے پسندیدہ رسولوں کو مسلط کرنے والا۔ اور سب سے افضل درود اور سب سے کامل تر سلام ان پر جو ہر پسندیدہ سے زیادہ پسندیدہ اور ہر پیارے سے بڑھ کر پیارے ہیں۔ غیبوں پر اطلاع پانے والوں کے سردار جن کو ان کے رب نے خوب سکھایا۔ اور اللہ کا ان پر فضل بہت بڑا ہے اور وہ ہر غیب پر امین اور غیب کے بتانے میں بخیل نہیں اور نہ وہ اپنے رب کے احسان سے کچھ پوشیدگی میں ہیں کہ جو ہو گزرا یا آنے والا ہو ان سے چھپا ہو تو وہ ملک اور ملکوت کے مشاہدہ فرمانے والے ہیں۔ اور اللہ عزوجل کی ذات وصفات کے ایسے دیکھنے والے ہیں کہ نہ آنکھ کج ہوئی اور نہ حد سے بڑھی۔ تو کیا تم جو کچھ وہ دیکھ رہے ہیں ان میں ان سے جھگڑتے ہو۔ اللہ نے اُن پر قرآن اتارا ہر چیز کا روشن بیان کر دینے کو تو حضور نے تمام اگلے پچھلے علوم پر احاطہ فرمایا اور ایسے علموں پر جو کسی حد پر نہ رکیں اور گنتی ان تک پہنچنے سے تھک رہے اور تمام جہان میں ان کو کوئی نہیں جانتا۔ تو آدم علیہ السلام کے علم اور تمام عالم کے علم اور لوح وقلم کے علم یہ سب مل کر ہمارے محبوب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے علموں کے سمندروں سے ایک بوند ہیں۔ اس واسطے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے علوم (اور تونے کیا جانا کہ حضور کے علم کیا ہیں۔ اُن پر اللہ تعالیٰ کے درود وسلام) سب سے بڑا چھینٹا اور عظیم تر جلو ہیں۔ اُس غیر متناہی سمندر یعنی علمِ الٰہی سے تو حضور اپنے رب سے مدد لیتے ہیں اور تمام جہان حضور سے مدد لیتا ہے تو اہلِ عالم کے پاس جو کچھ علوم ہیں وہ سب حضور کے علم ہیں۔ اور حضور کے سبب ہیں اور حضور کی سرکار سے آئے اور حضور سے اخذ کیے گئے۔

علم غیب کی تشریح

آگاہ ہو کہ امر دین کا مدار اور وہ جس پر نجات موقوف ہے پورے قرآنِ عظیم پر ایمان لانا ہے تو اکثر گمراہ یوں ہی گمراہ ہوئے کہ بعض آیتوں پر ایمان لائے اور بعض سے منکر ہو بیٹھے جیسے قدریہ (کہ اپنے آپ کو خود اپنے افعال کا خالق جانتے ہیں) اس آیت پر تو ایمان لائے کہ "ہم نے ان پر ظلم نہ کیا بلکہ وہ خود ہی اپنی جانوں پر ظلم کرتے ہیں" اور اس آیت سے منکر ہو بیٹھے کہ "اللہ تمہارا بھی خالق ہے اور تمہارے اعمال کا بھی" اور جبریہ (کہ انسان کو پتھر کی طرح مجبور جانتے ہیں) اس آیت پر ایمان لائے "اور تم کیا چاہو مگر یہ کہ چاہے اللہ جو مالک ہے سارے جہان کا" اور اس آیت سے منکر ہوئے "یہ ہم نے اُن کی سرکشی کا بدلہ دیا اور بے شک ہم ضرور سچے ہیں" اور خارجی (کہ مرتکبِ کبیرہ کو کافر کہتے ہیں) اس آیت کریمہ پر ایمان لائے کہ "بے شک فاجر لوگ ضرور جہنم میں ہیں قیامت کے دن اس میں جائیں گے" اور اس آیت کے منکر ہوئے کہ "بے شک اللہ کفر کو نہیں بخشتا اور اس کے نیچے جتنے گناہ ہیں جسے چاہے بخش دیتا ہے" اور گمراہ مرجیہ (جو کہتے ہیں کہ مسلمان کو کوئی گناہ ضرر نہیں دیتا) اس آیت پر ایمان لائے کہ "اللہ کی رحمت سے نا امید نہ ہو بے شک اللہ سب گناہ بخش دیتا ہے بیشک وہی ہے بخشنے والا مہربان" اور اس آیت کے منکر ہوئے کہ "جو کوئی برا کام کرے گا اسے بدلہ دیا جائے گا" اور اس کی مثالیں اور بہت ہیں۔ اور کتب کلام میں مشہور۔ اور وہ قرآن عظیم جس نے نص فرمایا کہ "زمین آسمان والوں میں کوئی غیب نہیں جانتا سوائے خدا کے" اسی نے یہ بھی صاف فرمایا کہ "اللہ مسلط نہیں کرتا اپنے غیب پر کسی کو سوا اپنے پسندیدہ رسولوں کے" اور یہ بھی فرمایا کہ "اے لوگو! اللہ اس لئے نہیں کہ تم کو غیب پر مطلع کر دے۔ ہاں اللہ اپنے رسولوں میں سے جسے چاہے چن لیتا ہے" اور یہ بھی فرمایا کہ "وہ (یعنی محمد صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم) غیب پر بخیل نہیں۔ جو غیب وہ بتائیں اس میں ان پر غلطی کی تہمت نہیں" اور یہ بھی فرمایا کہ "اے نبی! اللہ نے تمہیں سکھایا جو کچھ تم نہ جانتے تھے اور اللہ کا

نضل تم پر بہت بڑا ہے ۔" اور یہ بھی فرمایا کہ "یہ غیب کی خبریں ہیں جو ہم تمہاری طرف وحی کرتے ہیں اور تم ان کے پاس نہ تھے جب انہوں نے اپنے کام پر ایکا کیا اور یوسف کے ساتھ داؤں کھیلے ۔" اور یہ بھی فرمایا کہ " یہ غیب کی خبریں ہیں جن کی وحی ہم تمہاری طرف بھیجتے ہیں اور تم ان کے پاس نہ تھے جب وہ اپنے قلموں کا قرعہ ڈالتے تھے کہ ان میں کون مریم کی پرورش کرے اور تم ان کے پاس نہ تھے جب وہ جھگڑ رہے تھے ۔" اور یہ بھی فرمایا کہ یہ غیب کی خبریں ہیں جن کی وحی ہم تمہاری طرف بھیجتے ہیں اور ان کے سوا اور آئتیں ۔ تو یہ ہے ہمارا رب تبارک وتعالےٰ جس نے نفی بھی ایسی کی کہ ٹل نہیں سکتی اور ثابت بھی ایسا کیا کہ جس میں شبہ نہیں تو نفی واثبات دونوں حق ہیں ، دونوں ایمان ہیں اور ان دونوں میں سے جو کوئی کسی بات کا انکار کرے اس نے قرآن کا انکار کیا ۔ تو جو غیر خدا سے علم غیب کی مطلقاً ایسی نفی کرے کہ کسی طرح ثابت ہی نہ مانے وہ ان آئتوں سے کفر کر رہا ہے جو ثابت فرماتی ہیں ۔ اور جو مطلقاً اس طرح ثابت کرے کہ کسی وجہ سے نفی مانے ہی نہیں وہ ان آئتوں سے کفر کرتا ہے جو نفی فرماتی ہیں ۔ اور مسلمان سب پر ایمان لاتا ہے اور وہ مختلف راہوں میں نہیں پڑتا ۔ اور نفی و اثبات دونوں ایک چیز پر تو وارد ہو نہیں سکتے تو ان کے جدا جدا مورد تلاش کرنا واجب ہوا ۔ تو میں کہتا ہوں اور اپنے رب کی قوت پر جنبش اور میدان تحقیق میں جولان کرتا ہوں اور اس پر جس نے دھوکہ دیا اور فریب کیا وار کرتا ہوں کہ علم کی ایک تقسیم اس کے مصدر کے اعتبار سے ہے (جہاں وہ صادر ہوا) اور دوسری تقسیم اس کے متعلق بفتح لام کے اعتبار سے ہے جس سے وہ متعلق ہوا اور ان سے ایک اور تقسیم نکلتی ہے اس اعتبار سے کہ تعلق کس طرح کا ہوا پہلی تقسیم تو یہ ہے کہ علم یا تو ذاتی ہے جب کہ نفس ذات عالم سے صادر ہو ۔ اس کے غیر کو اس میں کچھ دخل نہ ہو نہ یوں کہ غیر کی عطا سے ہو نہ یوں کہ غیر اس میں کسی طرح سبب پڑے ۔ اور یا عطائی ہے جب کہ غیر کی عطا سے ہو ۔ پہلی قسم مولیٰ سبحانہ و تعالیٰ کے ساتھ خاص اس کے غیر کے لیئے محال ہے اور جو اس میں سے کوئی حصہ جہاں بھر میں کسی کے لیئے ثابت کرے اگرچہ ایک ذرہ سے کمتر سے کمتر وہ یقیناً مشرک ہے اور تباہ و برباد ہوا ۔ اور دوسری قسم مولیٰ تعالےٰ کے بندوں کے ساتھ خاص ہے ۔ اللہ کے لیئے ممکن

نہیں اور جو اس طرح کا کوئی علم اللہ تعالیٰ کے لیئے ثابت کرے وہ کافر ہوا۔ اور ایسی چیز
لایا جو شرکِ اکبر سے بھی زیادہ خبیث و شنیع ہے اس لیئے کہ مشرک تو وہ ہے جو اللہ کے برابر
دوسرے کو جانے اور اس نے غیر خدا کو خدا سے برتر سمجھا یا یہ کہ اس نے اپنے علم وغیرہ کا
فیض خدا کو پہنچا دیا۔ دوسری تقسیم یہ ہے کہ علم دو قسم کا ہے۔ ایک مطلق العلم اور اس سے میری
مراد وہ مطلق ہے جو علم اصول کی اصطلاح ہے۔ جس کا ثابت کرنا کسی ایک فرد کا ثبوت چاہتا ہے
اور نفی کرنا کل افراد کی نفی بتاتا ہے۔ اور یہ مطلق یا تو فرد غیر معین ہے یا نفسِ ماہیت جو
کسی فرد میں ہو کر پائی جائے۔ جیسا کہ اس کی تحقیق خاتمہ محققین حضرت والدِ ماجد قدس
سرہٗ الماجد نے اپنی کتاب مستطاب اصول الرشاد لقمع مبانی الفساد میں فرمائی تو قضیہ موجبہ
یہاں موجبہ جزئیہ ہے کہ موجبہ کلیہ کو عام ہے اور قضیہ سالبہ سالبہ کلیہ ہے۔
دوسری علم مطلق اور اس سے میری مراد وہ ہے جو عموم و استغراق حقیقی کا مفاد ہے
جس کا ثبوت نہیں ہوتا جب تک جملہ افراد موجود نہ ہوں اور صرف کسی ایک فرد کی نفی سے
منتفی ہو جاتا ہے تو موجبہ یہاں کلیہ ہوگا اور سالبہ جزئیہ اور یہ علم کا تعلق دو وجہ پر ہوتا
ہے۔ ایک اجمال دوسرے تفصیل کہ جس میں ہر معلوم جدا اور ہر مفہوم دوسرے سے
ممتاز ہو۔ یعنی عالم کو جتنی معلومات ہوں کل یا بعض، تو اس دوسری تقسیم میں یہ چار قسمیں
ہیں۔ ان میں سے ایک اللہ سبحانہٗ وتعالےٰ کے ساتھ خاص ہے اور وہ علم مطلق تفصیلی
ہے جس پر یہ آیت کریمہ دلالت کرتی ہے کہ "اللہ تعالےٰ ہر شے کا جاننے والا ہے"
اس لیئے کہ ہمارا رب تبارک وتعالےٰ اپنی ذاتِ کریم اور اپنی غیر متناہی صفتوں اور ان سب
حادثوں کو جو موجود ہو لیئے اور اُن کو جو ابد کے ابد تک موجود ہوتے رہیں گے اور تمام
ممکنات کو جو نہ کبھی موجود ہوئے اور نہ کبھی موجود ہوں بلکہ تمام محالات کو بھی ان سب
کو جانتا ہے تو تمام مفہومات میں سے کوئی چیز علمِ الٰہی سے باہر نہیں اُن سب کو
پوری تفصیل کے ساتھ جانتا ہے ازل سے ابد تک اور اللہ سبحانہٗ وتعالےٰ کی ذات
غیر متناہی اور اس کی صفتیں غیر متناہی اور ان میں ہر صفت غیر متناہی اور عدد کے
سلسلے غیر متناہی ہیں اور ایسے ہی ابد کے دن اور اس کی گھڑیاں اور اُس کی آنیں اور

جنت کی نعمتوں سے ہر نعمت اور جہنم کے عذابوں سے ہر عذاب اور جنتیوں اور دوزخیوں
کی سانسیں اور اُن کے پلک جھپکنا اور ان کی جنبشیں اور ان کے سوا اور چیزیں یہ سب غیر متناہی
ہیں اور یہ سب اللہ تعالےٰ کو ازل و ابد میں پوری تفصیلی احاطہ کے ساتھ معلوم ہیں تو اللہ
تعالےٰ کے علم میں غیر متناہی کے سلسلے غیر متناہی بار ہیں بلکہ اللہ سبحانہٗ وتعالےٰ کے لیئے
ہر ہر ذرہ میں غیر متناہی علم ہیں۔ اس لیئے کہ ہر ذرّہ کو ہر ذرہ سے جو ہو گذرا یا آئندہ ہوگا یا
ممکن ہے کہ ہو کوئی نہ کوئی نسبت قرب و بُعد وجہت میں ہو گی جو زمانوں میں بدلے گی ان
مکانوں کے بدلنے سے جو واقع ہوئے یا ممکن ہے روزِ اوّل سے زمانہ نامحدود تک اور
یہ سب اللہ عزوجل کو بالفعل معلوم ہیں تو مولیٰ تعالےٰ کا علم غیر متناہی در غیر متناہی در غیر
متناہی ہے گویا وہ اہلِ حساب کی اصطلاح پر غیر متناہی کی تیسری قوت ہے جیسے مکعب
(یا کعب) کہتے ہیں کہ عدد جب اپنے نفس میں ضرب دیا جائے تو یہ مجذور ہوا اور جب
مجذور کو اُسی عدد میں ضرب دو تو مکعب ہوا اور یہ سب باتیں روشن ہیں ہر اس شخص کے
نزدیک جو اسلام میں حصہ رکھتا ہے اور معلوم ہے کہ کسی مخلوق کا علم آنِ واحد میں غیر متناہی
بالفعل کو پوری تفصیل کے ساتھ کہ ہر فرد دوسرے سے بروجہ کامل ممتاز ہو محیط نہیں ہو
سکتا۔ اس لیئے کہ امتیاز جب ہی ہوگا کہ ہر فرد کی جانب خصوصیت کے ساتھ لحاظ کیا
جائے اور غیر متناہی لحاظ ایک آن میں نہیں حاصل ہو سکتے۔ تو مخلوق کا علم اگرچہ کتنا
ہی کثیر و بسیار ہو یہاں تک کہ عرش و فرش میں روزِ اوّل سے روزِ آخر تک اور اس کے
کروروں مثل سب کو محیط ہو جائے جب بھی نہ ہوگا مگر محدود بالفعل اس لیئے کہ عرش و
فرش دو کنارے گھیرنے والے ہیں اور روزِ اوّل سے روزِ آخر تک یہ دوسری دو حدیں
ہوئیں اور جو چیز دو گھیرنے والوں میں گھری ہو وہ نہ ہو گی، مگر متناہی۔ ہاں علم مخلوق
میں بایں معنی غیر متناہی ہوتا ٹھیک ہوسکتا ہے کہ آئندہ کسی حد پر اس کی روک نہ کر دی
جائے (ہمیشہ بڑھتا رہے گا) اور بایں معنی لا متناہی اللہ سبحانہٗ وتعالےٰ کے علم میں محال ہے
اس واسطے کہ اس کے علم اور اس کی سب صفتیں تو پیدا ہونے سے برتر ہیں تو ثابت ہوا کہ
غیر متناہی بالفعل ہونا اللہ تعالےٰ ہی کے علموں سے خاص ہے اور وہ عدم متناہی کہ بڑھنا

کسی حد پر نہ رکے، اس کے بندوں کے علم سے خاص ہے اور پہلا اس کے غیر کے لیئے حاصل نہ ہوگا۔ اور اگر ہم تمام تقریر سے قطع نظر بھی کریں تو اس پر دلیل قاطع ہونے کے لیئے یہ آیت کریمہ ہی بس ہے کہ "اللہ ہر شئے کو محیط ہے"۔ اس لیئے کہ ذات الٰہی محدود نہیں تو اس کی مخلوق میں کسی کو ممکن نہیں کہ اللہ عزوجل کو جیسا وہ ہے تمام و کمال ایسا پہچان لے کہ یہ کہنا صحیح ہو جائے کہ اب اللہ تعالے کی معرفت حاصل ہو گئی۔ جس کے بعد اس کی معرفت سے کچھ باقی نہ رہا۔ اس لیئے ایسا ہوتا تو یہ علم اللہ عزوجل کی ذات کو محیط ہو جاتا۔ تو اللہ عزوجل اس کے احاطہ میں آجاتا۔ اور وہ برتر ہے کہ اُسے کوئی چیز احاطہ کر سکے بلکہ وہی ہر چیز کو محیط ہے اور اللہ عزوجل کو جاننے والے انبیاء اور اولیاء اور صالحین اور مومنین ان میں جو باہم مراتب کا فرق ہے وہ اللہ تعالے کو جاننے ہی میں فرق کی بناء پر ہے (جو جتنا زیادہ جانتا ہے اتنا ہی زیادہ اس کا مرتبہ ہے) تو ہمیشہ ابدالآباد تک انہیں علم پر علم بڑھتا رہے گا اور کبھی اس کے علم میں سے قادر نہ ہوں گے مگر قدر متناہی پر اور ہمیشہ معرفت الٰہی سے غیر متناہی باقی رہے گا تو ثابت ہوا کہ جمیع معلومات الہیہ کو پوری تفصیل کے ساتھ کسی مخلوق کا محیط ہو جانا عقلاً اور شرعاً دونوں طرح محال ہے بلکہ اگر تمام اوّلین و آخرین سب کے علوم جمع کر لیئے جائیں تو ان کے مجموعہ کو علوم الہیہ سے اصلا کوئی نسبت نہ ہوگی یہاں تک کہ وہ نسبت بھی نہیں ہو سکتی جو ایک بوند کے دس لاکھ حصّوں میں سے ایک حصّہ کو دس لاکھ سمندروں سے اس واسطے کہ بوند کا یہ حصہ بھی محدود ہے اور وہ دریائے زخّار بھی متناہی ہیں اور متناہی کو متناہی سے ضرور کوئی نسبت ہوتی ہے۔ اس لیئے کہ ہم بوند کے اس حصہ کے برابر یکے بعد دیگرے ان سمندروں میں سے پانی لیتے جائیں تو ضرور ان سمندروں پر ایک دن وہ آئے گا کہ ختم و فنا ہو جائیں گے کہ آخر متناہی ہیں لیکن غیر متناہی میں سے کتنے ہی بڑے متناہی حصے کے امثال لیتے چلے جاؤ تو حاصل ہمیشہ متناہی ہی ہوگا۔ اور اس میں ہمیشہ غیر متناہی باقی رہے گا۔ تو کبھی کوئی نسبت حاصل نہیں ہو سکتی۔ یہ ہے ہمارا ایمان اللہ عزوجل پر۔

اور اسی طرف حضرت خضر علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اشارہ فرمایا اپنے اس قول میں جو موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام سے کہا۔ جس وقت چڑیا نے سمندر سے ایک چونچ بھر کر پانی لیا تو یہ قسم اللہ تعالٰی کے ساتھ خاص ہے۔ رہی باقی تین قسمیں یعنی علم مطلق اجمالی اور مطلق علم اجمالی اور تفصیلی یہ قسمیں اللہ سبحانہٗ وتعالٰی کے ساتھ خاص نہیں۔ بلکہ اگر اجمالی کو ہم مرتبہ بشرط لاشئے میں لیں۔ یعنی وہ جس میں ایک معلوم دوسرے سے پورے طور پر ممتاز نہ ہو جب تو اجمالی کی دونوں قسمیں اللہ سبحانہٗ وتعالٰی کے لیئے محال ہوں گی اور بندوں کے ساتھ ان کا خاص ہونا واجب ہوگا۔ علم مطلق اجمالی کا بندوں کے لیئے حاصل ہونا عقلاً بدیہی اور ضروریات دین سے ہے۔ اس لیئے کہ ہم ایمان لائے ہیں کہ اللہ تعالٰی ہر شئے جانتا ہے اور ہر شئے کہنے میں ہم نے جمیع معلومات الٰہیہ کا لحاظ کر لیا اور ان سب کو ایک اجمالی طور پر جان لیا تو جو اسے اپنے لیئے ثابت نہ جانے وہ اپنے نفس سے اس آیت پر ایمان کی نفی کرتا ہے تو خود اپنے کفر کا مقر ہوا اور اللہ کی پناہ اور معلوم ہے کہ جب علم مطلق اجمالی بندوں کے لیئے ثابت ہوا تو مطلق علم اجمالی اپنے آپ ثابت ہو گیا اور اسی طرح مطلق علم تفصیلی اس لیئے کہ ہم قیامت وجنت ونار اور اللہ تعالٰی اور اس کی صفتوں میں سے ساتوں صفات اصول پر ایمان لائے اور یہ سب کا سب غیب ہے اور ان میں ہر ایک ہم نے علیحدہ علیحدہ دوسرے سے ممتاز پہچانا تو واجب ہوا کہ غیبوں کا مطلق علم تفصیلی ہر مسلمان کو حاصل ہو۔ پھر انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کا کیا کہنا۔ اور کیونکر نہ ہو۔ حالانکہ ہمیں اللہ سبحانہٗ وتعالٰی نے غیب پر ایمان لانے کا حکم دیا ہے اور ایمان تصدیق ہے اور تصدیق علم ہے تو جو غیب کو جانتا نہیں اس کی تصدیق کیونکر کرے گا۔ اور جو تصدیق نہ کرے گا اس پر ایمان کیونکر لائے گا؟ تو ثابت ہوا کہ وہ علم جو اللہ عزوجل کے ساتھ خاص ہونے کے لائق ہے وہ نہیں مگر علم ذاتی اور علم مطلق تفصیلی کہ جمیع معلومات الٰہیہ کو استغراق حقیقی کے ساتھ محیط ہو تو جن آیتوں میں غیر خدا سے نفی فرمائی ان میں ضرور ہے کہ یہی دونوں معنی مراد ہیں اور یہ بھی ثابت ہوا کہ وہ علم جسے بندوں کے لیئے ثابت کر سکتے ہیں وہ علم عطائی ہے خواہ علم مطلق اجمالی ہو یا مطلق علم تفصیلی اور مدح اسی قسم اخیر سے ہوتی ہے

اور بے شک اللہ سبحانہ و تعالےٰ نے علم سے اپنے بندوں کی مدح فرمائی کہ فرماتا ہے :۔
" ملائکہ نے ابراہیم کو ایک علم والے لڑکے کی خوشخبری دی " اور فرمایا کہ " بے شک یعقوب ہمارے علم دیئے سے ضرور علم والا ہے " اور فرمایا " ہم نے خضر کو علم لدنی عطا کیا " اور فرمایا " اے نبی! اللہ تعالےٰ نے تمہیں سکھا دیا جو کچھ تم نہ جانتے تھے اور ان کے سوا اور بکثرت آیتیں تو یہی قسم ان آیتوں میں مراد ہے جن میں بندوں کے لئے علم غیب دیا جانا ثابت فرمایا ہے تو آیات کے یہ وہ سچے معنی ہیں جن سے اصلا مفر نہیں! ورنہ ان کے غیر کا امکان اور تجھے روشن ہو گیا کہ جو کچھ ہم نے یہاں تک بیان کیا سب دین متین سے ایسا بالضرورۃ ثابت ہے کہ جو ان میں سے کسی شے کا انکار کرے وہ دین کا انکار کرتا ہے اور اسلامی جماعت سے جدا ہوتا ہے اور یہ وہ معنی ہیں جن سے معتمد عالموں نے آیات نفی و اثبات میں تطبیق کی ہے جیسا کہ امام اجل ابو ذکریا نووی نے اپنے فتاویٰ میں فرمایا۔ ان کے بعد امام ابن حجر مکی نے فتاویٰ حدیثیہ میں اور علماء نے اور کتابوں میں کہ غیر خدا سے نفی علم غیب کے معنی یہ ہیں کہ اپنی ذات سے کوئی نہیں جانتا اور نہ کسی کا علم جمیع معلومات الٰہیہ کو محیط ہے تو آفتاب اور گزرے ہوئے کل کی طرح روشن ہو گیا کہ وہ جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے غیبوں کے مطلق علم کی نفی کرتا ہے۔ اگرچہ خدا کی عطا سے ہوا جیسا کہ ہمارے ملک کے وہابی صاف کہہ رہے ہیں۔ یہاں تک کہ انہوں نے کہا کہ نبی صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم نہ اپنے خاتمہ کا حال جانتے تھے نہ امت کے خاتمہ کا ۔
جیسا کہ اس گمراہی کی بابت میرے پاس ۱۳۱۸ھ میں دہلی سے سوال آیا تھا۔ میں نے اس کے جواب میں رسالہ " انباء المصطفےٰ بحال سر و اخفی " لکھا اور میں نے وہاں بیہ پر قیامت کبریٰ قائم کی تو ایسا شخص اس چیز کی نفی کر رہا ہے جو اللہ تعالےٰ نے قرآن عظیم میں ثابت فرمائی اور اس کا یہ قول اس کے ایمان کی نفی کرتا ہے اور اس کے زیاں کار ہونے کے لئے کافی و وافی ہے۔ وہ اپنے اس کفران کے سبب کافر مرتد ہے اور اس کا کہنا کہ نبی صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم نہ اپنے خاتمہ کا حال جانتے تھے نہ امت کے۔ یہ دوسرا کفر ہے کہ وہ بہت سی روشن آیتوں کا انکار ہے۔ اللہ عزوجل فرماتا ہے " اور بے شک آخرت تمہارے لئے

دنیا سے بہتر ہے۔" اور فرماتا ہے "بے شک عنقریب تمہیں تمہارا رب اتنا دے گا کہ تم راضی ہو جاؤ گے۔" اور فرماتا ہے "جس دن اللہ رسوا نہ کرے گا نبیؐ کو نہ ان ایمان والوں کو جو اس کے ساتھ ہیں۔ ان کا نور دوڑتا ہوگا ان کے آگے اور ان کے داہنے۔" اور فرماتا ہے کہ "عنقریب تمہارا رب تمہیں حمد والے مقام میں بھیجے گا۔" اور فرماتا ہے "اللہ یہی چاہتا ہے اے نبیؐ کے گھر والو کہ تم سے ناپاکی دور رکھے اور تمہیں خوب پاک کر دے۔" اور فرماتا ہے "بے شک ہم نے تمہارے لیئے روشن فتح کر دی تاکہ اللہ تمہارے سبب بخش دے تمہارے اگلوں پچھلوں کے گناہ اور اپنی نعمت تم پر تمام کر دے اور تمہیں اپنی طرف سیدھی راہ دکھائے اور اللہ تمہاری مدد کرے عزت والی مدد۔" یہاں تک فرمایا کہ "تاکہ داخل کرے اللہ ایمان والے مرد اور ایمان والی عورتوں کو باغوں میں جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں کہ ہمیشہ ان میں رہیں گے اور ان کے گناہ ان سے مٹا دے اور یہ اللہ کے یہاں بڑی مراد پانا ہے۔" اور فرماتا ہے کہ "برکت والا ہے وہ کہ اگر چاہے تو تمہارے لیئے اس سے بہتر کر دے جنّتیں جن کے نیچے نہریں رواں اور کرے گا تمہارے لیئے اونچے اونچے محل۔" لام کے پیش کے ساتھ جو ابن کثیر و عامر کی قراءت اور عاصم سے ابوبکر کی روایت ہے اور ان کے سوا اور آئتیں ھیں۔
اس باب میں وہ حدیثیں کہ معنی واحد پر متواتر آئیں۔ وہ تو ایک عمیق دریا ہیں جن کا گہراؤ نہ جانا جائے۔ اور وہ کبھی پایاب نہ ہو۔ مگر اللہ اور اس کی آئیتوں کے بعد کون سی حدیث پر ایمان لائیں گے۔ الٰہی میں تجھ سے معافی اور عافیت چاہتا ہوں اور کافروں کے کرتوتوں سے تیری پناہ مانگتا ہوں۔ ولاحول ولاقوۃ الاّ باللہ العلی العظیم۔

~~~~~~ ⁂ ~~~~~~
~~~~~~

فقہیات

علامہ حضرت شمس بریلوی

امام احمد رضاؒ کی حاشیہ نگاری

قارئین کرام! جیسا کہ آپ کے علم میں ہے کہ امام احمد رضا قدس اللہ سرہٗ کی تصانیف کی تعداد ایک ہزار سے بھی زیادہ ہے۔ بعض ان میں کافی ضخیم ہیں اور بعض کی ضخامت کم ہے۔ اسلامیات کا کوئی موضوع ایسا نہیں ہے جس پر امام احمد رضا قدس سرہٗ نے قلم نہ اٹھایا ہو اور دادِ تحقیق نہ دی ہو۔ آپ کی ان عالمانہ، فقیہانہ اور مجددانہ تحقیقات کے دائرے میں آپ کے گرانقدر حواشی بھی آتے ہیں جن کی تعداد ڈھائی سو کے قریب ہے۔ یہ حواشی بحمداللہ دستبردِ زمانہ سے محفوظ ہیں اور ان کے قلمی نسخے سید محمد ریاست علی قادری رضوی کی تحویل میں آج بھی موجود ہیں۔ وہ کئی سال سے اس امر میں کوشاں ہیں کہ علمائے اہلِ سنت سے کوئی دیدہ ور اٹھے کہ وہ ان حواشی کے تراجم و تعارف سے دنیائے علم و فضل کو آگاہ کر سکیں۔

" اے بسا آرزو کہ خاک شدہ "

اب تک ان کو اس سلسلہ میں کامیابی حاصل نہ ہوئی۔ گذشتہ معارفِ رضا نامی کتاب میں جو ادارہ معارفِ رضا کراچی نے شائع کی تھی، راقم الحروف شمس بریلوی نے امام احمد رضاؒ کے چند حواشی کا تعارف اربابِ فضل و کمال سے کرایا تھا اور وعدہ کیا تھا کہ آئندہ بھی حواشی پر قلم اٹھاؤں گا۔ میں نے ان حواشی کا تعارف جس کاوش و کاہش سے پیش کیا ہے اس کو کچھ اربابِ فضل و کمال ہی جانتے ہیں۔ میں نے ہر ایک کتاب محشّی کے مصنف کے تعارف کے بعد امام احمد رضا قدس اللہ سرہٗ کے حاشیہ کو اس طرح پیش کیا تھا کہ حضرت امام احمد رضاؒ نے جہاں جہاں محشّی کو تنبیہہ اور آگاہ کیا یا تعقب کیا ہے ان مقامات کو حاشیہ سے انتخاب کر کے پیش کیا اور توضیح و تصریح کے مقامات کی نشاندہی کی، ممکن ہے قارئین معارفِ رضا کو بادی النظر میں یہ کام بہت معمولی نظر آیا ہو۔ یہ ان حضرات کا اپنا مطمعِ نظر ہے لیکن میں نے اس نگارش

میں کئی ماہ کی مدت صرف کر دی۔ تب کہیں یہ کام سرانجام ہو سکا۔ الحمد للہ۔

میرے محترم سید محمد ریاست علی قادری صاحب امام احمد رضا قدس سرہٗ کے چند حواشی کا مجموعہ پیش کر رہے ہیں۔ جب باوجود کوشش اور سخت تگ و دو کے کوئی صاحبِ فضل و کمال دنیائے رضویت سے ان چند حواشی کے ترجمہ کے لیئے آمادہ نہیں ہوا تو انہوں نے محض اس خیال سے کہ آئندہ شاید کوئی صاحبِ فضل و کمال اس طرف توجہ مبذول فرمائے۔ چند حواشی (بطورِ نمونہ) کا مجموعہ ایک کتابی شکل میں پیش کر دیا ہے۔ دوسرے یہ امر بھی ان کے ملحوظِ خاطر تھا کہ یہ حواشی بریلی شریف سے محض مستعار حاصل کیئے گئے تھے اور اُن کی واپسی کا سخت تقاضا ہے لہٰذا اس انمول دولت سے جو کچھ بھی فائدہ اٹھایا جا سکتا ہے وہ اٹھالیا جائے۔

محترمی سید محمد ریاست علی صاحب قادری نے مجھ سے فرمائش کی کہ میں ہر کتاب محشّٰی کے مصنف کا تعارف اسقدر اختصار کے ساتھ پیش کروں کہ وہ ایک صفحہ سے زیادہ نہ ہو تاکہ قاری حاشیہ محشّٰی کتاب کے مصنف اور اس کے زمانے سے قدرے واقف ہو جائے صاحب موصوف کے پاسِ خاطر سے مندرجہ ذیل کتب کا بہت ہی مختصر تعارف پیشِ خدمت کر رہا ہوں۔

۱۔ فتاویٰ بزازیہ

۲۔ حلیہ شرح منیۃ المصلی

۳۔ دُرر الحکام شرح غرر الاحکام

۴۔ بحر الرائق و منحۃ الخالق علی البحر

۵۔ شرح معانی الآثار

۶۔ عمدۃ القاری شرح بخاری

۷۔ کنز العمال

۸۔ اصابہ فی معرفۃ الصحابہ

۹۔ بدائع الصنائع فی ترتیب الشرائع

۱۰۔ موضوعاتِ کبیر ملا علی قاریؒ

۱۱۔ حواشی الفتاوی الزینبیہ
۱۲۔ حاشیہ فتح الباری شرح صحیح البخاری
۱۳۔ حاشیہ تبیین الحقائق للزیلعی
۱۴۔ حاشیہ مدخل۔

اس مرتبہ میں نے ہر ایک حاشیہ کے تعارف کے ساتھ سابقہ التزام (توضیح و تصریح تنبیہ و تعقب) نہیں کیا ہے بلکہ جیسا کہ عرض کر چکا ہوں صرف کتاب محشی کے مصنف کا بہت ہی اختصار کے ساتھ تعارف کرایا ہے۔ افسوس کہ اتنا طویل عرصہ گزر جانے کے بعد بھی آج تک کسی کو ہوش نہ آیا کہ وہ امام احمد رضا قدس سرہٗ کے ان حواشی کو جو حضرت کے تبحرِ علمی کا ایک انمٹ نشان اور دنیائے رضویت کے لیئے طرۂ امتیاز اور خواجہ تاشانِ رضویت کے لیئے سرمایۂ نازش و افتخار ہیں، تراجم کے ساتھ شائع کر کے اپنی عقیدت و عقیدت کا ثبوت دیتے۔

امام احمد رضا قدس سرہٗ کی حاشیہ نگاری کی خصوصیات پیش کرنے سے قبل یہ چند حقائق آپ کے سامنے پیش کرنے پر عقیدت نے مجبور کیا اور زبانِ قلم پر آگئے۔ اس کے لیئے آپ سے معذرت خواہ ہوں۔ ان سے معذرت کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا جن کے احساسات مُردہ ہو چکے ہیں اور تن آسانی جن کا شعار بن چکا ہے۔

آیئے اب قرن سیزدہم کے آفتابِ علم و فضل کی چند کرنوں سے اکتسابِ نور کے لیئے آپ کو کمالِ علمی کے اس میدان میں لے چلوں جہاں جہاں حاشیہ نگاری و تعلیقات نگاری کے بلند منارے ایستادہ ہیں اور جن کی بلندی کا اندازہ کرنے کے لیئے علم و فضل کی دستار کو تفحص و تعمق کے پاکیزہ ہاتھوں سے سنبھالنا پڑتا ہے۔ میں یہاں حاشیہ نگاری کی تاریخ پیش نہیں کروں گا بلکہ آپ کو حاشیہ نگاری، تعلیقات نگاری اور شرح نگاری کا فرق بتاؤں گا اور امام احمد رضا رحمۃ اللہ علیہ کی حاشیہ نگاری کی خصوصیات سے آگاہ کروں گا کہ اس مقدمہ کی نگارش کا منشا یہی ہے۔

حاشیہ، تعلیقات اور شرح

شرح :- کسی کتاب کی شرح خواہ وہ کسی متن سے متعلق ہو توضیح و مطالب و تشریح کیلئے اصل متن سے زیادہ ضخامت اور حجم کی خواہاں ہوتی ہے کہ شرح نگاری سے شارح کا یہی مقصود ہوتا ہے کہ ان مباحث و مطالب کو جو صاحب متن (یا ماتن) نے پیش کئے ہیں واضح سے واضح تر صورت میں پیش کرے اور جن نکات کو ماتن نے پیش نہیں کیا ہے اور جن مضمرات کی وضاحت نہیں کی ہے ان کی وضاحت پیش کرے۔ اگر متن میں اغلاط ہیں تو شارح ان کی وضاحت کرے۔ حدیث شریف کے اکثر مجموعوں کی شروح لکھی گئی ہیں اور اپنی وضاحت و تعبیرات و مسائل فقہیہ و شرعیہ کے مستدل ہونے کے باعث ہر ایک شرح اس کے متن سے زیادہ ضخیم ہے۔ حدیث کے متعدد طرق جو شارح کی نگاہ میں ہوتے ہیں وہ ان کو پیش کرتا ہے، حدیث کے راویوں پر بحث کرتا ہے، حدیث کے حسن و غریب یا دیگر اقسام پر بحث کی جاتی ہے۔ اگر صاحب متن سے اس سلسلہ میں اختلاف ہوتا ہے تو اس کو استدلال و براہان کے ساتھ بیان کرتا ہے جن فقہی مسائل کا اس حدیث سے استخراج ہو سکتا ہے انکو مستنبط کرتا ہے۔ اگر کسی مذہب کی وہ حدیث مویّد ہوتی ہے یا اگر کسی مسلک پر اس سے جرح ہو سکتی ہے تو اس کی تعدیل یا جرح کرتا ہے۔ رواۃ حدیث کا بھی شارح تعارف کراتا ہے۔ حدیث کی شانِ ورود شارح بیان کرتا ہے۔ اگر دوسرے شارحین بھی اس کے موجود ہیں تو ان کے اقوال بھی پیش کرتا ہے۔ لغاتِ حدیث اور ان کے معانی سے بحث کی جاتی ہے۔ معانی اور بیان کے مسائل پیش کئے جاتے ہیں۔ صرفی اور نحوی نکات زیر بحث آتے ہیں۔ یہاں اتنا موقع نہیں کہ میں شرح کے سلسلہ میں کچھ کھل کر لکھ سکوں۔ میں صرف ایک مثال پیش کروں گا۔ حدیثِ مشہور ہ :-

"انّما الاعمال بالنّیات"

ایک ایسی حدیث ہے کہ صحاح ستہ میں سے کئی ایک صحیح ایسی ہیں جن کا آغاز اسی حدیثِ

مبارکہ سے ہوتا ہے۔ ائمہ مذاہب اربعہ نے اپنے اپنے مسلک و مذہب کی تائید کے لیئے اس حدیثِ مبارکہ کی تشریح و توضیح کی ہے اور اس پر کھل کر بحث کی گئی ہے کہ باء کا متعلق مقدر کیا ہے۔ حضرات شوافع "تصح بالنیات" کو مقدر مانتے ہیں اور صحتِ شرعی اس سے مراد لیتے ہیں۔ محققین، فقہاء احناف ثواب الاعمال بالنیات کو مقدر مانتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اعمال کے ثواب کا مدار باعتبار نیت ہے۔ یہ تحقیق علامہ شمس الدین سروجی صاحب العنایہ کی ہے جو شارح ہدایہ ہیں۔ اور دوسرے مسالک کے ائمہ نے اپنے اپنے مسلک کی تائید کے لیئے دلائل و براہین پیش کیئے ہیں۔ اور بات "نیتِ وضو" تک جا پہنچی۔ حضرات شوافع نے کہا ہے کہ ایسے وضو سے جس کی نیت نہ کی گئی ہو نماز نہیں ہوگی۔ اور احناف کہتے ہیں کہ وضو کے مفتاح الصلوٰۃ ہونے میں نیت شرط نہیں۔ یعنی ہم احناف استدلال میں پانی کے مطہر طبعی ہونے کو پیش کرتے ہیں۔ البتہ تیمم کے لیئے نیت شرط ہے۔ اس سلسلے میں شارحین نے اپنے اپنے تبحّرِ علمی سے عجیب و غریب نکات پیش کیئے ہیں۔ صرف اسی ایک حدیث مبارکہ کے تحت اسقدر مباحث آگئے ہیں کہ بعض شروح کے ۲۵ - ۵۰ بڑے سائز کے صفحات کو وہ مسائل محیط ہیں۔

ایسا ہی حال کتب فقہ کی شروح کا ہے۔ فقہ حنفیہ کی مشہور کتاب "تنویر الابصار" ہے (جو ہدایہ کی شرح ہے) اسی تنویر الابصار کی شرح "در المختار" ہے اور اس کی شرح "رد المحتار" ہے۔ میں یہاں تنویر الابصار سے ایک مثال پیش کرتا ہوں جس میں تنویر الابصار کے متن کو خطِ کشیدہ کروں گا اور اس کی شرح در المختار کو غیر خطِ کشیدہ رکھوں گا پھر اس کا ترجمہ پیش کروں گا تاکہ آپ کو یہ اندازہ ہو سکے کہ شرح نگاری کے لیئے کس تبحّر اور دقتِ نظر کی ضرورت ہے اور کتنا مشکل کام ہے اور ایک شارح کو کن دشوار مرحلوں سے گزرنا پڑتا ہے۔

تنویر الابصار جلد اوّل

(در المختار یعنی شرح تنویر الابصار) فرضت فی الاسراء لیلۃ السبت سابع عشر رمضان قبل الھجرۃ لسنۃ ونصف وکانت قبلہ صلوتین قبل طلوع وقبل غروبھا (شمنی)

ترجمہ:۔ نمازِ معراج شریف میں شب شنبہ رمضان شریف کی سترھویں تاریخ کو ہجرت سے ڈیڑھ سال قبل فرض ہوئی اور معراج شریف سے قبل صرف دو نمازیں تھیں۔ ایک طلوعِ آفتاب سے قبل اور دوسری غروبِ آفتاب سے پہلے۔ شمنی نے ایسا ہی لکھا ہے۔

اب ردالمحتار میں اس کی شرح ملاحظہ فرمائیے۔ میں یہاں متن طویل نقل نہیں کروں گا صرف ترجمہ پیش کر رہا ہوں۔

ردالمحتار یعنی شرح درمختار:۔ اور شارح (تنویر الابصار) یا صاحب درالمختار نے رمضان شریف میں وقوعِ معراج کا ذکر کیا ہے وہ ایک قول ہے۔ اس سلسلہ میں دوسرا قول یہ ہے کہ معراج ماہِ رجب میں ہوئی اور لوگوں میں بھی یہ قول مشہور ہے۔ امام نوویؒ نے "سیر الروضہ" میں اسی قول کو اختیار کیا ہے۔ اسی طرح اس حدیث شریف کی شرح جو بدءِ وحی کے سلسلہ میں ہے اور علامہ بخاری نے جس کو بابِ کیف کان بدء الوحی الی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں روایت کیا ہے آپ شروح بخاری مطالعہ فرمائیے اور ان ابحاث کو ملاحظہ کیجئے کہ شارحین کرام نے اپنی ذکاوت فہم اور فراستِ علمی سے کیا کیا نکات پیدا کیئے ہیں اور کتنے دینی مسائل کو پیش کر کے امتِ مسلمہ کو مرہونِ منت بنایا ہے۔ ملاحظہ کیجئے۔ بخاری کی شرح فتح الباری اور علامہ حجر عسقلانی ۸۵۲ھ شرح بخاری از علامہ عینی عالمانہ تحقیق و تدقیق، استنباط و استخراج مسائل فقہیہ اور مسائل علمیہ پڑھ کر آپ حیران رہ جائیں گے۔ شارحین حضرات کا مقام علمی اور تبحرؔ اس وقت آپ پر ظاہر ہوگا۔ مسائل عقلی و نقلی کے دریا بہائے ہیں اور ان شارحین حضرات کی فکر رسا نے ان مناروں پر کمند ڈالی ہے جہاں تک فکرِ انسانی پہنچ سکتی ہے صرف بخاری ہی پر حصر نہیں ہے بلکہ آپ صحاح ستہ کی شروح کو دیکھئے کہ یہ شرح متونِ صحاح سے کس قدر ضخیم ہیں۔ اسی طرح حدیثِ مبارکہ کے اور مجموعے موسوم بہ صحاح و جوامع مسانید اور معاجم ہیں جن سے ہمارے کتب خانے الحمدللہ معمور ہیں۔ تصریح بالا کا مقصد یہ تھا کہ شارح جب کسی کتاب کی شرح کرتا ہے تو اس کے ہر پہلو پر نظر ڈالتا ہے اور متن کی ہر ہر سطر کی اس طرح وضاحت کرتا ہے کہ جو نکات متن میں مضمر تھے وہ سب کے سب عیاں ہو جائیں۔ شارح کے لیئے بھی اتنے ہی مبلغ علم، ذکاوت اور دقتِ نظر کی ضرورت ہے جو صاحبِ متن

کو حاصل تھا۔ آپ نے ملاحظہ کیا کہ شارح نے شرح میں "شارح تنویر الابصار" کے قول کا تعاقب کیا ہے۔ صاحب درمختار کے کمالِ علمی کے پیشِ نظر ان کے قول کی تغلیط تو نہیں کی لیکن اقتباساً کے ساتھ "ایک قول یہ ہے" کہہ کر ان کے قول کی تردید کر دی۔

یہ تو تھی شرح نگاری کی مختصر کیفیت اور ایک شارح کے مختصر اوصافِ علمی اور اس کا تبحّر ایک مشہور شرح اور اس شرح کی شرح اور اس کے حواشی کو آپ کے سامنے پیش کر دیا ہے تاکہ آپ کو اندازہ ہو جائے کہ ایک شارح کو کن مراحل سے گزرنا پڑتا ہے اور کسی متن کی تشریح و توضیح و تصریح میں اس کی نظر کہاں تک تلاش و تجسّس میں پہنچتی ہے اور کن کن زاویوں سے جائزہ لیتی ہے۔ آیئے اب شرح کے بعد تعلیقات کے بارے میں کچھ عرض کروں پھر حاشیہ نگاری کے فن کا جائزہ پیش کروں گا۔ اس مرحلہ سے گزرنے کے بعد امام احمد رضا قدس سرہٗ کے حواشی کا آپ سے تعارف کراؤں گا کہ ان تصریحات کے بعد ہی آپ یہ اندازہ کر سکیں گے کہ حاشیہ نگاری کتنا اہم اور مشکل مرحلہ ہے۔

تعلیقات نگاری: تعلیقات یا تعلیقات نگاری سے مراد کسی متن کی ایسی مراجعتیں ہیں جو تفصیل و تصریح کے سلسلہ میں شرح کی تو محتاج نہیں کہ اس صورت میں اس متن کے لئے شرح کی ضرورت ہوتی اور تعلیقات سے مقصد پورا نہیں ہو سکتا تھا۔ تعلیقات نگاری میں متن کے کسی نکتہ کے سلسلہ میں کوئی ایسی وضاحت مقصود ہوتی ہے جو صاحبِ متن نے ترک کر دی تھی۔ یا کسی اس مسئلہ کے سلسلہ میں جو صاحبِ متن نے بیان کیا ہے مزید دلائل و براہین پیش کرنے مقصود ہوتے ہیں یا متن سے کسی مسئلہ کا استخراج کیا جاتا ہے تو ایسی صورت میں تعلیقات نگار ذیل متن میں یا متن کے حاشیہ پر اس کو بیان کر دیتا ہے یا کسی اختلافی دلیل کو ماتن کے مقابلہ میں پیش کرتا ہے اور ماتن کا تعقّب کرتا ہے یا تعارض ——— تعلیقات عموماً متن کے ذیل میں نگارش کی جاتی ہے البتہ حاشیہ پر اس وقت تعلیقات کو ترقیم کرتے ہیں جبکہ متن پر حواشی کی نگارش مقصود و مطلوب نہیں ہوتی۔ شرح اور تعلیقہ کا خاص فرق یہ ہے کہ شرح میں متن کی کسی سطر کو بھی نظر انداز نہیں کیا جاتا۔ تمام و کمال متن کی تصریح و توضیح کی جاتی ہے اور تعلیقات میں یہ ضروری

نہیں۔ تعلیقات نگار متن کے جس جزو کی چاہتا ہے تعلیقات کے ذریعہ وضاحت کرتا ہے۔ اس پر یہ پابندی نہیں کہ شرح کی طرح تمام متن کی وضاحت کرے۔ تعلیقات نگار متن کے جس قدر حصہ پر چاہتا ہے تعلیقات لکھتا ہے۔ اور پھر متن کے اسقدر حصہ کو تحریر کرنے کے بعد خط کھینچ دیتا ہے اور اس کے نیچے "تعلیقات" لکھتا ہے۔ تعلیقات نگاری میں بھی شرح کی مانند اسی دیدہ وری تبحرّ علمی، ژرف نگہی، قوتِ استدلال اور موضوع متعلقہ پر کامل عبور درکار ہوتا ہے۔

تعلیقات نگاری، شرح نگاری یا حاشیہ نگاری کی طرح عام نہیں ہے۔ حواشی اور شروح فقہ واصولِ فقہ، حدیث وعلم کلام، علم منطق اور علم حکمت پر جس قدر لکھے گئے ہیں ان کا شمار د بیان مشکل ہے۔ حواشی سے زیادہ شروح لکھی گئی ہیں۔ تعلیقات ان دونوں سے بہت کم ہیں۔

محقق دوراں، فقیہہ زماں محمد بن احمد بن محمود نسفی (متوفی سنہ ۱۴۲ھ) تعلیقات نگاری میں اولیّت کا شرف رکھتے ہیں۔ آپ نے علم خلاف پر تعلیقات تحریر کی ہیں۔ علاّمہ محمد بن احمد بن محمد بن احمد محمود نسفی فقیہہ، محدّث ومتکلم جو حنفی المذہب اور اشعری الاعتقاد تھے اور موصل میں مدّتوں منصبِ قضا پر آپ فائز رہے۔ فقہ کی بعض کتب پر آپ کی تعلیقات مشہور ہیں۔

علامہ ابن صائغ یعنی محمد بن عبد الرحمٰن بن علی المعروف بہ شمس الدین ابن صائغ کی تعلیقات "التعلیق فی مسائل الدقیق" کے نام سے مشہور رہیں۔ میں اس سلسلہ میں مزید تعلیقات نگار حضرات کا تذکرہ نہیں کروں گا کہ مضمون طویل سے طویل تر ہوتا جا رہا ہے۔ کسی اور موقع پر حواشی نگار حضرات کو جس طرح قرن وار پیش کیا ہے اسی طرح شروح و تعلیقات نگار حضرات کا قرن وار ذکر کروں گا۔ (انشاء اللہ)

میں قرن وار تعلیقات کی صراحت سے یہاں اس لیئے مجبور ہوں کہ مضمون طویل ہوتا جا رہا ہے اور ایک مجلّہ اس بارِ گراں یا طوالت کا متحمل نہ ہو سکے گا۔ ورنہ میں آپ کو بتاتا کہ ہمارے اسلاف کرام (علمائے متقدمین) نے ہر دور میں تعلیقات نگاری پر بھی قلم اٹھایا ہے اور تعلیقات کا بھی ایک گراں قدر سرمایہ ہماری سہولتِ فہم اور رسائی فکر کے لیئے چھوڑا ہے لیکن حواشی اور شروح سے کم۔

حاشیہ یا حاشیہ نگاری کیا ہے؟

حاشیہ اگرچہ شرح کی طرح لازمہ ہر سطر نہیں ہوتا لیکن شرح سے زیادہ دقتِ نظر کا طالب و خواہاں ہے۔ محشی اپنے نقطۂ نظر سے جس جملہ، جس کلمہ یا جس لفظ کو تصریح و توضیح کے لیئے ضروری خیال کرتا ہے اس کو حاشیہ کے لیئے منتخب کرتا ہے۔ کہیں معنی کی وضاحت مقصود ہوتی ہے کہیں تعریح اور توضیح کے بجائے وہ ماتن سے اختلاف کرتا ہے اور اس اختلاف کو وہ ماتن کے معاصرین، دوسرے مصنفین، ماتن کے پیشروں کے بیان کے حوالوں سے مستدل و مبرہن کرتا ہے۔ کبھی خود ہی اختلاف پر دلیل پیش کرتا ہے۔ ان مراحل سے گزرنے کے لیئے ضروری ہے کہ محشی کی نگاہ ان تمام کتابوں تک پہنچتی ہو جن کو وہ اس تعقّب میں بطورِ استدلال پیش کرسکتا ہو۔ کتب حدیث اور کتب فقہی پر حاشیہ نگاری اس اعتبار سے ایک بڑا مشکل مرحلہ ہے کہ ہر دو موضوعات پر ہزاروں کتابیں تصنیف و تالیف کی گئی ہیں اصل متون کی صدہا شرحیں اور پھر ان شرحوں پر بے شمار اصحاب علم و فکر کے اقوال بطورِ تائید یا تعریض موجود ہیں۔ محشّی کے مطالعہ سے جب تک یہ کتابیں نہ گزری ہوں نہ وہ حوالہ دے سکتا ہے نہ اپنے قول یا اپنے اعتراض کی تائید میں کسی حوالے کو پیش کرسکتا ہے نہ کسی کے قول کو دلیل بنا سکتا ہے۔ غرضیکہ محشّی کے لیئے وسعتِ مطالعہ، قوتِ استخراج و استدلال، جودتِ فکر و ذہن، تبحرّ علمی اور کمالِ فن ایسے لوازم ضروری ہیں کہ ان کے بغیر وہ حاشیہ نگاری کے مشکل راستہ پر قدم نہیں اٹھا سکتا اور ان لوازم کے ساتھ قوتِ تحفظ و تذکر بھی بہت ضروری ہے پھر بیان پر اس کو اس قدر قدرت حاصل ہو کہ وہ اپنے اعتراض کو اپنے تعقّب کو جو اس نے دوسرے پر کیا ہے، مختصر سے مختصر الفاظ میں پیش کرسکے کہ حاشیہ، تعلیقات یا شرح تو نہیں ہے کہ تفصیل کا متحمل ہوسکے۔ اگرچہ متقدمین فضلاء و علماء نے بعض ایسے حواشی بھی تحریر کیئے ہیں جو اصل متن سے بڑھ گئے ہیں لیکن اس میں تشریحی رنگ پایا جاتا ہے۔ حاشیہ نگاری میں حاشیہ نگار کی نظر اس قدر وسیع ہوتی ہے کہ اکثر مقامات پر وہ ماتن کو راہِ صواب

دکھاتا ہے اور اس کی غلطی سے آگاہ کرتا ہے۔ اس منزل پر محشی کا تبحر علمی ماتن سے مراحل آگے بڑھ جاتا ہے۔ اسلاف پرستی یا شہرتِ بزرگی یا طنطنۂ عظمت و سربلندی کو وہ اپنی راہ میں حائل نہیں ہونے دیتا۔

فقہ میں اس حاشیہ نگاری نے ہماری بڑی رہنمائی کی ہے۔ ہم امورِ دینوی میں جب ایسے مقام پر راہنمائی کی ضرورت محسوس کرتے ہیں جہاں ہمارے اسلاف کرام نے ہمارے لیئے راستہ متعین نہ کیا ہو تو مستند اور متبحر علمائے کرام کے یہ حواشی ہماری راہنمائی فرماتے ہیں اور شاید ہمارے بزرگوں اور علمائے سلف نے حاشیہ نگاری کو اسی غرض سے اپنایا تھا کہ مسائلِ یومیہ اور معاملاتِ روزمرّہ میں جہاں کہیں ہم کو کسی عقدہ لاینحل سے دوچار ہونا پڑے تو یہ حواشی ہماری عقدہ کشائی کریں۔ میں اگر علمائے سلف کی کتابوں پر حواشی سے اپنے اس بیان اور اپنی اس تصریح کی تائید پیش کروں تو بہت سے صفحات پُر ہو جائیں گے۔ اس لیئے میں امثال سے گریز کرتے ہوئے یہ بات ضرور کہنا چاہوں گا کہ حضرت امام احمد رضا رحمۃ اللہ تعالےٰ علیہ کے حواشی کا کیا مقام ہے اور آپ کے حواشی کا کیا مرتبہ ہے اور میں نے حواشی رضا قدس سرہٗ کا یہ جائزہ کیوں پیش کیا ہے؟ حواشی امام احمد رضا قدس سرہٗ کے تحقیقی جائزہ سے بجز اس کے اور کچھ مقصود نہیں کہ قارئین اور اربابِ علم و فضل کو یہ معلوم ہو جائے کہ حضرت والا مرتبت کا پائگاہ علم کیا ہے ان کے تبحر علمی کی وسعتوں اور پنہائیوں کا کیا عالم تھا؟ ان کے فکر کی گیرائی کس منزل پہ تھی ان کی فکرِ رسا کن کناروں پر کمند ڈالتی تھی۔

امام احمد رضا رحمۃ اللہ تعالےٰ علیہ ایک مقلّد تھے۔ آپ کا مسلک حنفی تھا لیکن آپ ایسے مقلد تھے جس کی تقلید کے دامن میں اجتہاد کی وسعتیں اپنی تمام تر گیرائیوں اور گہرائیوں کے ساتھ سمٹ کر آگئی تھیں۔ وہ مجدّد تھے لیکن ایسے مجدّد کہ آپ کے تجدّد نے علم و فکر کے ان گوشوں تک صاحبانِ طلب کو پہنچایا جو رہنمائی کی نایابی کے باعث مجبور ہو کر بیٹھ گئے تھے۔ اسلاف پرستی اور شخصی عظمتوں کے اعتبارات علم و فضل نے تحقیق و تجسس، تفحص و تفکر کے راستوں پر اعتماد و یقین کے ایسے دبیز پردے ڈال دیئے تھے کہ نئے راستے ہی نہیں بلکہ قدیم راستے بھی چھپ گئے تھے اور مدتوں سے قدم ناآشنا بن چکے تھے۔

حضرت رضا قدس سرہٗ بھی عظیم المرتبت اسلاف و بزرگانِ دین و ملّت کے خوشہ چیں، ان کے فضل و کمال کے معترف، ان کی عظمتوں کے مقر، ان کی رفعتوں کے حاکی، ان کے علو و اعزاز کے قائل، ان کے علمی تبحر کو اجاگر کرنے والے، ان کے فضل و کمال کی شہادت دینے والے اور ان کے کمالات کو سراہنے والے تھے۔ کیا زبان سے اور کیا اپنے بیان سے لیکن ان کی بصیرت اس راہ میں ان کی راہنمائی کو موجود رہتی تھی۔ اسلاف کے نقشِ قدم پر چلنے سے پہلے اس کی صحیح سمت کا اندازہ لگاتے تب قدم تقلید میں اٹھاتے۔

آپ حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ تعالےٰ عنہٗ کے متشدد متبعؔ اور سچے مقلّد تھے لیکن اس کے یہ معنی آپ کی نظر میں نہ تھے کہ امام اعظم رضی اللہ تعالےٰ عنہٗ کے اخلاف اور فقہائے متبعین و مقلدین کے سامنے بھی اسی طرح سر جھکا دیا جائے جس طرح حضرت امام اعظم کی اصابت رائے اور اجتہادِ فکر اور قیاس اور استحسان کے سامنے کہ آپ اس کو زر کامل عیّار سمجھتے تھے۔

حضرت امام اعظمؓ اور صاحبین کے بعد جب اجتہاد کے دروازے بند ہوئے اور تقلید کا دور شروع ہوا اور اس دورِ تقلید میں فقہائے حنفیہ نے اپنی تصنیفات سے احناف کے خزانوں کو معمور کر دیا اور ایسا معمور کر دیا کہ اس میں زیادت و اضافہ کی بمشکل گنجائش چھوڑی اور ان کی عظمت و شہرت کے طنطنے سے گوشہ ہائے فکر و عمل گونجنے لگے تو اس وقت ایک طرف تو تقلید کا سررشتہ دراز سے دراز تر ہوتا چلا جا رہا تھا اور دوسری طرف جدل و خلاف کے طفلانِ شرزور پیدا ہوئے اور رفتہ رفتہ نشو و نما پا کر منہ زور نوجوان بن گئے۔ اللہ تعالےٰ کا فضل و کرم شاملِ حال تھا کہ جدل و خلاف کی یہ زد معقولات سے زیادہ معقولات پر پڑی۔ ایک فرد کی تفحص و تلاش پر دوسرے فرد نے اعتراض کیا۔ اس اعتراض کو کسی تیسرے نے رد کیا اور اس تیسرے نے اپنے مستنبط اور مستخرج مسئلہ کو شد و مد کے ساتھ پیش کر کے معترض کے لئے فرار کا راستہ بند کر دیا۔

اس اختلاف کا مبنیٰ خدانکردہ اغراض نفسانی نہیں تھے بلکہ قرآن حکیم کے بعد حدیثِ نبویؐ کا ایک بحرِ ناپید اکنار ٹھاٹھیں مار رہا تھا۔ صاحبانِ فکر و نظر نے اس میں غواصی کی۔ کسی کے ہاتھ موتی لگے۔ کوئی خالی ہاتھ جب ابھر کر آیا تو اس نے محض صدف ہی کو غنیمت سمجھا۔ چنانچہ حدیث

نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے دریائے شیریں سے چار نہریں جاری ہوگئیں۔ یہ نہریں نکالنے والے حضرات امتِ مسلمہ کے عظیم ترین رجال تھے۔ تدوینِ حدیث کا کام تیزی سے جاری وساری تھا۔ جوامع، مسانید، موطات اور معاجم مرتب ہو رہی تھیں جو احکام فقہی کا ماخذ ومبنیٰ بنتی جارہی تھیں احادیث میں صحیح، حسن، ضعیف، شاذ ومعلل غرضیکہ ہر نوع کی احادیث موجود تھیں۔ مسائل کے استخراج واستنباط میں یہی ماخذ ومبنیٰ تھیں۔ نتیجہ ظاہر ہے کہ اختلافِ آراء پیدا ہوا اور یہی ان اختلافات کا مستدلل ٹھہریں۔ غرضیکہ دوسری صدی ہجری سے تیرھویں صدی ہجری تک ان مسائل مختلفہ کے ضبط وجمع کا سلسلہ جاری ہوا اور ہزاروں تصانیف ان کی شروح، بے شمار حواشی اور تعلیقات فکر وقلم نے اپنی یادگاریں چھوڑیں۔ یہ حواشی، تعلیقات شروح فکر وفہم کے ایسے آئینے ہیں جن میں آپ کو اسلاف کرام کے پاکیزہ چہرے نظر آئیں گے۔ چودھویں صدی ہماری ژرف نگہی و دقتِ نظر کے انحطاط کا دور ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس صدی میں آپ کو تفسیر وحدیث، فقہ اور اصول پر تصانیف وشروح اور حواشی بہت کم نظر آئیں گے۔ درسِ نظامی میں جو کتب شامل تھیں ان کا درس اب بھی دیا جاتا ہے لیکن وہ شعور وفکر وفہم اور جوہر دقتِ نظر مفقود ہے جو ہمارے اسلاف کا گرانقدر سرمایہ تھا۔ علم وفکر کا وہ دورِ ارتقاء ختم ہوگیا۔ ہدایہ قدوری، بزودی کے متعدد حاشیے اور شروح لکھی گئیں۔ تنویرالابصار کی شرح درمختار اور درمختار کی شرح ردالمحتار لکھی گئیں۔ علامہ محب اللہ الہ آبادی کی مسلم پر شروح اور حاشیہ کا گرانقدر سرمایہ مرتب ہوگیا۔ حقیقت یہ ہے کہ اسلاف والاتربت جو علم وفن کی بلندیوں پر کمندیں ڈالتے تھے۔ ان سے معارضہ اور تعاقب کوئی آسان بات تو نہ تھی۔ ان کے اقوال کو پرکھنے کے لیئے ان کے اقوال میں تعقّب کے لیئے قولِ مرجح کو پیش کرنے کے لیئے ویسا ہی فضل وکمال درکار تھا۔ جیسا کہ علمائے متقدمین کو حاصل تھا۔

میں اگر مثالیں پیش کروں تو اک سفینہ درکار ہوگا۔ صرف یہ عرض کرنا مقصود تھا کہ کسی کتاب پر حاشیہ لکھنا یا تعلیقات پیش کرنا یا کسی کتاب کی شرح لکھنا خواہ اس کا موضوع کچھ ہو وہ حدیث کی کتاب ہو یا فقہ کی، اصولِ حدیث کی ہو یا اصولِ فقہ کی، وہ تفسیر ہو یا کسی کتاب کی شرح، اس پر حاشیہ نگاری اسی وقت ممکن ہے کہ محشی کم ازکم اتنا ہی صاحب

بصیرت ہو اور اس کی نگاہ اتنی ہی تیز رو اور دور رس ہو جو صاحبِ تصنیف کا وصف رہا ہے
اور اگر حاشیہ میں صاحبِ متن کا حاشیہ نگار نے تعقب کیا ہے یا تخطیہ یا اس کی سہو و نسیاں کی
نشاندہی کی ہے تو انصاف شرط ہے۔ آپ ہی بتائیں کہ محشی کے علم کی حدود کیا ہونی چاہئیں؟
صاحبِ متن سے کم علم رکھنے والا کیا ماتن کے سہو و نسیان کی نشاندہی کر سکے گا یا اس کی غلطی
یا سہو و نسیان سے اس کو آگاہ کر سکے گا؟ حاشیہ نگار حضرات میں ایسے ایسے صاحبان فضل و
کمال ہیں کہ عقل و آگہی ان کے سامنے سرِ عقیدت جھکاتی ہے۔ تاریخ ان کی نشاندہی پر نازاں
ہے اور علم و فضل کے طرّہ ہائے شان ان کے سروں پر نازاں ہیں۔

ان سب حضرات نے اپنے اسلاف کرام کا بھرپور احترام کیا ہے اور ان بزرگوں کی
عقیدت کیشی پر نازاں ہیں لیکن جب حاشیہ نگاری کی ہے تو علم و کمال کے تقاضوں کو پورا کیا
ہے اور ارادت و عقیدت کو ان تقاضوں کی ادائیگی کی راہ میں حائل نہیں ہونے دیا ہے۔
اسی طرح امام احمد رضا رحمۃ اللہ تعالےٰ علیہ نے جب اس راہ میں قدم رکھا تو باوجود یکہ
ان اسلاف ذوی الاحترام کے لوازم اعزاز و احترام قدم قدم پر انہوں نے پورے کیئے ہیں لیکن
جہاں بات حق گوئی و حق نگاری کی آپڑی ہے وہاں انہوں نے اس کے بیان کرنے میں
کوئی جھجک پیدا نہیں ہونے دی اور جو کچھ کہا ہے اسمیں ادب ملحوظ رکھا ہے اور اس طرح کہا
کہ اپنے اختلاف کو فاضلینِ فن کے اقوال سے اور اس فن کی کتب کے حوالوں سے مبرہن
کیا ہے۔ عقلی و نقلی دلائل سے اپنے قول کا استدلال پیش کیا۔ آپ یہ نہ سمجھیں کہ حضرت
فاضل بریلوی امام احمد رضا قدس سرہٗ نے حاشیہ نگاری میں صرف اعتراضات کو اپنا
نصب العین بنایا ہے۔ جی ایسا نہیں ہے۔ آپ حاشیہ نگاری میں کہیں قول ماتن کی تصریح
فرماتے ہیں۔ جہاں قول ماتن کو شواہد و دلائل سے مستحکم و مبرہن کرنا ضروری سمجھتے ہیں تو اس
کے مطابق دلائل پیش کرتے ہیں۔ تعقّب صرف اس جگہ فرماتے ہیں جہاں ماتن نے خطا کی ہے
اور آپ اس کی نشاندہی اکثر لفظِ "صواب" سے فرماتے ہیں تاکہ ادب کی قدروں پر
حرف نہ آئے۔

مجھے افسوس ہے کہ میں حضرت کے حواشی کا ہر جگہ اردو ترجمہ پیش نہیں کر سکوں گا کہ

اس طرح ایک ایک حاشیہ کے لیے مجھے چار چار پانچ پانچ صفحات درکار ہوں گے۔ جہاں کہیں بہت ضروری سمجھوں گا وہاں حاشیہ کے متن کے ساتھ اس کا اردو ترجمہ بھی پیش کروں گا۔
مختلف الموضوعات کتب پر ان گرانمایہ حواشی کے پیش کرنے کا مقصد یہ ہے کہ دنیائے علم و فضل کو معلوم ہو جائے کہ آفتابِ علم و فضل حضرت امام احمد رضا فاضل بریلویؒ کی ضیائیں کس درجہ عالم افروز ہیں اور آپ نے کیسے تاریک گوشوں کو روشن کیا ہے اور ذرّہ ہائے فقہ اور اصولِ فقہ کو کس طرح روشن فرمایا ہے اور آپ کے تبحّر علمی نے کیسی کیسی نکتہ آفرینیاں علومِ دینی میں فرمائی ہیں اور اکابر محدثین و فقہاء کے متون کی کس طرح تنقیح اور توضیح کی ہے اور آپ کی فکر رسا نے کن اچھوتے نکات کو منقح کیا ہے اور آپ کی نگاہِ علمی نے کیسی کیسی گرانمایہ کتب کا جائزہ لیا ہے۔ حدیث و فقہ، اصولِ حدیث، اصول فقہ، ان کی شروح اور ان کے حواشی تک آپ کی دسترس تھی۔ بارہ سو سال کی مدّت میں جو کتب علومِ اسلامیہ پر تصنیف ہوئیں خواہ وہ علومِ نقلیہ سے ہوں یا علومِ عقلیہ سے، وہ کتب تاریخ ہوں یا کتب طبقات، کتب جدل و خلاف ہوں یا کتب حکمت و منطق ہوں ہر ایک پر آپ کی نظر اس قدر گہری تھی کہ محسوس ہوتا ہے جیسے یہ کتاب آپ کے مطالعہ میں عرصہ تک رہی ہے۔
آپ اپنے حواشی میں جب ماتن کا تعقّب کرتے ہیں یا راہِ صواب دکھاتے ہیں تو حیرت ہوتی ہے اور کہنا پڑتا ہے کہ آپ کا تبحّر علمی حقیقت میں ایک بحرِ ناپیدا کنار تھا۔ خدا کرے کہ میں آپ کے علمی کمالات کے ان گوشوں کی رونمائی میں کامیاب ہو سکوں اور حقِ رضویت ادا ہو سکے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

جسٹس مفتی سید شجاعت علی قادری

الاُستاذ احمد رضا خاں بین الفُقہاء والاُصولین

جب کسی شخص کے بارے میں یہ کہا جائے کہ "وہ علم فقہ میں ماہر ہے" تو اس کے لازمی معنی یہ کہ وہ تفسیر حدیث۔ علم کلام اور تمام دینی و دنیاوی نقلی و عقلی اصولی و فروعی علوم پر کامل دسترس اور وسیع نظر رکھتا ہے۔ ایک فقیہہ طبیب کے مانند ہے جو صرف دواؤں کے نام ہی نہیں جانتا بلکہ خواص بھی جانتا ہے۔ اور حسب موقعہ استعمال سے بھی واقف ہے اس لیے اعمش نے ابو حنیفہؒ کو مخاطب کرتے ہوئے کہا تھا۔ یا معشر الفقہاء انتم الاطباء ونحن الصیادلۃ "اے فقہا تم لوگ طبیب ہو اور ہم تو محض عطار ہیں (یعنی محدثین) (الخیرات الحسان)

لہٰذا میری نگاہ میں مولانا احمد رضا خاں صاحب (رحمۃ اللہ علیہ) کی عظمت شان اُن کے ماہر فقہ ہونے سے وابستہ ہے۔ اور اس ایک جامع اور مکمل وصف نے ان کو مرجع اوصاف حمیدہ بنا دیا حقیقت یہ ہے کہ آپ واقعتاً اُن علوم وفنون سے مرصع تھے جو ایک فقیہہ کے لیے ضروری ہیں۔ آپ میں استدلال انبساط کا وہ ملکہ بدرجہ اتم موجود تھا جو ایک اصولی کے لیے ضروری ہے۔ اصول فقہ کی تعریف ہے کہ:

النظر فی الادلۃ الشرعیۃ من حیث	ادلہ شرعیہ میں اس انداز سے غور و فکر کرنا کہ اُن
تؤخذ الاحکام والتکالیف	سے احکام و تکالیف شرعیہ معلوم ہو سکیں۔

(مقدمہ ابن خلدون ص ۴۵۳)

ظاہر ہے کہ یہاں نظر سے مراد دلائل شرعیہ (قرآن۔ حدیث۔ اجماع۔ قیاس) کا دیکھنا نہیں ہے بلکہ ان ادلہ میں ایسے انداز سے ترتیب دینا کہ مطلوبہ نتیجہ حاصل ہو سکے۔ اور یہ کام نہایت دقت طلب اور اہم ہے۔ یہ کام وہی شخص انجام دے سکتا ہے جو علوم تفسیر پر حاوی ہو۔ علوم حدیث اور اس کے متعلقات کا عالم ہو۔ اجماع اور اس کے شرائط کا واقف ہو۔ قیاس کی باریکیوں اور نکتوں کا شناسا ہو۔

پھر خود علم فقہ نہایت دقت نظر کا طالب ہے کیونکہ فقہ کی تعریف ہے۔

العلم بالاحکام الشرعیۃ الفرعیۃ المکتسب من ادلتھا التفصیلیہ
ان احکام شرعیہ فرعیہ کا جاننا جو اپنی تفصیلی دلیلوں سے اخذ کیے گئے ہیں۔ (تنویر الابصار)

محققین کے نزدیک فقیہ کے لیے ضروری ہے کہ وہ مسائل کے ساتھ ساتھ ان کے مآخذ اور دلائل پر بھی پوری نظر رکھتا ہو۔ بلکہ فقیہ درحقیقت مجتہد ہوتا ہے۔ چنانچہ رد المحتار میں ہے۔

لیس الفقیہ الا المجتہد عندھم و اطلاقہ علی المقلد الحافظ للمسائل مجاز
اصولیین کے نزدیک فقیہ مجتہد ہی ہوتا ہے اور مقلد جو مسائل کا یاد کرنے والا ہو اس کو مجازاً فقیہ کہتے ہیں

اور اگر اہل حقیقت سے دریافت کیجئے تو وہ کہتے ہیں کہ فقیہ علم و عمل کے جامع کو کہتے۔ چنانچہ حسن بصری کا قول ہے۔

انما الفقیہ المعرض عن الدنیا الزاھد فی الاخرۃ البصیر بعیوب نفسہ۔
دنیا سے اعراض کرنے والے آخرت میں راغب اور اپنے عیوب سے واقف شخص کو فقیہ کہتے ہیں۔

اب جبکہ ہمارا دعویٰ ہے کہ مولانا احمد رضا خاں رحمۃ اللہ علیہ فقیہ تھے تو اس کے ثبوت میں ہمیں مندرجہ ذیل چیزیں پیش کرنی ہیں۔

(۱) ان کا علوم شرعیہ (بانواعہا) میں ماہر ہونا۔

(۲) ان کا علوم دنیویہ (جس کا شرعی علوم سے گہرا ربط ہے) میں دسترس رکھنا۔

(۳) استنباط و استدلال پر قادر ہونا۔

(۴) اجتہادی کارنامے پیش کرنا۔

(۵) دنیا سے بے رغبتی اور آخرت کی لگن نیز اپنے عیوب پر نگاہ و اصلاح۔

اگر کسی شخص میں مذکورہ صفات ثابت ہو جائیں تو بلاشبہ وہ دنیا کا کامیاب ترین انسان ہے اور یقیناً وہ کمالِ انسانیت کے اُس آخری مرتبہ پر فائز ہے۔ جو اب دنیا میں انسانوں کو مل سکتا ہے میری نظر سے مولانا موصوف کی جو بھی سوانح گزری ہیں اُن میں زیادہ تر آپ کی کرامات یا ذاتی خصائل اور بعض نجی زندگی کی جھلکیاں ہیں۔ اور مذکورہ بالا عنوانات میں سے اگر کچھ ہے تو وہ بہت کم اور وہ بھی غیر مرتب۔ مذکورہ بالا عنوات میں سے سردست میں (۳) و (۴) کو مختصراً پیش کر رہا ہوں۔

مختصراً اس لیے کہ بلا مبالغہ یہ کام اتنا اہم ہے کہ مدت دراز تک غور کرنے کے باوجود میں اس کا استقصا کرنے سے قاصر رہا ہوں۔ البتہ وقتاً فوقتاً یہ کام جاری رہنا چاہیئے۔ زیر نظر مضمون کا نام اس مضمون کی طرف اشارہ کرنا ہے۔ جو مجھے یہاں بیان کرنا ہے۔ مولانا رحمۃ اللہ علیہ کی استنباطی اور اجتہادی قوت کا مظاہرہ ٹھیک ٹھیک ہیں ہوتا ہے۔ جب وہ متقدمین و متاخرین اصولین و فقہاء کے جھرمٹ میں گھرے ہوئے ہوں پھر ادب و فرق مراتب کا دامن تھامے ہوئے مردانہ وار اختلاف رائے کرتے ہیں اور پختہ دلائل سے اپنا موقف ثابت کردیتے ہیں اور اس وقت آپ پر یہ شعر بلا شبہ صادق آتا ہے۔

اِنِّیْ وَاِنْ کُنْتُ الْاَخِیْرَ زَمَانًا	میں اگرچہ بلحاظ زمانہ متاخر ہوں مگر میں وہ کارہائے
لَاٰتٍ بِمَا لَمْ تَسْتَطِعْہُ الْاَوَائِلُ	نمایاں پیش کروں گا جن سے اگلے لوگ بھی ناصر رہے

استنباط و استدلال :

مولانا رحمۃ اللہ علیہ استنباط و استدلال میں نہایت ماہر تھے۔ وہ اتنا صحیح اور حقیقت سے قریب تر استدلال فرماتے کہ کسی کو مجال انکار نہ رہتی۔ پھر خصوصیت یہ تھی کہ سلف صالحین کے طریقے اور ان کی بتائی ہوئی راہوں سے بھی نہ ہٹتے۔ یہ بے لگام استنباط و استدلال جس میں نہ تو قرائن مقابلیہ و حالیہ کا لحاظ ہو نہ الفاظ سے ربط ہو نہ حقائق سے تعلق ہو۔ ہمارے زمانہ میں بہت عام ہے اور ہر شخص بہ کار دبار جیا کہ اسلام پہ چھری چلا رہا ہے۔ لوگوں نے جب دیکھا کہ وہ اسلام کی بلندیوں کا ساتھ نہیں سکتے تو انہوں نے اسلام کو اپنی ذہنی پستیوں کی طرف جھکانا شروع کردیا جب ''مجتہدین عصر'' کا رشتہ عالم روحانیات سے منقطع ہو گیا تو انہوں نے اسلام کی ''مادی تعبیر'' شروع کردی۔ اور اپنی دانست میں انہوں نے اس کو اسلام کی بہترین خدمت سمجھا لیکن حقیقت اس کے برعکس نکلی۔ کیونکہ وہ لوگ جن کی ''دلجوئی'' اور ''مروت'' میں مجتہدین زمانہ نے اسلام کی ''مادی تعبیر'' پیش کی وہ ویسے ہی دشمن اسلام رہے جیسے کہ تھے۔ مولانا رحمۃ اللہ علیہ نے اسلام پہ خارجی دباؤ سے بے نیاز ہو کر سوچا اور رکھا۔ اور مجھے ایسا محسوس ہوتا ہے کہ انہوں نے مخالفین اسلام کو ''مؤلفۃ القلوب'' اور ''مختوم علیہم'' دو طبقوں میں منقسم کرنے کے بجائے مؤخر الذکر پر ہی اکتفا فرمایا لہٰذا با وجود پختہ اور مستحکم استدلال کے انداز تخاطب عموماً وہی ہے جو مختوم علیہم کے ساتھ ہونا چاہیئے یہ ٹھیک ہے کہ مولفۃ القلوب کا حصہ مال غنیمت سے بعض فقہاء نے ساقط کردیا ہے۔ مگر مؤلفۃ القلوب کے وجود سے درحقیقت انکار نہیں کیا جاسکتا۔ ایسے افراد جو تدریجاً ہدایت ربانی کی طرف قدم بڑھاتے

ہموں ہر زمانہ میں رہے ہیں اور رہیں گے ان کو نظرانداز کرنا اسلام کی راہ میں بڑی رکاوٹ ہے۔ اور جس طرح یہ طبقہ مسلم وغیر مسلم میں پایا جاتا ہے اسی طرح یہ طبقہ خود مسلم فرقوں میں بھی رہتا ہے۔ اور تبلیغ کا کام درحقیقت اسی طبقہ میں مفید ہوتا ہے۔ بہرحال اصل قدر وقیمت اس استدلال کی ہے جو مولانا رحمۃ اللہ علیہ نے پیش فرمایا۔ یوں تو آپ کی ۷سو سے زائد تصانیف آپ کے اس کمال پر گواہ ہیں مگر اس مختصر مقالہ میں اس کی صرف چند مثالیں ہی پیش کی جاسکتی ہیں۔

پانی میں مسام ہیں یا نہیں؟

کسی شخص نے آپ سے دریافت کیا کہ پانی میں مسام ہیں یا نہیں؟ آپ نے فوراً جواب دیا (لفظ فوراً میں نے اس لیے لکھا ہے کہ یہ مسئلہ ملفوظات میں سے نقل کر رہا ہوں۔ اس طرح برملا جواب دینا کسی شخص کے مستحضر علم کی دلیل ہوتا ہے)

جواب: نہیں۔ کہ پانی میں بالطبع (طبیعت کے لحاظ سے) خلا بھرنے کی قوت رکھی گئی ہے ضرور ہے کہ جو مسام فرض کیے جائیں وہ پانی کہ ان سے اوپر ہے ان کی طرف اترے گا اور انہیں بھرے گا۔ اور مسام ہونے پر فلسفہ جدیدہ کی یہ دلیل کہ شکر ڈالنے سے پانی میں حل ہو جاتی ہے اور اس کا حجم نہیں بڑھتا مقبول نہیں جب زیادت قدر احساس کو پہنچے گی ضرور حجم بڑھتا محسوس ہوگا۔ مگر ایک استدلال اس پر یہ خیال میں آتا ہے۔ کہ حوض کے کنارے ایک شخص کھڑا ہے دوسرا غوطہ لگائے اور باہر والا شخص آواز پکارے اگر مسام ہیں تو ضرور سنے گا اور سنتا ہے تو معلوم ہوا کہ مسام ہیں۔ بخلاف اس کے ایک کمرہ صرف آئینوں (شیشوں) کا فرض کیجیے جس میں کہیں درازنہ ہو اس کے اندر کی آواز باہر نہ آئے گی اور باہر کی اندر نہ جائے گی۔ اگرچہ اندر باہر وہ شخص متصل ہو کر کھڑے ہو کر ایک دوسرے کو آواز بلند پکارے۔ مگر یہ استدلال بھی کافی نہیں۔ آواز پہنچنے کے لیے ملاء فاصل میں تموج چاہیے مسام کی کیا حاجت؟ ہاں جہاں تموج نہ ہو بذریعہ مسام پہنچے گی آئینہ میں نہ تموج نہ مسام لہٰذا نہ پہنچے گی۔ پختہ وخام عمارات میں تموج نہیں مسام ومنافذ میں ان سے پہنچے گی۔ آب وہوا خود اپنے تموج سے پہنچاتے ہیں اور یہی اصل ذریعہ صوت (آواز) ہے ہوا میں تموج زائد ہے کہ پانی سے لطیف ہے وہ زیادہ پہنچاتی ہے اور پانی کم۔ تالاب میں دو شخص دونوں کناروں پر غوطہ لگائیں اور ان میں سے ایک اینٹ پر اینٹ مارے دوسرے کو آواز پہنچے گی۔ مگر نہ اتنی کہ ہوا میں۔

(ملفوظات حصہ اوّل صہ ۱۳۶)

مذکورہ بالا بحث سے چند امور ثابت ہوئے۔

(۱) اہل علم آپ کو سائنسی معلومات میں بھی ماہر سمجھتے تھے اس لیے آپ سے اس قسم کے سوالات کیے جاتے جاتے تھے ورنہ کسی مولوی محض سے کوئی طبعیات کا سوال کس امید پر کریگا۔؟

(۲) مولانا رحمۃ اللہ علیہ اس قسم کے سوالات کا جواب دینے سے قطعاً پہلو تہی نہ فرماتے تھے جیسا کہ اس زمانہ میں عام طور پر مروج تھا کہ اگر کوئی کسی عالم سے اس قسم کا سوال کرتا تو اس کو زجر و توبیخ کے بعد مشورہ دیا جاتا کہ یہ کسی سائنسدان سے پوچھئے۔ مولانا رحمۃ اللہ علیہ خوب جانتے تھے کہ اسلام کی عظمت اسی وقت باقی رہ سکتی ہے جبکہ علماء اسلام ہر سوال کا مقابلہ کرنے کے لیے تیار ہوں۔

(۳) آپ صرف اپنے دلائل پر ہی اکتفا نہ کرتے بلکہ مخالفین کے دلائل پر بھی مطلع تھے اور حق یہی ہے کہ کسی مخالف کی ٹھوس تردید اس وقت تک ممکن نہیں جب تک کہ ہم اس کے دلائل سے باخبر ہوں۔

(۴) سب سے اہم چیز جو یہاں بتانا مقصود ہے وہ آپ کا طرز استدلال ہے جو بہت سادہ مگر مضبوط ہے اس ضمن میں یہ بتانا ضروری ہے کہ ہمارے قارئین یہ خیال نہ فرمائیں کہ طبعیات کا صرف یہ ایک ہی مسئلہ ہے جس پر مولانا رحمۃ اللہ علیہ نے گفتگو فرمائی ہے۔ نہیں نہیں۔ بلکہ یہ ان سینکڑوں مسائل میں سے ایک ہے۔ جو مولانا کے وسیع علوم کے غماز ہیں مولانا نے طبعیات کے جن مسائل پر تحقیقی کام کیا ہے ان میں سے چند ایک یہ ہیں ۱۔ پانی میں رنگ ہے یا نہیں۔ ۲۔ پانی کا رنگ سپید ہے یا سیاہ۔ ۳۔ موتی شیشہ۔ بلور پیسنے سے خوب سپید کیوں ہو جاتے ہیں؟ ۴۔ آئینہ میں دھندپڑ جائے تو وہاں سپیدی کیوں معلوم ہوتی ہے۔ ۵۔ آئینہ میں اپنی صورت اور وہ چیزیں جو پیٹھ کے پیچھے ہیں کس طرح نظر آتی ہیں ۶۔ شعاع کی جنبش۔ ۷۔ شعاعیں جتنے زاویوں پر جاتی ہیں انہوں پر پلٹتی ہیں۔ ۸۔ رنگتیں تاریکی میں برقرار رہتی ہیں۔ ۹۔ کان کی ہر چیز گندھک پارے سے متولد ہے۔ ۱۰۔ گندھک نر ہے پارا مادہ وغیرہ۔

یہاں یہ خیال ہرگز نہ کیا جائے کہ ان چیزوں کا مولانا کے فقہی کارناموں سے کیا تعلق ہے؟ کیونکہ میں پہلے عرض کر چکا ہوں کہ فقاہت سے مراد یہاں وہ محدود تصور نہیں جو ہم جیسے ناقص العلم لوگوں نے پیدا کیا ہوا ہے۔ بلکہ فقاہت مرجع علوم اور منبع معارف ہے اور مولانا رحمۃ اللہ علیہ کی فقاہت اسی معیار کو پیش کر رہی ہے اور اگر یہ سب چیزیں فقہ سے بے تعلق ہوئیں تو مولانا ان کو اپنے مشہور فتاویٰ میں ہرگز جگہ نہ دیتے۔

اثباتِ جزو لایتجزّیٰ :

متکلمین نے جزو لایتجزیٰ کے اثبات پر بہت دلائل قائم کیے ہیں مگر مولانا رحمۃ اللہ علیہ نے کمال ہی کر دیا کہ قرآن سے اثباتِ جزء کی دلیل مستنبط کی۔ فرماتے ہیں میں نے تو جزو لایتجزیٰ کا قرآن عظیم سے اثبات کیا ہے ارشاد ہے وَمَزَّقْنَاهُمْ كُلَّ مُمَزَّقٍ۔ اور ہم نے ان کو پارہ پارہ کر دیا۔ پارہ پارہ کرنا۔ مُمزّق بمعنی اسم مفعول نہیں کہ اس صورت میں تحصیل حاصل ہو گی بلکہ بمعنی مصدر ہے۔ (ملفوظات ص۱۴۱)

مولانا رحمۃ اللہ علیہ نے نہایت ہی جامعیت اور اختصار کے ساتھ استدلال فرمایا ہے۔ اس کی تشریح یہ ہے کہ باری تعالیٰ (جل وعلا) فرما رہا ہے کہ کفار کا ٹکڑے ٹکڑے ہونا کامل و مکمل طور پر واقع ہو چکا ہے۔ اب یہاں دو باتیں ہیں۔ پہلی تو یہ کہ ٹکڑے کرنے والا اللہ ہے (کہ اس کی طاقت بے انتہا ہے) دوسری یہ کہ اصدق الصادقین خبر دے رہا ہے۔ کہ یہ ٹکڑے کرنا مکمل طور پر واقع ہو چکا ہے۔ یعنی اب اگر مزید ٹکڑے ہونا ممکن ہوں تو کل مُمزّق صادق نہیں اور کل ممزّق صادق ہے تو اب مزید ٹکڑے ممکن نہیں اور ہم اسی چیز کو جزو لایتجزیٰ سے تعبیر کرتے ہیں۔ کراچی کے ایک مشہور و معمر ترین عالم مولانا حافظ محمد ایوب صاحب دہلوی کہ ان جیسا سلجھا ہوا فلسفی اور متکلم اور اعجوبہ روزگار شخص پہلے نہیں پایا (باستثناء استاذِ محترم) اُن سے جزو لایتجزیٰ کے مسئلہ پر گفتگو ہوئی ہم نے اثنائے گفتگو میں اسی آیت سے استدلال کیا وہ حیران رہ گئے اور کہنے لگے کہ پچاس سال سے میں اس امر پر غور کر رہا ہوں اس دلیل کی طرف ذہن منتقل نہیں ہوا۔ پھر فرمایا کہ آخر آپ کو یہ کیسے معلوم ہوئی؟ تب میں نے بتایا کہ مولانا احمد رضا خاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے بیان کی ہے۔ مولانا یہ سنتے ہی مولانا رحمۃ اللہ علیہ سے بہت مانوس ہوئے اور میں نے موقع مناسب سمجھتے ہوئے چند اور علمی باتیں نقل کر دیں۔ جن کا بہت ہی عمدہ اثر ہوا۔ یہاں ایک وضاحت ضروری ہے۔ کہ مولانا محمد ایوب صاحب اگرچہ ایک عمر رسیدہ عالم ہیں مگر مولانا رحمۃ اللہ علیہ سے وہ صرف اس حد تک واقف تھے کہ بریلی میں کوئی پیر صاحب گزرے ہیں جو صلوٰۃ وسلام کے مسئلہ پر بہت زور دیتے ہیں۔ اور بعض مسائل میں اپنے معاصرین سے شدید اختلاف رکھتے تھے۔ لہٰذا مولانا موصوف نے کبھی ان کی کتابوں کی طرف توجہ نہ کی اور دوسری بات یہ ہے کہ وہ کتابیں پڑھتے بھی نہیں۔ اکثر قرآن کریم سے استدلال کرتے ہیں۔ لہٰذا وہ اچھوتے استدلال پر بہت خوش ہوئے۔

حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ کے نعتیہ اشعار منفردین بہت اچھی لے میں پڑھتے ہیں اور پھر ان کی

شرح کرتے ہیں اس طرح مولانا رحمۃ اللہ علیہ عوام میں مشہور ہوئے ہیں مگر بحثیت ایک نعت گو شاعر۔ کچھ کرامات بھی بیان کرتے ہیں۔ اس طرح آپ بحثیت ولی لوگوں میں پہچانے جاتے ہیں مگر افسوس کہ ابھی تک مولانا کو علمی حلقوں میں متعارف کرانے کی کوششیں نہیں ہوئیں۔ اس لیے آپ کی شخصیت علمی حلقوں میں اس طرح متعارف نہیں جیسا کہ اُسے حق ہے۔ مولانا نے علوم و معارف کی جو میراث ہمارے لیے چھوڑی ہے اگر ہم زندگی بھر اُسے سمیٹنے کی کوشش کریں تو جمع نہیں کر سکتے مگر حیف صد حیف کہ ابھی ہم نے اُسے ہاتھ بھی نہیں لگایا ہے۔

مولانا رحمۃ اللہ علیہ فلاسفہ کی بے تکی باتوں کی خوب دھجیاں اڑاتے تھے کسی شخص نے آپ سے دریافت کیا کہ کیا انسان کو حیوان سے نطق ہی ممتاز کرتا ہے؟ تو آپ نے فرمایا کہ۔ یہ تمیز کس کے نزدیک ہے؛ جاہل فلاسفہ حمقاء کے نزدیک؛ پھر فرمایا ہر شئی ناطق ہے۔ شجر حجر دیوار و در سب ناطق ہیں نص ہے۔ قَالُوْا اَنْطَقَنَا اللّٰہُ الَّذِیْ اَنْطَقَ کُلَّ شَیْءٍ۔ اعضا کہیں گے کہ ہم کو اس اللہ نے ناطق کیا جس نے ہر شئے کو ناطق کیا اور نصوص کا ان کے ظواہر پر حمل واجب بلا ضرورت ان میں تاویل باطل و نامسموع۔ (ملفوظات ص۳۴)

ابن ہمام سے اختلاف:

مولانا رحمۃ اللہ علیہ کا بہت اہم کارنامہ یہ ہے کہ وہ متقدمین و متاخرین فقہاء و اصولیین پر نہایت فراخدلی سے تنقید فرماتے ہیں۔ مولانا رحمۃ اللہ علیہ صاحب فتح القدیر کو جگہ جگہ "محقق علی الاطلاق" لکھتے ہیں مگر جب یہی محقق علی الاطلاق وضوء میں بسم اللہ و ذکر الٰہی کو واجب عملی قرار دیتے ہیں تو مولا رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں

اقول لم یأت المستدل بشئ حتی	مستدل (ابن ہمام) نے کوئی معقول دلیل پیش نہیں کی
سمع ما سمع ؛ (فتاوی رضویہ ص۲۱)	یہاں تک کہ جو سُنا گیا وہ سننا پڑا۔

پھر فرماتے ہیں اور مسئلہ تسمیہ اولاً تنہا محقق کی اپنی بحث ہے۔ کہ نہ ائمہ مذہب سے منقول نہ محققین مابعد میں مقبول۔ خود ان کے تلمیذ علامہ قاسم بن قطلوبغا نے فرمایا کہ ہمارے شیخ کی جو بحثیں خلاف مذہب ہیں ان کا اعتبار نہ ہوگا۔ علامہ قاسم نے تو یہاں تک کہا مگر مولانا فرماتے ہیں کہ اقوال یعنی جبکہ خلاف اختلاف زمانہ سے ناشی نہ ہو

کما افتوا بجواز الاجارۃ علی التعلیم	جیسے متاخرین نے فتوی دیا کہ تعلیم اذان اور امامت
والاذان والامامۃ الخ (فتاوی رضویہ ص۲۱)	پر اجرت لینا جائز ہے۔

مذکورہ بالا سطور سے چند باتیں معلوم ہوتی ہیں۔

۱۔ اگر کسی عالم کے پاس قوی دلائل ہیں تو وہ اپنے پیشرو سے حق اختلاف رکھتا ہے۔ خواہ وہ کتنا ہی محقق علی الاطلاق کیوں نہ ہو۔

۲۔ ائمہ مذہب (جیسے ابو حنیفہ و ابو یوسف و امام محمد) سے بھی اختلاف زمانہ کے باعث اختلاف جائز ہے

۳۔ مولانا رحمۃ اللہ علیہ نہایت روشن دماغ تھے وہ محققین سے اختلاف کرتے بلکہ ائمہ مذہب سے بھی اختلاف زمانہ کے باعث اختلاف کو جائز قرار دیتے۔ اس طرح آپ نے بعد والے اہل علم کے لیے یہ گنجائش باقی رکھی ہے کہ اگر اختلاف زمانہ سے ان کے بیان کردہ کسی مسئلہ پر مزید بحث کی جا سکتی ہو تو اس میں کچھ مضائقہ نہیں۔ یعنی اگر کسی مسئلہ پر مولانا رحمۃ اللہ علیہ نے بحث کی ہو اور اس کے بارے میں اپنی تحقیق پیش کی ہو تو بعد والے محققین کے لیے تحقیق کی راہیں مسدود نہیں ہو جاتیں۔ بلکہ روشن ہو جاتی ہیں اور حقیقت یہی ہے کہ ایک محقق کا کام انسانی ذہنوں میں گرہیں لگانا نہیں بلکہ اُن گرہوں کا کھولنا ہے۔

ابن نجیم سے اختلاف:

وضو میں جو اعضاء دھوئے جاتے ہیں ان پر پانی بہانا فرض ہے اس سلسلہ فقہا نے حسب عادت کچھ باریکیاں پیدا کیں۔ ان پر بحث کے دوران کہتے ہیں۔ منہ، ہاتھ، پاؤں تینوں عضووں (اعضاء) کے تمام مذکور ذروں پر پانی کا بہنا فرض ہے۔ فقط بھیگنا۔ ہاتھ پھر جانا یا تیل کی طرح پانی چپڑ لینا تو بالاجماع کافی نہیں اور صحیح مذہب میں ایک بوند ہر جگہ سے ٹپک جانا بھی کافی نہیں کم سے کم دو بوندیں ہر ذرہ ابدان مذکورہ پر سے بہیں۔ درمختار میں ہے۔ ایک قطرہ بھی بہنا کافی ہے۔ فیض میں ہے کہ مذہب اصح ہے کم از کم دو قطرے بہہ جائیں۔ پھر صاحب بحر کا قول نقل کیا کہ ابو یوسف سے مروی ہے کہ:

ان الغسل مجرد بل المحل بالماء	بے شک دھونے کے معنی صرف تر کر لینا ہیں۔
سال او لم یسل ولاجله جعل	جگہ کا پانی سے خواہ بہے یا نہ بہے اسی لیے بہانے کو ابن نجیم
فی البحر الاسالة مختلفا فیها	نے ابو یوسفؒ اور طرفین کے درمیان مختلف فیہ قرار دیا
بینه و بین الطرفین و زعم	ہے اور یہ گمان کیا ہے کہ بہانے کی شرط لگانا ظاہر روایت
ان اشتراطها هو ظاهر الروایة	ہے۔ پس وہ س۔ ت۔ ں سے رد گردانی ممکن نہیں اور اسی

فالحق الذی لا محید عنہ ولا
یحل المصیر الا الیہ ان تاویلہ
ما فی الحلیۃ عن الذخیرۃ انہ سال من
العضو قطرۃ او قطرتان ولم یتدارک
کیف ولولا ذلک لکان ھذا والعیاذ
باللہ تعالیٰ انکار النص وتبدیلا للشرع
فان اللہ تعالیٰ امر بالغسل وھذا لیس
بغسل لا لغۃ ولا عرفا وقد قال فی البحر
نفسہ الغسل بفتح الغین ازالۃ الوسخ
عن الشیٔ ونحوہ باجراء الماء علیہ
لغۃ وھل الاجراء الا الاسالۃ اقول
نما کان ینبغی لمثل ھذا المحقق
الحبران یجعلہ مختلفا فیہ کی یجتریٔ
علیہ الجاھلون۔ (فتاوی رضویہ ص۱۹)

کی طرف رجوع ضروری ہے یہ ہے کہ اس کی وہ تاویل کی
جائے جو حلیہ میں ذخیرہ سے منقول ہے کہ عضو سے ایک
دو قطرے بہہ جائیں لیکن پے در پے پانی کے قطرات
نہ ٹپکیں۔ اور اس کے سوا ہو بھی کیا سکتا ہے۔ کیونکہ
اگر مذکورہ تاویل نہ مانی جائے تو عیاذاً باللہ نص کا انکار
لازم ہوگا اور شرع کی تبدیلی لازم آئے گی۔ کیونکہ اللہ
تعالیٰ نے غسل کا حکم دیا ہے اور یہ نہ تو لغۃً غسل ہے
اور نہ شرعاً حالانکہ بحر میں کہا ہے کہ لغت میں غسل
غین کے فتح سے، میل وغیرہ کا دور کرنا ہے اس پر
پانی جاری کرکے اور اجراء واسالت دونوں ایک
ہی ہیں۔ میں کہتا ہوں کہ ان جیسے محقق کو نہیں چاہیے
تھا کہ اس مسئلہ کو مختلف فیہ قرار دیں تاکہ جاہل اس پر
جرأت کریں۔

قطع نظر مسئلہ کی صحیح نوعیت کے ہمیں فقیہہ کی ذہنیت اور افتاد طبع معلوم کرنی چاہیئے تو حقیقت
حال یہ ہے۔ کہ ابن نجیم نے اپنی کتاب بحر الرائق میں جو عبارت لکھی ہے وہ یہ ہے (غسل کے لغوی معنی
لکھنے کے بعد)

واختلف فی معناہ الشرعی فقال ابو
حنیفۃ ومحمد ھو الاسالۃ مع التقاطر
ولو قطرۃ حتی لو لم یسل الماء بان
استعملہ استعمال الدھن لم یجز
فی ظاہر الروایۃ ..... وعن ابی یوسف
ھو مجرد بل المحل بالماء سال او لم یسیل

اور اس (غسل) کے شرعی معنی میں اختلاف ہے تو طرفین
نے کہا کہ وہ بہانا ہے مع ٹپکنے کے خواہ ایک ہی قطرہ
کیوں نہ ٹپکے۔ حتی کہ اگر پانی نہ بہا اس طرح کہ اس نے
پانی کو تیل کی مانند استعمال کیا تو ظاہر روایت میں
ہے کہ یہ جائز نہیں اور ابو یوسف سے مروی ہے کہ وہ
(غسل شرعی) صرف جگہ کا بھگو لینا ہے پانی سے خواہ بہے یا نہ بہے

اب قابل غور امر یہ ہے کہ آیا فی الواقع اسالت طرفین اور ابو یوسف کے درمیان مختلف فیہ ہے یا نہیں؟ نوادر کی عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ مختلف فیہ ہے۔ لہٰذا ابن نجیم کا اس مسئلہ کو اختلافی کہنا نہ تو شان محققین کے خلاف ہے اور نہ ہی ہم اس کو زعم کہہ سکتے ہیں۔ البتہ حلیہ نے ذخیرہ سے جو عبارت نقل کی ہے اس سے تطبیق کی شکل نکل سکتی ہے مگر یہ کب ضروری ہے کہ ایک محقق دوسرے کی تاویلات کو مان لے۔ کیونکہ ابو یوسف جیسے عالم نے جب غسل میں مجرد بل کو کافی قرار دیا ہے تو ظاہر ہے کہ اس بل سے مسح تو مراد لیا ہی نہیں جا سکتا۔ اس لیے کہ ابو یوسف کو اتنا ضرور معلوم ہوگا کہ تمام اعضاء وضو ممسوح نہیں بلکہ بعض مغسول اور بعض ممسوح ہیں۔ البتہ ان کے قول میں غسل کی اُن حدود و قیود کی نفی ہوگی جو دیگر ائمہ لگاتے ہیں اور اس قسم کی چیزیں ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کے اقوال میں بکثرت ہیں کیونکہ وہ حتی الامکان یُسر کی راہ چلتے ہیں۔ لہٰذا وجود اختلاف سے انکار تو ممکن نہیں البتہ اس اختلاف کا ذکر تقاضائے مصلحت ہے یا نہیں؟ تو مولانا رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ خلاف مصلحت ہے۔ کہ اس طرح ناواقف لوگ پانی تیل کی طرح چپڑ کر وضو کریں گے۔ جو کسی طرح صحیح نہیں۔ یہاں سے آپ کی فضیلت ابن نجیم پر ظاہر ہوئی کہ وہ محض محقق تھے اور آپ مصلحت بین اور رمز شناس بھی ہیں۔

اب رہی یہ بات کہ مولانا رحمۃ اللہ علیہ کا یہ فرمان کہ اگر حلیہ کی تاویل کو نہ مانا جائے تو

لکان ھٰذا والعیاذ باللہ تعالیٰ انکارا للنص وتبدیلا للشرع	البتہ یہ نص کے انکار اور شریعت کی تبدیلی کے مترادف ہوگا (والعیاذ باللہ)

تو یہ کوئی ایسی بات نہیں ہے جسے آپ کی شدت طبع پر دلیل بنایا جائے کیونکہ یہ بات آپ از خود نہیں فرما رہے ہیں بلکہ اس کا ماخذ ردالمحتار کی یہ عبارت ہے۔

ثم علیٰ ھٰذا التاویل یندفع ما اورد علیٰ ھٰذہ الروایۃ من ان البل بلا تقاطر مسح فیلزم ان تکون الاعضاء کلھا ممسوحۃ مع انہ تعالیٰ امر بالغسل والمسح (ردالمحتار ص۹۰)	پھر اس تاویل سے وہ اعتراض بھی ختم ہو جاتا ہے جو اس روایت پر کیا گیا ہے کہ بھگونا بغیر تقاطر کے مسح ہے تو لازم آئے گا کہ تمام اعضا ممسوح ہوں حالانکہ اللہ تعالیٰ نے دھونے کا حکم بھی دیا ہے اور مسح کا بھی۔

اس تمام بحث سے ہمارے فقیہ رحمۃ اللہ علیہ کی جس افتاد طبع کا پتہ لگتا ہے وہ یہ ہے کہ ہمیشہ مذہب

صحیح رجیح اور احوط کی تائید کرنی چاہیئے اور اس کے خلاف جو کچھ کہا جا سکتا ہے وہ نہیں کہا جانا چاہیئے اور اس میں کچھ شک نہیں کہ ایسا ہی ہونا چاہیئے۔

امام نووی سے نفیس اختلاف:

ایک بحث ہے کہ وضو کے بعد اعضاء وضو کو کپڑے سے پوچھنا چاہیئے یا نہیں! بعض حضرات کا کہنا ہے کہ ایسا کرنا مکروہ ہے۔ اس پر استدلال کرتے ہوئے ایک روایت بیان کی گئی کہ جو صحیحین میں موجود ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم غسل سے فارغ ہوئے تو ام المومنین حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا نے ایک کپڑا بدن پوچھنے کے لیے پیش کیا مگر آپ نے نہ لیا اور پانی کو ہاتھ سے پونچھ پونچھ کر جھاڑ دیا لہٰذا معلوم ہوا کہ وضو یا غسل کے بعد کپڑے سے پونچھنا مکروہ ہے۔ علامہ نووی جو شارح مسلم ہیں اور جلیل القدر محدث و فقیہ ہیں۔ اس روایت کی تاویل میں فرماتے ہیں۔ کہ یہ ایک خاص واقعہ تھا اس کو عموم پر کیسے محمول کیا جا سکتا ہے کیونکہ ممکن ہے کہ وہ کپڑا میلا ہو اور آپ نے اس کو پسند نہ فرمایا ہو۔ مگر مولانا رحمۃ اللہ علیہ کی کمال فراست و تفقہ کی داد دینا پڑتی ہے آپ فرماتے ہیں کہ:

یہ تاویل دور از کار ہے کہ ام المومنین رضی اللہ عنہا باوجود آپ کی نظافت طبع کے جاننے کے آپ کی خدمت میں اس قسم کا کپڑا پیش کریں۔	وفیہ بعد ان تکون ام المؤمنین اختارت له صلی اللہ علیہ وسلم مثل هذا مع علمها بکمال نزاهته ونظافته ولطافته صلی اللہ علیہ وسلم

یہاں سے مولانا رحمۃ اللہ علیہ کا یہ نظریہ خوب واضح ہو کر سامنے آتا ہے کہ وہ ہر قیمت پر تمام بزرگان دین کی عظمتوں کو فرق مراتب کے ساتھ ملحوظ رکھتے ہیں۔ علامہ نووی نے اپنی تاویل سے سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی نظافت طبع تو ظاہر کر دی مگر ام المومنین کی طرف توجہ نہ کی۔ پھر خود بہترین توجیہ فرماتے ہیں کہ آپ نے وہ کپڑا صرف عجلت کی وجہ سے نہ لیا۔ پھر اس تاویل پر خود ہی اعتراض کرتے ہیں اور اس کا جواب دیتے ہیں۔

اعتراض: اگر آپ کو جلدی ہی تھی تو پوچھنے اور ہاتھ سے صاف کرنے میں کیا فرق پڑتا۔؟

جواب: بے شک آپ کو جلدی تھی جیسا کہ بخاری کے الفاظ سے معلوم ہوتا ہے کہ فانطلق وهو ینفض یدیه۔ آپ اپنے ہاتھ کو جھاڑتے ہوئے تشریف لے گئے۔ ایسی صورت میں کپڑے کو اپنے ساتھ لے جانا مناسب خیال نہ فرمایا اور بغیر کپڑے کے قطرات کو ہاتھ سے جھاڑتے ہوئے تشریف لے گئے

پھر فرماتے ہیں کہ یہ واقعہ اعضاء کو کپڑے سے صاف کرنے کی ممانعت کی دلیل نہیں بلکہ دلیل سنت ہے۔ کیونکہ ام المومنین رضی اللہ عنہا جو آپ کی عادات شریفہ سے واقف تھیں۔ ان کا کپڑا پیش کرنا اس امر کی واضح دلیل ہے۔ کہ یہ آپ کی عادات مبارکہ میں تھا۔ اس بحث سے آپ کی وقت نظر واضح ہوتی ہے۔ ایک طویل بحث کے بعد آپ نے یہ فیصلہ دیا ہے کہ بالجملہ تحقیق مسئلہ وہی ہے۔ کہ کراہت اصلاً نہیں۔ فتاویٰ رضویہ صہ ۲۹

تنبیہ :

بہار شریعت (مولانا امجد علی صاحب مرحوم) میں ہے کہ آداب طعام سے یہ ہے کہ کھانے سے ہاتھ دھو کر کپڑے سے صاف نہ کیے جائیں۔ بعض حضرات پونچھنے والوں کو اچھی نگاہ سے نہیں دیکھتے اور سمجھتے ہیں کوئی گناہ کیا جا رہا ہے۔ بعض جگہ ہم نے دیکھا کہ تولیہ ہاتھ سے چھین لیا گیا۔ یہ سب غلط ہے۔ اگر کوئی پونچھتا ہے تو ممانعت نہ کرنی چاہیئے کسی مناسب موقعہ پر بتا دیا جائے۔ کیونکہ پونچھ لینا بہر حال مکروہ نہیں۔ ہر مسئلہ کو اس کی اہمیت کے مطابق ہی رکھنا چاہیئے۔

علامہ طحاوی ؒ سے اختلاف :

ایک مسئلہ ہے کہ زکام کی وجہ سے جو پانی ناک سے نکلتا ہے وہ ناقض وضو ہے یا نہیں۔ تمام علماء احناف کی تصریحات موجود ہیں کہ جو بلغم دماغ سے اترے وہ ناقض وضو نہیں۔ مگر علامہ طحاوی فرماتے ہیں کہ زکام کا پانی ناقض وضو ہے۔ ان کی دلیل یہ ہے کہ فقہاء کا عام اصول ہے کہ جو بہنے والی چیز بوجہ علت و مرض خارج ہو وہ ناقض وضو ہے۔ مثلاً آنکھیں دکھنے سے جو پانی بہتا ہے ناقض وضو ہے۔ اس پر مولانا رحمۃ اللہ علیہ نے رد بلیغ مدلل فرمایا ہے۔ دلائل فقہیہ کے بعد آپ فرماتے ہیں:

"میں کہتا ہوں ان تمام دلائل قاہرہ وصل بازغ کے بعد اگر کچھ بھی نہ ہوتا تو یہ استظہار آپ ہی واجب الرد تھا۔ زکام ایک عام چیز ہے۔ غالباً جب سے دنیا بنی ہے کوئی فرد بشر جس نے چند سال عمر پائی ہو د چند سال کی بھی قید ضروری نہیں ہا مولف) اُسے کبھی نہ کبھی اگرچہ جاڑوں کی فصل ہی میں زکام ضرور ہوا ہوگا یقین عادی کی رو سے کہا جاتا ہے کہ صحابہ کرام و تابعین اعلام وائمہ عظام رضی اللہ عنہم کو خود بھی ہوا ہوگا۔ ایسی عموم بلوی کی چیز میں اگر نقض وضو کا حکم ہوتا۔ تو ایک جہاں اس سے مطلع ہوتا۔ مشہور و مستفیض حدیثوں میں اس کی تصریح آئی ہوتی۔ کتب ظاہر الروایۃ سے لے کر متون و شروح و فتاویٰ سب اس کے حکم سے

ملو ہوتے نہ کہ بارہ سو برس بعد ایک مصری فاضل سید علامہ طحطاوی بعض عبارات سے بطور احتمال نکالیں اور خود بھی اس کے اصل موضع بیان یعنی نواقض وضو کے ذکر تک اس کی طرف ان کا ذہن نہ جائے حالانکہ آب رَمَد کا مسئلہ در مختار میں وہاں بھی مذکور تھا۔ باب الحیض میں جا کر خیال تازہ پیدا ہوا۔ ایسا خیال زنہار قابل قبول نہیں ہو سکتا تمام اصول حدیث و فقہ اس پر شاہد ہیں۔ پھر کچھ بعد میں عربی عبارت میں رد فرماتے ہیں۔ جس کا خلاصہ یہ ہے کہ آپ کو معلوم ہے کہ اس جیسے موقع پر اگر احاد ہوں تب بھی قابل قبول نہیں کہ توفر دواعی کے باوجود ایک مسئلہ کا قرون اولیٰ میں پتہ نہ ہونا اس کے غلط ہونے کی دلیل ہے۔ اس تحقیق کے بعد فرماتے ہیں۔ وبہ الوصول الی ذری التحقیق۔ فتاوی صے؟

یہ چند مثالیں ہیں جو آپ کی عظیم فقاہت پر دلیل ہیں۔ ظاہر ہے کہ ایک مقالہ میں چند امثلہ پر اکتفا کیا جا سکتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ مولانا رحمۃ اللہ علیہ کے علمی ذخائر میں یہ تلاش کرنا کچھ مشکل نہیں کہ آپ نے کس کس سے اختلاف کیا۔ بلکہ اصل وقت طلب کام یہ ہے۔ کہ وہ کونسا فقیہہ ہے جس سے مولاناؒ نے بالکل اختلاف نہ کیا ہو اگر ایسا کوئی شخص نکل آیا تو یہ ایک بڑی تحقیق ہوگی۔ مولاناؒ ایک مجتہد کی طرح ہر ذی علم سے اختلاف کرتے ہیں۔ مگر۔

طرز اختلاف:

آپ کا اختلاف ان لوگوں سے قطعاً مختلف ہے جو اختلاف برائے شہرت یا اختلاف برائے اختلاف کے قائل ہوں۔ آپ کے اختلاف کی جو نمایاں خصوصیت ہے وہ یہ کہ آپ کا اختلاف مبنی بر انصاف ہے۔ پھر یہ کہ آج کل اختلاف کرنے والے کچھ اس طرز پر سوچتے ہیں کہ پہلے دل میں ارادہ کر لیا کہ فلاں شخص سے اختلاف کرنا ہمارے لیے ضروری ہے اب اس مقصد کی تکمیل کے لیے اس کے کلام پر غور و خوض کیا۔ نتیجہ یہ نکلا کہ مد مقابل کی ہر خوبی عیب نظر آنے لگی۔ اس مجنونانہ اختلاف سے کلام میں جا بجا ہٹ دھرمی اور ضد صاف دیکھی جا سکتی ہے۔ مگر مولانا ایک مسئلہ بیان فرما کر اس کے تمام ادلہ جمع کرتے ہیں اور اتنے ادلہ جمع کرتے ہیں کہ اگر میں یہ کہہ دوں تو مبالغہ نہ ہوگا کہ "جتنے عالم وجود میں ہوتے ہیں پھر ان کا تجزیہ کرتے ہیں اور بحث کے اختتام پر معلوم ہوتا ہے۔ کہ اچانک کسی عالم سے اختلاف ہو گیا پھر یہ کتنی عجیب بات ہے کہ کبھی یہ اختلاف بڑھتے بڑھتے اس حد تک پہنچا جس کی مثال اختلاف مع الطحطاوی رحمۃ اللہ میں گزری اور کبھی بڑھتے بڑھتے حیرت انگیز طریق پر اتحاد میں منقلب ہو گیا۔ اور اس کی مثالیں اپ سے کلام میں بکثرت موجود ہیں مگر مقالہ کی حیثیت ان کے ذکر سے مانع ہے۔ مولانا رحمۃ اللہ علیہ کے اختلاف میں ایک اہم بات ہے کہ جب یہ اختلاف کسی کوشش سے

رفع ہی نہیں ہوتا تب ایک مجتہد کی طرح آپ فریق مخالف کے غلطی پر ہونے کا ظن غالب کر لیتے ہیں اور اس کے بعد پھر کوئی رعایت اور کسی سہل گیری یا کسی مروت کے قائل نہیں رہتے۔ اس موقعہ پر مولاناؒ کے مطالعہ کرنے والوں کی خدمت میں ایک معروضہ ہے وہ یہ کہ مولاناؒ کے اختلاف کو میں ایک خاص حیثیت سے منقسم کرتا ہوں۔ ۱۔ اختلاف مع المتقدمین۔ ۲۔ اختلاف مع المعاصرین۔ اول الذکر اختلاف اور موخر الذکر اختلاف دونوں میں مولانا رحمۃ اللہ علیہ کا طرز صاف صاف جداگانہ ہے۔ اس کی متعدد وجوہات ہیں۔

(۱) متاخر الذکر اختلاف بنیادی طور پر حضور اکرم نبی محترم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم و تکریم کے مسائل سے شروع ہوا۔ درمیان میں بعض فقہی مسائل بھی آگئے۔ مولانا ایک سچے عاشق رسول تھے (صلی اللہ علیہ وسلم) اور اس کا اعتراف ان کے مخالفین اور معاندین آج تک کرتے ہیں لہٰذا دلائل کے ساتھ جذبات کا شامل ہونا فطری امر تھا۔

(۲) بہت ہی اہم بات یہ ہے کسی مخالف کی تحریر کا جواب دینے اور اس کے احوال و اطوار سے ذاتی واقفیت رکھنے کے بعد جواب دینے میں فرق لازمی ہوگا۔ مولانا اُن "لوگوں" سے ذاتی واقفیت رکھتے تھے جن کی عبارات سے آپ نے اختلاف کیا اور اس معاملہ میں آپ کے پیش نظر یہ آیت تھی۔

قَدْ بَدَتِ الْبَغْضَآءُ مِنْ اَفْوَاهِهِمْ ۚ وَمَا تُخْفِيْ صُدُوْرُهُمْ اَكْبَرُ ۭ پ۔ ع

بلاشبہ دشمنی اُن کی زبانوں سے ظاہر ہو چکی ہے اور جو ان کے دل میں چھپائے بیٹھے ہیں کہیں زائد ہے۔

اور یہ ایک حقیقت ہے کہ انسان تحریر میں بہت محتاط ہوتا ہے مگر اس کے باوجود جو باتیں آپ کے مخالفین سے ظاہر ہوئیں ان میں سے بعض غلط فہمیں۔ لیکن وہ اپنی مجلسوں میں جن خیالات کا اظہار کرتے وہ بہت گھناؤنے تھے۔ یہ چیز اب بھی ملاحظہ کی جا سکتی ہے۔ لہٰذا آپ کی تحریر ان دونوں حیثیتوں کو مدنظر رکھتے ہوئے ہوئی۔ اگر ایک ہی حیثیت کو پیش نظر رکھتے ہوئے ہوتی تو بہت ہی زائد اثر انداز ہوتی یعنی ان لوگوں کے لیے جو تحریر کا مقابلہ تحریر سے کرتے ہیں "اور شان نزول سے" ناواقف ہیں۔

(۳) محی الدین ابن عربی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اولیاء اللہ اپنے مزاج میں مختلف انبیاء اللہ علیہم السلام سے مشابہت رکھتے ہیں کسی کو آدمؑ سے کسی کو ابراہیمؑ کسی کو عیسٰیؑ و مریمؑ سے مشابہت ہے اور میرے نزدیک مولاناؒ "حمیت موسوی" کا مجسمہ تھے۔

سندہٗ فی الفقہ:

آپ مستند فقیہ تھے۔ فقہ میں آپ کی سند یہ ہے۔ آپ نے روایت کی شیخ عبدالرحمٰن حنفی مفتی مکہ سے انہوں نے

مفتی مکہ سیدی جمال بن عبداللہ سے انہوں نے محمد عابد انصاری مدنی سے انہوں نے شیخ یوسف سے انہوں نے شیخ عبدالقادر بن خلیل سے انہوں نے شیخ اسماعیل بن عبداللہ سے انہوں نے شیخ عبدالغنی بن اسماعیل بن عبدالغنی نابلسی سے انہوں نے اپنے والد صاحب درر وغرر سے انہوں نے احمد شوبری اور حسن شرنبلالی سے انہوں نے شیخ عمر بن نجیم وغیرہ سے انہوں عبدالبر بن شحنہ سے انہوں نے کمال ابن ہمام سے انہوں نے سراج سے انہوں نے علاؤالدین سے انہوں نے جلال الدین خبازی شارح ہدایہ سے انہوں نے شیخ عبدالعزیز سے انہوں نے جلاالدین کبیر سے انہوں نے برہان الدین صاحب ہدایہ سے انہوں نے فخرالاسلام نہردوی سے انہوں نے شمس الائمہ حلوانی سے انہوں نے قاضی ابوعلی نسفی سے انہوں نے ابوبکر محمد بن فضل سے انہوں نے امام عبداللہ سندموتی سے انہوں نے عبداللہ بن ابی حفص سے انہوں نے اپنے باپ سے انہوں نے ابوعبداللہ محمد بن حسن شیبانی سے انہوں نے امام اعظم ابوحنیفہ سے انہوں نے حماد سے انہوں نے ابراہیم سے انہوں نے علقمہ اور اسود سے انہوں نے عبداللہ بن مسعود سے رضی اللہ عنہم اجمعین انہوں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے۔

اللّٰھم ارحم استاذنا الکبیر وفقیہنا الشہیر واسکنہ فی فرادیس جنانك
اللّٰھم وفقنا لرعایۃ تراثہ العظیم والسلوك علیٰ مسلکہ القویم بحرمۃ
نبیك الکریم، رءوف رحیم، علیہ افضل الصلوٰۃ والتسلیم

(۱) اصل مقالہ عربی میں ہے جس کا کچھ حصہ میں مرتب کر کے پیش کر رہا ہوں۔

(۲) تمام ذی شعور احباب اہلسنت کو معلوم ہو کہ جمال الدین افغانی اور عبیداللہ سندھی اور ان جیسے لوگوں پر ریسرچ کے سلسلہ میں ڈاکٹریٹ کی ڈگریاں دی جارہی ہیں۔ ہمیں کوشش کرنی چاہیئے کہ مولانا رحمۃ اللہ علیہ کی ذات گرامی کو بھی اس فہرست میں شامل کرائیں۔ اس لیے کہ آپ کا کام اس صدی کے مشاہیر کے کام سے کسی حیثیت سے کم نہیں۔ واللہ الموفق۔

روحانیات

محمد احسان الحق

عشّاق رسالت صلی اللہ علیہ وسلم کا میرِ کارواں

مصطفیٰ جانِ رحمت پہ لاکھوں سلام :۔ یہ صدائے دلنواز برصغیر پاک و ہند کے مردم خیز خطہ بریلی سے بلند ہوئی اور پھر وہاں سے چار وانگِ عالم میں پھیل گئی اور آج بھی یہ صدائے دلنواز سنائی دے رہی ہے! یہ پیاری آواز اس وقت بلند ہوئی جب مسلمانانِ ہند ایک طرف تو سیاسی اقتدار کھو چکے تھے اور دوسری طرف مذہبی، اخلاقی، روحانی اور علمی پستی میں پہنچ چکے تھے، ان کے قوائے عمل معطّل تھے، بدعقیدگی کی گھٹن فضا پر طاری تھی، ان کی قوّت احساس دم توڑ چکی تھی، مذہبی فریفتگی میں سکت کا نام نہ تھا! ایسے ماحول اور ایسی گھٹن میں "مصطفیٰ جانِ رحمت پہ لاکھوں سلام" کی ایک ایمان پرور صدائے دلنواز نے رہ روانِ شوق کیلئے نشانِ منزل ہی نہیں دکھایا بلکہ منزلِ مقصود تک پہنچنے کے لئے زادِ راہ بھی فراہم کیا۔

اس آواز میں ایسی شیفتگی اور محبت رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم میں ایسی سپردگی تھی کہ جو بھی ایک بار اس کو سن لیتا اس کا سوتا ضمیر بیدار ہو جاتا اور سچ ہے کہ "ہر چہ از دل خیزد بر دل ریزد" یہ ترانۂ محبت برصغیر پاک و ہند کے مسلمانوں کے لئے کیف و مستی، سرشاری و سپردگی، الفت و عقیدت کا ایک رہنما ثابت ہوا۔

یہ صدائے دلنواز ایک والہانہ انداز اور بھرپور جذبۂ شوق و مستی میں امام احمد رضا قدس سرہٗ نے بلند کی تھی! کون امام احمد رضا! قدرت کی تخلیقی کرشمہ سازیوں کا ایک شاہکار جس کا قلب سلیم عشقِ مصطفیٰ (صلی اللہ علیہ وسلم) سے سرشار جو تحریکِ عشّاق رسالت کا امیر کارواں! جس کا ہر لمحۂ زندگی ملّتِ اسلامیہ کی صلاح و فلاح کے لئے وقف، جس کے نام میں نسیم سحر کا خرام اور نرمی اور طوفانوں کی تیزی بھی! وہ ایسا مردِ حق گو کہ حق کے سوا جس کی زبان سے اور کچھ کبھی نہ نکلا۔ ایسا عاشق رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کہ جس کے پاک دہن سے نکلنے والی ہر بات عظمتِ شانِ رسالت صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک نعتیہ

قصیدہ اور جس کے قلم پاک سرشت کی ہر تحریر عاشقانِ رسالت صلی اللہ علیہ وسلم کے دلوں کی دھڑکن ! جس کی نگاہِ فیض رساں کی ہر جنبش ایمان کو تازہ کرنے والی اور دلوں کو ایمان کی دولت بخشنے والی تھی ! ایسا مرشد پاک نہاد کہ جس نے اس کے دستِ حق پرست میں اپنا ہاتھ دیا۔ آن کی آن میں عشقِ رسالت صلی اللہ علیہ وسلم کے منازل طے کر لئے۔ علوم دینی کا بحرِ ذخار معقولات کا مرد شناور اور منقولات کا غوّاص کا دُر رشنا بھی ! نعتیہ شاعری کا حسین عنوان ، اس کی شاعرانہ نوا سنجیاں مسیحا نفسی کا پیغام ، مُردہ دلوں کو حیاتِ نو بخشنے والا ، عارفانہ کردار کا ماہ تابندہ ، دردمندوں کا چارہ ساز ، جس کی نگاہیں اسرارِ زندگی کی حقیقت شناس ، اُمّتِ مسلمہ کا حقیقی نبّاض ! مسلمانوں کی زبوں حالی پر اس کی آنکھیں ہر دم اشکبار ۔ اپنوں کے لئے سراپا رحمت و برکت اور دشمنانِ ناموس و عظمتِ رسالت (صلی اللہ علیہ وسلم) کے لئے اَشِدَّآءُ عَلَی الْکُفَّارِ کا مصداق ! !

برصغیر پاک و ہند میں صوفیائے کرامؒ صدیوں سے خلقِ خدا کو اپنے فیوض و برکات سے مستفید فرماتے رہے تھے مگر اورنگ زیبؒ کی وفات کے بعد جہاں سیاسی ابتری ، قتل و غارت گری ، فتنہ انگیزی کا بازار گرم ہوا وہاں اس طوائف الملوکی کے دور میں خانقاہی نظام بھی ابتری کی لپیٹ میں آ گیا۔ اور حالات سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکا ، اگر ایک طرف ان کے حلقے محدود ہو گئے تو دوسری طرف تربیتِ نفس ، طے منازلِ عرفان و سلوک اور تلقین علمِ یقین ، تحقیقِ مسائل دین (قرآن و سنت کی روشنی میں) کی طرف سے توجہ ہٹ گئی ، اولیائے کاملین کی تعلیمات اور ان کے نصب العین کی ترویج و اشاعت میں عظیم خلل پڑ گیا۔

مسلمانوں کی سیاسی زندگی بُری طرح متاثر ہو چکی تھی اور افتراق و انتشار نے ان کے وقار کو خاک میں ملا دیا تھا ، ایک طرف تو سات سمندر پار سے آنے والی قوم (انگریز) اس ملک پر اپنی گرفت مضبوط کر رہے تھے تو دوسری طرف مقامی غیر مُسلم قوتیں منظم ہو کر ہند کے مسلمانوں کو صفحۂ ہستی سے مٹانے کے درپے تھیں ، ان المناک حالات میں اسلامی حمیّت نے پھر جوش مارا اور پورا برصغیر پاک و ہند علامہ فضل حق خیر آبادی کے نعرۂ جہاد سے گونج اٹھا ، علماء و مشائخ اور اصحابِ محراب و منبر درسگاہیں ، اور خانقاہوں سے کفن بردوش اور سر بکف ہو کر رسم شبیّری ادا کرنے کے لئے میدانِ عمل میں نکل آئے اور

برصغیر پاک و ہند کا ہر شہر میدانِ کارزار بن گیا، جادۂ آزادی کے متوالوں نے بے دریغ قربانیاں دیں لیکن امرائے وقت کی مصلحت کوشی اور ابن الوقتی، دین و ملت کے غداروں کی دسیسہ کاری اور انقلابی قیادت کے فقدان نے یہ تگ و تاز کامیاب نہ ہونے دی۔

ایسے پُر آشوب حالات میں حضور نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد گرامی کے مطابق کہ "اللہ تعالیٰ میری امت میں ہر صدی کے اوائل میں ایسے شخص کو پیدا فرمائے گا جو اس امت کے لئے دین کو تازہ کرے گا" چنانچہ حضرت مولانا قدوۃ السالکین رضا علی خان بریلوی کے فرزند قدوۃ العلماء علامۂ دوراں مولانا نقی علی خان رحمۃ اللہ علیہ نے احیائے دینِ مبین کے لئے قلم کو جنبش دی اور گم کردہ راہ مسلمانوں کو اپنی زبانِ قلم اور پُر اثر تقاریر سے ایک حیاتِ تازہ بخشی، انیسویں صدی کا وسط تھا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کی صُلب سے ایک ایسا فرزندِ سعید پیدا فرمایا جس نے اپنے محترم والد کے نصب العین کی تکمیل کے لئے اپنی زندگی کے آنات و لمحات صرف فرما دیئے، چودھویں صدی ہجری کا جب آغاز ہوا تو یہ مجددِ دین و ملت جس کا نام نامی (اعلیٰحضرت مولانا شاہ) احمد رضا خاں تھا دینِ متین کی سربلندی اور ناموسِ رسالت صلی اللہ علیہ وسلم کی سرفرازی کے لئے میدانِ عمل میں ایسی تندہی اور جاں سپاری کے ساتھ مصروفِ عمل تھا کہ عقیدے کی زبوں حالی کی دنیا میں زلزلہ آگیا، گمراہی کے ایوان کے ستون تھرتھرانے لگے اور فرنگی سیاست کے میدان میں خاک اُڑنے لگی، چودھویں صدی کے اس مجدد نے تجدید دین و ملت کے پرچم بلند کئے اور باطل کو سرنگوں کر دیا!

اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم نے امام احمد رضا خاں قدس اللہ سرہٗ کی زندگی کو عشقِ رسالت اور اتباعِ قرآن و سنت کے صفاتِ عالیہ سے اس طرح متصف فرمایا کہ احیائے دین و ملت کی راہ میں بڑی سے بڑی رکاوٹ کو پائے استقامت سے ٹھکراتے ہوئے آگے بڑھتے چلے گئے اور عظمتِ رسالت صلی اللہ علیہ وسلم کے نغمات اس بلند آہنگی سے بلند فرمائے کہ دشمنوں کے کان گونج اٹھے اور ان کی زبانیں گنگ و لال ہوگئیں۔ ان کی ذات میں خواجہ خواجگان خواجہ اجمیری اور محدث اعظم حضرت عبدالحق دہلوی کی چشتی اور قادری تمام نسبتیں جمع ہوگئی تھیں یعنی عرفان و ایقان!

۱۰ ارشوال المکرم ۱۲۷۲ھ مطابق ۱۵ ارجون ۱۸۵۶ء بریلی کی سرزمین کو آپ کے مولد ہونے کا شرف حاصل ہوا۔ آسمان علم و حکمت پر ایک آفتابِ شریعت و طریقت طلوع ہوا۔ اللہ تعالیٰ نے احیائے دین و ملت کے لئے رئیس الاتقیاء، حضرت علامہ نقی علی خان بریلوی

کو اس کے وجود باکرامت سے عزت و افتخار کی ایک ایسی سند ملی کہ تا قیامِ قیامت اس کے حروف روشن و تاباں رہیں گے۔

جس طرح حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی نے علمی اور روحانی فیوض کا اکتساب اوّلین اپنے صاحبِ کمال والد ماجد حضرت شاہ عبدالرحیم دہلوی سے کیا تھا۔ اسی طرح امام احمد رضا نے بھی اپنے پدرِ بزرگوار قدوۃ الاتقیاء سے استفادہ کا آغاز کیا۔ اور بیشتر علوم و فنون اُن سے حاصل کئے۔

چار سال کی عمر میں قرآن پاک ناظرہ پڑھ کر ختم کیا اور چھ سال کی عمر میں میلاد شریف کی ایک عظیم محفل میں سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت کے موضوع پر ایک نہایت پُرمغز اور جامع تقریر کر کے سامعین کو حیرت میں ڈال دیا۔ دورانِ تعلیم آپ نے اپنے والد مکرّم زبدۃ الاتقیاء، حضرت نقی علی خاں قدس سرہٗ کے مشورے سے، اسلامی علوم کے فروغ کے لئے دلّی کے مدرسۂ رحیمیہ کے طرز پر ایک مدرسہ منظرِ اسلام قائم کیا جو آج بھی قائم ہے۔

آپ کے اساتذہ میں والد ماجد کے علاوہ مرزا غلام قادر بیگ، بحر العلوم علامہ عبد العلی رامپوری شامل ہیں جبکہ فیض روحانی اور مقاماتِ طریقت کو حضرت شیخ ابوالحسن نوری مارہروی قدس اللہ سرہٗ سے اکتساب کیا، مارہرہ شریف کے سجادہ نشین سیّد آلِ رسول رحمۃ اللہ علیہ سے بیعت اور اخذِ خلافت کا واقعہ یوں ہے کہ ۱۲۹۴ھ میں آپ اپنے والد ماجد کے ہمراہ خانقاہ برکاتیہ مارہرہ حاضر ہوئے اس وقت مارہرہ کی مسندِ طریقت پر قدوۃ العارفین حضرت شاہ آلِ رسول رحمۃ اللہ علیہ رونق افروز تھے۔ حضرت قبلہ عالمؒ نے صرف ایک ہی نظر میں نوجوان صاحبزادے کی بلند اقبالی اور استعداد روحانی کا اندازہ کر لیا اور نہ صرف بیعت سے سرفراز کیا بلکہ خرقۂ خلافت بھی عطا فرمایا۔

مرشد کامل کی نظر کیمیا اثر کے فیض سے سرشار مرید جب حجرے سے باہر تشریف لائے تو حاضرینِ خانقاہ پر ایک ایسی سرمستی اور سرشاری طاری ہو گئی کہ بے خودی کے عالم میں ہر شخص اسمِ جلالت "اللہ، اللہ" کا ذکر کرنے لگا حالانکہ یہ ذکر اس وقت کیا جاتا تھا جب صاحبِ سجادہ اپنے حجرے سے باہر مراقبہ سے فراغت کے بعد تشریف لاتے تھے مگر آج یہ حاضرین کو کیا ہوا کہ حضرت قبلہ نواب بھی حجرے ہی میں تشریف فرما ہیں۔ باہر تو امام احمد رضا آئے ہیں پھر یہ خاندانی روایت میں فرق کیسا؟ لیکن حاضرینِ محفل کا کیا قصور، ان کی نظر میں

تو اس وقت امام احمد رضا میں خاتم الاکابر شاہ آلِ رسولؒ کو دیکھ رہی تھیں۔ سبحان اللہ کیسا طالب! اور کیا مطلوب! کیسا مرید اور کیسا مُراد!!

جب مرشد کے حجرے میں داخل ہوئے تو اس وقت یہ احمد رضا تھے لیکن جب حجرے سے باہر تشریف لائے تو مجدّد دین وملّت" اعلیٰحضرت امام احمد رضا" بنا دیئے گئے۔ مرشد گرامی کے عطا کردہ لقب کی شان تو دیکھئے کہ آج تک زبانِ خاص و عام پر" اعلیٰحضرتؒ" کا لقب جاری وساری ہے۔

علوم ظاہری و باطنی کے حصول کے بعد آپ مسندِ دعوت و ارشاد پر جب فائز ہوئے تو ظلمت کدۂ ہند میں عرفانِ الٰہی کی مشعل جلا کر اندھیروں میں روشنی کردی! فرمانِ الٰہی اور عشقِ مصطفوی صلی اللہ علیہ وسلم کی اپنے قلم اور اپنی زبان سے وہ ضوفشانی فرمائی کہ قلوب کے ظلمت کدوں کو چکا چوند کر دیا، دلوں کو مست اور جذبات کو بیخود بنا دیا۔ سوتی ہوئی قوم کو جگایا اور عرفانِ الٰہی کے بلند نغمات اور محبتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی تشہیر اور پیارے نغموں سے بانگِ درا کا کام لیا اور مسلمانانِ ہند کے ارادت و عقیدت کے بھٹکتے ہوئے قافلہ کو صحیح سمت میں جلوہ پیما بنا دیا!

تشنگانِ علوم و معرفت پروانہ وار بزم رضا میں حاضر ہو کر شمع حقیقت کی ضیا پاشیوں سے دیدہ ہائے فکر و خیال کو روشن کرتے۔ بحرِ علم و معرفت سے بقدر ظرف اپنی اپنی پیاس بجھاتے۔ یہ فیض صرف برصغیر پاک و ہند ہی تک محدود منحصر نہیں تھا بلکہ بلاد اسلامیہ کے علماء و فضلاء اور تابعانِ دہر بھی آپ کے سامنے زانوے طے کرنے کے لئے کاشانۂ رضویہ پر حاضر ہوتے! حضرت امام رضا قدس اللہ سرہٗ اپنے وقت میں قطب الارشاد کی مسند پر فائز تھے۔ آپ نے اپنے فیض ہم نشینی سے جادۂ پیمان حق کی ایک ایسی جماعت تیار کی جس میں مفسرین بھی شامل تھے اور محدثین بھی! محققین، ومفکّرین بھی تھے اور اتقیاء واذکیا اور صوفیائے پاک طینت اور پاک و سرمست جماعت بھی تھی۔ ان میں سے ہر فرد نے اپنے اپنے وقت اور اپنی اپنی جگہ پر بزم رضا کی اس مشعل نور بخشِ عام کو فروزاں رکھا اور پوری تندہی کے ساتھ علوم ظاہری کی تعلیم و تربیت کے ساتھ ساتھ تزکیہ نفس اور اصلاحِ باطن کا بھی فریضہ انجام دیا۔ بزمِ رضا کے یہ مصابیح پُرانوار سلسلہ بہ سلسلہ مشکوٰۃ نبوت صلی اللہ علیہ وسلم سے مستنیر و منوّر تھے جنھوں نے بار یہ ضلالت میں بھٹکتے ہوئے راہیوں کو خضرِ منزل بن کر منزلِ مقصود تک پہنچایا!

اعلیٰحضرت نے تصنیف و تالیف کے میدان میں جو کارہائے عظیم انجام دیئے ان کے بارے میں یہ کج مج قلم کیا تحریر کرے۔ حقیقت یہ ہے کہ آپ ارباب فضل و کمال کی آبرو، بزم عشق و عرفان کے مسند نشین تھے۔ آپ نے اپنے قلم سے تحقیقات و انکشافات کے گوہر ہائے آبدار سلک تحریر میں نظم فرمائے کہ جو اپنی تابناکی و درخشندگی سے علم و فضل کی ہر مجلس میں جلال و جمال کے ساتھ جگمگائے اور آج بھی اسی طرح درخشندہ و تاباں ہیں!

علامۂ زمان و فقیہ دوراں امام احمد رضاؒ کی شخصیت صرف قدآور ہی نہیں تھی بلکہ بہت پہلو دار تھی، اس پہلو دار شخصیت کے جس پہلو پر نظر ڈالئے سے کرشمہ دامن دل می کشد کہ جا اینجاست، بس اسی صفت اور اسی پہلو کی توضیح اور اسی کی تشریح میں قلم کو رواں دواں رکھئے۔ آپ کی شخصیت کا ہر پہلو عدیم النظیر و بے عدیل تھا یہ مبالغہ نہیں آپ کی تصانیف اس پر شاہد عادل ہیں! علم قرآن ہو کہ علم تفسیر، حدیث ہو کہ علم فقہ، علم الکلام ہو کہ فلسفہ، منطق ہو کہ اصول، ادب ہو یا تاریخ، توقیت ہو کہ تکسیر! علم نجوم ہو یا علم ہیئت، ریاضی ہو کہ علم جفر، علم ہندسہ ہو کہ اس کے اقسام، باون علوم پر آپ کی ایک ہزار تصانیف زبان حال سے گویا ہیں کہ میرا مصنف علم کا وہ سمندر تھا جس میں ان تمام انواع کے گہر ہائے آبدار موجود تھے۔ میں اعلیٰحضرت قدس سرہٗ کے ان علوم و فنون متنوعہ کے بارے میں کیا عرض کروں۔ میرے قلم میں اتنی سکت اور میرے فہم میں اتنا یارا کہاں ہے اور اگر بہت یاوری کرے اور قلم فہم کا ساتھ دے تو بس اتنا ہی ہوگا کہ ؎ دفتر تمام گشت و بپایاں رسید عمر۔ ما ہمچناں در اوّل وصف تو ماندہ ایم۔

اس لئے "معارف رضا" کے اس شیوع اور شمارہ کے لئے میں اعلیٰحضرت قدس سرہٗ کے کمالات روحانی اور فضائل باطنی کے حوالے سے صرف تصوف کے موضوع کو لے رہا ہوں تاکہ ارباب ظاہر پر روشن ہو جائے کہ جس طرح اعلیٰحضرت عظیم البرکت علوم معقول و منقول کے بحر ناپیدہ کنار تھے اسی طرح دریائے معرفت کے بھی ایسے شناور اور دیدہ ور غواص تھے کہ اس بحر معرفت و طریقت سے ایسے گہر ہائے آبدار سلک تحریر و تقریر میں بھی منسلک کئے ہیں۔ جنہوں نے دنیائے طریقت کے ایوان فلک سا میں جگہ پائی ہے، رشد و ہدایت، مرید و مراد، آداب سالک و مرشد کو شریعت کے ساتھ اس طرح منطبق کیا ہے جو ان کا قرار واقعی حق تھا!

تصوف کیا ہے؟ یہ ایک ایسا موضوع ہے جس پر آج تک ہزاروں افراد نے قلم اٹھایا ہے اور داد تحقیق دی ہے لیکن پاسدار شریعت، متبع احکام رسالت صلی اللہ علیہ وسلم نے متقدمین

صوفیائے کرام کی طرح طریقت کو بھی تاجِ شریعت کا گوہرِ آبدار بنایا ہے۔ یوں تو انسان نے اپنی علمی
گم مائیگی کی بدولت بہت سی حقیقتوں کا انکار کیا ہے۔ ایسے لوگوں کے لئے دلائل کی ضرورت ہوتی ہے
لیکن دلائل کا معیار ان کے عقلی معیار سے ہم آہنگ ہونا ضروری ہے جب ہی وہ ان کو قبول کرتا ہے
اسلامی تصوّف کی جو تشریحات اور تعریفات کی ہیں وہ اکثر عوام کے فہم و دانش سے بالاتر ہیں۔
یہی وجہ ہے کہ وہ بآسانی ان کا انکار کر دیتے ہیں، بعض منکرین نے تصوّف کو افیون کا نشہ کہا
ہے اور بعض نے حد سے بڑھ کر اس کو کفر و زندقہ سے تعبیر کیا ہے۔ کسی نے اس کو رہبانیت سے
تعبیر کیا ہے! مسلمان دانشوروں نے اس راہ میں بھی مغربی مفکرین کی تقلید کی ہے۔ اس سلسلہ میں
بھی انہوں نے جو کچھ کہا وہ مغربی مفکرین کے خیالات تھے۔ جن کو اپنی زبان میں مسلمان دانشوروں
نے بیان کیا ہے۔ بقول جناب شمس بریلوی "مغربی مفکرین و منکرین تصوّف نے اسلامی تصوّف
کے ماخذ مسیحت اور نصرانیت کو قرار دیئے ہیں لیکن مسلمان ناقدین نے تو اور ہی ستم کیا کہ انہوں نے
بودھ مت اور ویدانت کو بھی اس میں شامل کر لیا۔"[4]

اس سلسلہ میں ہادیِ طریقت، مرشدِ والا مرتبت، شہسوارِ میدانِ شریعت امام احمد رضا
قدس سرہٗ نے بڑی ہی حقیقت پسندی سے کام لیتے ہوئے فرمایا ہے۔

"شریعت منبع ہے اور طریقت (تصوّف) اس سے نکلا ہوا دریا بلکہ شریعت اس مثال
سے بھی متعال ہے منبع سے پانی نکل کر دریا بن کر جن زمینوں پر گزرے انہیں سیراب کرنے میں
اسے منبع کی احتیاج نہیں کہ اس سے نکلے ہوئے دریا یعنی طریقت کو ہر آن اس کی احتیاج ہے۔
منبع سے اس کا تعلق ٹوٹے تو یہی نہیں کہ صرف آئندہ کے لئے مدد موقوف ہو جائے فی الحال جتنا
پانی آچکا ہے چند روز تک پینے نہانے، کھیتیاں باغات سینچنے کا کام دے۔ نہیں نہیں منبع
سے تعلق ٹوٹتے ہی یہ دریا فوراً فنا ہو جائے گا بوند تو بوند نم کا نام نظر نہ آئے گا۔"[5]

آپ نے ملاحظہ فرمایا کہ کتنی آسان مثال میں دقیق موضوع کی تشریح کر کے غلط فہمیوں
اور شکوک کا ازالہ کر دیا اور تصوّف (طریقت) کے معنی کے متعلق ارشاد فرماتے ہیں۔

"شریعت مطہرہ ایک ربّانی نور کا فانوس ہے کہ دینِ عالم میں اس کے سوا کوئی روشنی نہیں،
اس کی روشنی بڑھنے کی کوئی حد نہیں، زیادت چاہیئے، افزائش پانے کے طریقے کا نام طریقت ہے۔[6]
طریقت میں جو کچھ منکشف ہوتا ہے شریعت ہی کے اتباع کا صدقہ ہے۔ ورنہ بے اتباع
شرع (شریعت) بڑے بڑے کشف تو راہبوں، جوگیوں اور سناسیوں کو بھی ہوتے ہیں۔"

جس طرح علوم ظاہری کے اصول اور ان سے استفادہ کے لئے استاد کی ضرورت ہوتی ہے اسی طرح اسلامی عبادات وروحانی دنیا میں تزکیۂ نفس اور اصلاح باطن کے لئے استاد یعنی مرشد کی ضرورت ہوتی ہے اس باطنی مصلح یا پیرومرشد کے اوصاف اور شرائط کیا ہونی چاہیئے مرشد والامرتبت امام احمد رضاؒ فرماتے ہیں۔

"جس کے ہاتھ پر بیعت کرنے سے انسان کا سلسلہ حضور پُرنور صلی اللہ علیہ وسلم تک متصل ہوجائے اس کے لئے چار شرطیں ہیں پہلی شیخ (مرشد) کا سلسلۂ اتصال صحیح حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچا ہو۔ بیچ میں منقطع نہ ہو کہ منقطع کے ذریعے سے اتصال ناممکن۔ بعض لوگ بلا بیعت بزعم وراثت اپنے باپ دادا کے سجادے پر بیٹھ جاتے ہیں یا بیعت تو کی مگر خلافت نہ ملی تھی۔ بلا اذن (بلا اجازت) مرید کرنا شروع کردیتے ہیں یا سلسلہ ہی وہ قطع کردیا گیا اس میں فیض نہ رکھا۔ دوسری شرط صحیح العقیدہ اہلسنّت ہو۔ تیسری شرط عالم ہو علم فقہ اس کی اپنی ضرورت کے قابل کافی اور لازم (ہے) کہ عقائد اہلسنت سے پورا واقف، کفر واسلام اور ضلالت وہدایت کے فرق کا خوب عارف ہو[8]۔ چوتھی شرط فاسق اور معلن نہ ہو۔ اس شرط میں ہر حصول اتصال کا توقف نہیں کہ مجرد فسق باعث فسق نہیں مگر پیر کی تعظیم لازم ہے اور فاسق کی توہین واجب۔ دونوں کا اجماع باطل شرائط مذکورہ کے ساتھ مفاسد نفس (نفس کے فسادات)، مکائد شیطان (شیطان کی مکاریاں)، معائد ھوا یعنی (خواہشات کے شکار) سے آگاہ ہو، دوسرے کی تربیت کرنا جانتا اور اپنے متوسل پر شفقت تامہ رکھتا ہو کہ اس کے عیوب پر اسے مطلع کرے ان کا علاج بتائے جو مشکلات اس راہ میں پیش آئیں حل فرمائے نہ محض سالک ہو نہ نرا مجذوب[9]۔

بیعت کے متعلق مرشد برحق فرماتے ہیں کہ "بیعت کی بھی دو اقسام ہیں۔ اوّل بیعت برکت کہ صرف تبرّک کے لئے داخل سلسلہ ہوجانا۔ آج کل عام بیعتیں یہی ہیں وہ بھی نیک نیّتوں کی ورنہ بہتیوں کی بیعت دنیاوی اغراض فاسدہ کے لئے ہوتی ہیں (یعنی دنیاوی مقاصد کے حصول کے لئے کسی پیر سے بیعت کرلی)۔ بیعت کی دوسری قسم بیعت ارادت کے متعلق فرماتے ہیں کہ اپنے ارادے واختیار سے یکسر باہر ہوکر اپنے آپ کو شیخ مرشد ہادی برحق واصل بحق کے ہاتھ میں بالکل سپرد کردے۔ اسے مطلقاً اپنا حاکم ومالک اور متصرّف جانے۔ اس کے چلانے پر راہ چلے۔ کوئی قدم بھی اس کی مرضی کے (خلاف) نہ رکھے۔ اس کے لئے اس کے بعض احکام یا اپنی ذات

میں خود اس کے کام اس کے نزدیک صحیح نہ معلوم ہوں (تو) انہیں افعالِ خضر علیہ الصلوٰۃ والسلام کے مثل سمجھے اپنی عقل کا قصور جانے اس کی بات پر دل میں بھی اعتراض نہ لائے۔ اپنی ہر مشکل اس پر پیش کرے۔ غرض اس کے ہاتھ میں مردہ بدست زندہ ہو کر رہے یہی بیعت سالکین ہے اور یہی مقصود مشائخ مرشد بھی ہے یعنی اللہ عز و جل تک پہنچاتی ہے۔ یہی بیعت حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے صحابہ اکرامؓ نے لی ہے۔"

دورِ حاضر میں بعض لوگ اسلامی تعلیمات سے ناآشنائی کی وجہ سے مزاراتِ اولیاء کو سجدہ گاہ بنا لیتے ہیں اور طوافِ مزار تک کرتے ہیں۔ حالانکہ طواف صرف خانہ کعبہ کا ہے اور سجدہ ربِّ جلیل کے لئے ہے۔ مگر ان لوگوں کی جہالت کی وجہ سے معترضین تصوّف کو اعتراضات کا موقع ملتا ہے۔ اعلیٰحضرت امام احمد رضاؒ ان خرافات اور منکراتِ شرعیہ کی پر زور مذمت کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

"مسلمان اے مسلمان شریعت مصطفوی صلی اللہ علیہ وسلم کے تابع فرمان! جان اور یقین جان کہ سجدہ حضرت عزو جلالہ (اللہ تعالیٰ) کے سوا کسی کے لئے نہیں۔ اس کے غیر کے لئے سجدہ عبادت تو یقیناً واجماعاً شرک مبین وکفر مبین ـــ اور سجدۂ تعظیم وتحیت حرام و گناہ کبیرہ بالیقین۔ اس کے کفر ہونے میں نہ اختلافِ علماء دین۔ ایک جماعت فقہائے تکفیر منقول اور عند التحقیق وہ کفر صوری پر محمول۔ ہاں مثل صنم صلیب وشمس و قمر کے لئے سجدہ مطلقاً کفر۔ ان کے سوا مثل پیر و مزار پر کے ہرگز ہرگز نہ جائز ومباح بلکہ حرام اور کبیرہ وفحشا۔"[۱۲]

بوسہ اور طوافِ مزار کے متعلق ارشاد فرماتے ہیں۔

"مزار کا طواف کہ بہ نیت تعظیم کیا جائے۔ ناجائز ہے ـــ کہ تعظیم بالطواف مخصوص خانہ کعبہ ہے ـــ مزار کو بوسہ نہ دینا چاہیئے کہ علماء اس میں مختلف ہیں اور بہتر ہے کہ بچنا چاہیئے اور اس میں ادب زیادہ ہے۔"[۱۳]

دیکھیے امام احمد رضا نے مزار طواف کو ناجائز قرار دیا اور مزار کو بوسہ دینے سے بھی منع فرمایا۔ یہاں تک کہ زیارت گنبدِ خضرا کے متعلق بھی نہایت ہی واضح طور پر یعنی زیارتِ روضہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے محتاط ہدایات دی ہیں ملاحظہ فرمائیے۔

"خبردار جالی شریف کو بوسہ دینے یا ہاتھ لگانے سے بچو کہ خلافِ ادب ہے بلکہ چار

ہاتھ فاصلے سے زیادہ قریب نہ جاؤ۔ یہ ان کی رحمت کیا کم ہے کہ تم کو اپنے حضور بلایا۔ اپنے مواجہہ اقدس میں جگہ بخشی۔ ان کی نگاہِ کرم اگرچہ ہر جگہ تمہاری طرف تھی اب خصوصیت اور اس درجہ قرب کے ساتھ ہے۔[14] والحمدللہ روضہ اقدس انور کا نہ طواف کرو نہ سجدہ نہ اتنا جھکنا کہ رکوع کے برابر ہو رسول اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تعظیم ان کی اطاعت میں ہے۔[15]

یہ پاکیزہ تعلیمات اسی کی ہو سکتی ہے جو مقام قرب کی منزلوں کا شناسا ہو کیونکہ محبت کا پہلا تقاضا ادب ہے اور ادب ہی میں اطاعت کا راز پوشیدہ ہے۔ آج ضرورت اس امر کی ہے کہ قرآن و سنّت سلف صالحین اور امام احمد رضا کی تعلیمات کی روشنی میں خانقاہی نظام میں وہ تقدس و پاکیزگی لائی جائے جو کہ اسلامی تصوّف کی عکاس ہوں۔

بعض جگہ یہ بھی دیکھنے میں آتا ہے کہ جاہل اور بے عمل لوگ کہ جن کو اسلامی تصوّف سے کوئی سروکار نہیں ہوتا جعلی پیری مریدی اور فرضی مزار بنا کر روپیہ کماتے ہیں۔ اس طرح بے عمل لوگ اولیائے حق کی بدنامی اور اسلامی تصوّف سے بدظن کرنے کا باعث بنتے ہیں ان خرافاتِ باطلہ کی بیخ کنی کرتے ہوئے مرشدالامرتبت امام احمد رضاؒ فرماتے ہیں۔

قبر بلا مقبور (فرضی قبور) کی زیارت کی طرف بلانا اور اس کے لیے اعمال کرنا گناہ ہے اور جبکہ وہ اس پر مُصر ہے اور اعلان کر رہا ہے تو وہ فاسق معلن ہے۔[16]

ایسے غلط افکار و روایات کو پھیلانے والے کو امام احمد رضاؒ نے فاسق و معلن کہا ہے کہ جو طریقت کے پردے میں طریقت کا ہی مذاق اڑاتے ہیں۔

اب فلاح و اصلاح ظاہر و باطن کے متعلق اعلیٰحضرت امام احمد رضاؒ کے بصیرت افروز ارشادات پیش کرتا ہوں۔

انسان کے اعمال، افعال، اقوال، احوال ایسے ہونا چاہیئے کہ اگر انہی پر خاتمہ ہو تو کرم الٰہی سے امید واثق ہو کہ بلا عذاب داخلِ جنت کیا جائے۔ یہی وہ فلاح ہے جس کی تلاش کا حکم ہے کہ جلدی کرو اپنے رب کی مغفرت کی طرف جس کی چوڑان آسمان و زمین کے پھیلاؤ کی مانند ہے۔ اس لئے کہ کسبِ انسانی اسی سے متعلق ہے۔ یہ پھر دو قسم پر ہے اور فلاح ظاہر جانا اس سے مراد نہیں کہ نرے ظاہر داروں کو مطلوب جن کی نظر صرف اعمال جوارح پر مقصود ظاہر احکام شرع سے آراستہ اور معاصی سے منزہ کر لیا اور متقی و مصلح بن گئے۔ اگرچہ باطن ریا، عجب، حسد، کینہ، تکبر، حبِ مدح، حب جاہ

محبت ریا۔ حب شہرت، تعظیم اُمرا، تحقیر مساکین، اتباع شہوات، مداہنت (دین میں سستی) کفرانِ نعم (نعمتوں کی ناشکری)، حرص، بُخل، طول امل (لمبی آرزو)، اسوئے ظن، عنادِ حق اصرارِ باطل، مکر، عذر، خیانت، غفلت، قوّتِ (دل کی سختی) طمع، تملق (چاپلوسی) اعتمادِ خلق، نسیانِ خالق (خدا کو بھول جانا) نسیانِ موت، جرأت علی اللہ، نفاق، اتباع شیطان بندگی نفس، رغبتِ بطالت (باطل کی رغبت) کراہت عمل، قلتِ خشیت (ڈر کی کمی) جزع (بے صبری) عدمِ خشوع، غضب للنفس (نفس کے لئے ناراض ہونا) اور تساہل فی اللہ وغیرہ، (اللہ کے بارے میں سستی کرنا) مہلکات و آفات (ہلاک کرنے والی آفتیں) سے گندہ ہو رہا ہو جیسے مزبلہ (نجاست کا ڈھیر) پر زربفت کا خیمہ اور زینت اور اندر نجاست پھر کیا یہ باطنی خباثتیں ظاہری صلاح پر قائم رہنے دیں گی۔ ماشاءاللہ معاملہ پڑنے دیجئے کونسی ناگفتنی ہے کہ کہیں گے کون سی ناکردنی ہے کہ اٹھا رکھیں گے اور پھر بدستور صالح، عوام کی کیا گنتی آج کل بہت سے علمائے ظاہر اگر متقی ہیں بھی تو اسی قسم کے ماشاءاللہ وقلیل ماہم (مگر جو اللہ چاہے اور وہ تھوڑے ہیں)۔ بس اسے زیادہ مشرح کرنا مگر کیا فائدہ حق تلخ ہوتا ہے۔ اس سے نفع پانا اور اپنی اصلاح کی طرف آنا درکنار بتانے والے کے اُلٹے دشمن ہو جاتے ہیں۔[۱۷]

اعلیٰحضرت نے فلاح کی اقسام بیان کی ہیں پہلی آپ نے فلاح ظاہر ملاحظہ فرمائی اب دوسری قسم یعنی فلاح باطن کے متعلق ارشاد فرماتے ہیں۔

"دوم فلاح باطنی کہ قلب و قالب رزائل سے متخلّی اور فضائل سے متحلّی کر کے بقایائے شرک خفی دل سے دور کئے جائیں یہاں تک کہ لامقصود الا اللہ (کوئی مقصود نہیں اللہ کے سوا) لامشہود الا اللہ (کوئی نظر میں نہیں سوائے اللہ کے) پھر لاموجود الا اللہ (کوئی وجود نہیں رکھتا سوائے اللہ کے) متجلّی ہو یعنی اولاً ارادۂ غیر سے خالی ہو پھر غیر نظر سے معدوم ہو پھر حق حقیقت جلوہ فرمائے کہ وجود اسی کے لئے ہے باقی سب ظلال پرتو، یہ منتہائے فلاح و فلاح احسان ہے۔ فلاح تقویٰ میں تو عذاب سے دوری اور جنت کا چین تھا کہ فَمَنْ زُحْزِحَ عَنِ النَّارِ وَاُدْخِلَ الْجَنَّةَ فَقَدْ فَازَ۔ یعنی جو جہنم سے بچا کر جنت میں داخل کیا گیا وہ ضرور فلاح کو پہنچا اور فلاح احسان اس سے اعظم ہے کہ عذاب کا کیا ذکر کسی قسم کا اندیشہ و غم بھی ان کے پاس نہیں آتا۔ اَلَآ اِنَّ اَوْلِيَآءَ اللّٰهِ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ۔ بہرحال اس فلاح کے لئے ضرور پیر و مرشد کی حاجت ہے چاہے قسم اوّل کی ہو یا دوم کی"۔[۱۸]

تصوف کی تعلیمات کے سلسلہ میں اعلیٰحضرت پیر و مرشد برحق شاہ امام احمد رضا رح کے چند ارشاد گرامی، اس سے آپ اندازہ کر لیجیے کہ متصوف اور صوفی حقیقی میں کیا فرق ہے اور ایک مرشد کامل کی تعلیمات کیا ہیں کہ ہر قدم شریعت کی منہاج پر ہے اور پاس انفاس طریقت میں شریعت کی اتباع کامل ہی اس کا مرکز و محور ہے۔ بمصطفیٰ برساں خویش را کہ دیں ہمہ اوست

اگر باو نرسیدی تمام بولہبی است

اور بقول سعدی علیہ رحمتہ! خلاف پیمبر کسے رہ گزید ⁂ کہ ہرگز بمنزل نخواہد رسید

افسوس کہ آج بہت سے برخود غلط ساختہ پیروں نے تصوف کو دنیا میں رسوا کیا ہے اور غیروں کو ہم پر ہنسنے کا موقع دیا ہے کہ یہ کیسا راستہ ہے کہ جس میں نہ احکام الٰہی کی منزلیں اور نہ پاسِ فرمودات مصطفےٰ علیہ السلام کی شرطیں! حضرت امام احمد رضا قدس اللہ سرہٗ کی تعلیمات تصوف کا تفصیلی مطالعہ کرنا ہو تو "کشفِ حقائق، مسائل تصوف، الیاقوتۃ الوسط، حاشیہ احیاء العلوم (امام غزالی) حاشیہ کتاب الابریز ملاحظہ کیجیے، کاش کہ اعلیٰحضرت کے مقدس نصب العین کے شیوع اور اس کے احیاء کی ذمہ دار ہستیاں جاہ وطلبی کی کوششوں سے ہٹ کر کچھ اس طرف بھی توجہ فرمائیں کہ اعلیٰحضرت کی یہ گراں مایہ کتب تصوف طبع پذیر ہو کر عام ہو جائیں اور دنیا دیکھ لے کہ مجدد قرن چہاردہم جس طرح علوم شریعت کے تاجدار ہیں اسی طرح رموزِ تصوف اور تعلیمات تصوف کے بھی ایک عظیم مبلغ اور اسرار حقیقت کے رمز شناس اور جادۂ طریقت کے رہنمائے کامل ہیں اور اپنے عہد کے فضیل بن عیاض رح اور جنید بغدادی ہیں جن کا وثار اور شعار طریقت کے جسم پر صرف شریعت مطہرہ تھی اور جب تک حیات رہے آپ کا ہر نفس اس کا آئینہ دار تھا!! اسی لئے میں نے آپ کو "عشاقِ رسالت صلی اللہ علیہ وسلم کا میرِ کارواں" کہا ہے!!

علامہ نور احمد قادری

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خاں بریلوی کی روحانی کرامت

اولیاء اللہ کی روحانی کرامت حضور پاک خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات کا فیض ہے جو اولیاء اللہ کو عشق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں سرشار ہو جانے کی باعث مبدائے فیوض سے اس لئے عطا ہوتا ہے کہ کفار و مشرکین کو اس کی بدولت انقلابی رفتار سے حلقہ بگوش اسلام کیا جاسکے یعنی ایک ایک دو دو کی تعداد میں نہیں بلکہ بیک وقت ہزاروں کی تعداد میں انہیں مسلمان کیا جاسکے، انقلابی رفتار کا یہی مطلب ہے۔ عہد رسالت ﷺ میں بھی کفار مشرکین کے قبائل کے قبائل حضور سرور کونین صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات دیکھ کر ایک ایک دن میں بے شمار تعداد میں مسلمان ہوئے۔ پھر عہد رسالت کے بعد دنیا میں جہاں جہاں بھی اسلام جنگل کی آگ کی طرح تیزی سے پھیلا اس کا سبب بھی حضور ؐ ہی کے معجزات کا فیض یعنی بزرگان دین اولیائے کاملین کی روحانی کرامات تھیں جنھیں کفار و مشرکین نے دیکھا اور صداقت اسلام کا عملی طور پر لوہا مانا اور جوق در جوق حلقۂ اسلام میں شامل ہوئے، بلکہ بعض دفعہ تو ایسا بھی ہوا کہ پورا علاقہ کا علاقہ مسلمان ہو گیا۔ سیدنا غوث الاعظم رح یا داتا گنج بخش رح اور سلطان الہند خواجہ غریب النواز اجمیری رح اور شیخ الاسلام بابا فرید الدین گنج شکر رح کے واقعات کرامت تو اس قدر زبان زد خاص و عام ہیں کہ یہ بات بالکل تاریخی حیثیت سے واضح ہے کہ ایک ایک دن میں ان کی روحانی کرامات دیکھ کر کئی کئی ہزار غیر مسلموں نے اسلام قبول کیا اور بستی کی بستیاں مسلمان ہو گئیں۔ یہاں اس مختصر بیان میں ان واقعات تاریخی کے دہرانے کی گنجائش نہیں جنھوں نے تاریخ اسلام کا اس حیثیت سے مطالعہ کیا ہے وہ بخوبی جانتے ہیں اور اچھی طرح سمجھتے ہیں کہ اسلام کو انقلابی حیثیت سے پھیلانا اولیاء اللہ ہی کا روحانی کارنامہ اور عظیم کام ہے ؎ وہ مامور میں بارگاہ کرامات ہوتے ہیں، کمال علمی کے ساتھ ساتھ انہیں

کمال روحانیت یعنی کرامات مبدائے فیض سے عطا ہوتی ہیں۔ اور "کرامت" ایک صاحب مقام اور مامور بارگاہ ولی اللہ کی ایسی ہی صفت ہے جیسی کہ چمکتی ہوئی کرن سورج کی صفت ہے۔ سورج دنیا کو اپنی کرن نہیں دکھاتا بلکہ کرن خود بخود اس کی روشنی سے ظاہر ہوتی ہے، اسی طرح ولی اللہ بھی اپنی کرامات اہل دنیا کو دکھاتا نہیں پھرتا بلکہ وہ خود بخود ان سے ظاہر ہوتی ہے، اولیآء اللہ کی کرامت فی الحقیقت حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم ہی کے نورِ رسالت اور معجزہ کی جھلک اور فیض ہے جو انہیں عشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں سرشار ہوجانے کی بدولت مبدائے فیض سے ملتا ہے اور کرن کی طرح اُن سے ظہور میں آتا ہے، اور دیکھنے والوں کے دلوں کو نورِ ایمانی سے روشن کر دیتا ہے۔ نبوت حضور سرورِ کونین صلی اللہ علیہ وسلم پر ختم ہوچکی، مگر نبوّت کا مشن یعنی دین اسلام کا پھیلتے رہنا، اُن عاشقانِ رسول اللہ یعنی علمائے ربانی کے ذریعہ برابر جاری ہے اور تاقیام قیامت جاری رہے گا۔ جو قرآن پاک کی اصطلاح میں اولیآء اللہ اور تصوّفِ اسلام کی اصطلاح میں واصلینِ حق کہلاتے ہیں۔ اسلام کا انقلابی طور پر پھیلانا حضور پاک صاحب لولاک صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی طرف سے ان عاشقان رسول، بارگاہ خداوندی کے مقبول یعنی اولیآء اللہ ہی کی ڈیوٹی (DUTY) ہے۔ لہٰذا اس اشاعتِ اسلام کے سلسلہ میں جو بھی روحانی کرامت ان علمائے ربانی یعنی اولیآء اللہ سے ظاہر ہوتی ہے وہ دراصل فیض ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہی کے نورِ رسالت اور معجزات کا۔ جو مبدائے فیض سے ہر ولی اللہ کو بقدر ان کے درجۂ ولایت عطا ہوتا ہے، ہر ولی اللہ سے کرامت خود بخود ظاہر ہوتی ہے اور کفار و مشرکین اولیآء اللہ کی اس روحانی کرامت یا روحانی کمال کو دیکھکر ہی اسلام کی آسمانی صداقت پر ایمان لاتے ہیں اور اپنے کفر و شرک سے تائب ہوکر مشرف بہ اسلام ہوجاتے ہیں۔ اگر ایک مبلغ اسلام میں یہ کمال روحانیت کی صفت موجود نہ ہو تو وہ اسلام نہیں پھیلا سکتا۔ علامہ اقبالؒ نے صحیح کہا ہے کہ ؎

"عصا نہ ہو تو کلیمی ہے کار بے بنیاد"

اس لئے ایک مبلّغ اسلام کے لئے کمال روحانیت کی صفت ضروری ہے اور یہ صفت ہے صرف اولیآء اللہ ہی کی کہ انہیں علمی کمال کے ساتھ ساتھ یہ روحانی کمال یعنی 'کرامت' بھی عطا ہوتی ہے اور وہ بارگاہِ کبریٰ کے مامورین ہوتے ہیں۔

لہٰذا یہ امر واضح ہے کہ کرامت ہر ولی اللہ سے ظاہر ہوتی ہے اور خود بخود ظاہر ہوتی ہے۔ کوئی نہ کوئی واقعہ اس کرامت کے ظہور کا موجب بن جاتا ہے اور مقصد اس کا یہی ہوتا ہے کہ دین کی

اشاعت ہو اور غیر مسلم اس کرامت کو دیکھکر خود بخود بلا کسی جبر و اکراہ کے حلقہ بگوشِ اسلام ہو جائے اور کلمہ پڑھ کر مسلمان بن جائے۔ اس روحانی کرامت کے سلسلے میں اعلحضرت امام احمد رضا خاں بریلوی قدس سرہٗ العزیز کے بھی سیدنا غوث الاعظمؒ کی طریقتِ قادریہ کے ایک عظیم ولی اللہ کی حیثیت سے بے شمار واقعات ہیں، یہاں بخوفِ طوالت ان میں سے صرف ایک واقعہ کو پیش کرنے پر اکتفا کیا جاتا ہے اپنی حقیقت تاریخی کے لحاظ سے یہ ایک ایسا واقعۂ کرامت ہے کہ جس کو دیکھکر ایک صاحبِ اقتدار اور تعلیم یافتہ انگریز بمعہ اپنے پورے کنبہ کے مسلمان ہوا اور ایسا مسلمان ہوا کہ پھر اس نے اپنی بقیہ زندگی خدمتِ دین کے لئے وقف کردی۔ اور اس نے اپنے وطن جاکر اسلام کی زریں خدمات انجام دیں۔

یہ واقعہ دلچسپ بھی ہے اور سبق آموز بھی، سبق آموز اس لئے ہے کہ یہ واقعہ اس بات کا ایک درس ہے کہ حضر ہو یا سفر، خدا اور رسول کا خوف دل میں رکھنے والے نماز کسی حال میں نہیں چھوڑتے عشق الٰہی کی رسی کو ہر حال میں ہاتھوں سے تھامے رہتے ہیں، اور دلچسپ اس لئے ہے کہ سائنسی عقل رکھنے والے بھی روحانیت کے کمال کو ماننے پر مجبور ہو گئے، سائنسی علم کے ساتھ ساتھ روحانی حقیقت کو بھی انہوں نے تسلیم کیا، اور اسلام کی حقانیت کا دامن پکڑ لیا۔

یہ واقعہ اعلحضرتؒ کی زندگی کے بے شمار واقعاتِ کرامت میں سے ایک اہم تاریخی واقعہ ہے۔ اس واقعہ میں خود میرے (راقم الحروف کے) دادا حاجی عبدالنبی قادریؒ بھی شاہد کی حیثیت سے شامل تھے جو اعلحضرتؒ ہی کے مریدین میں سے تھے۔ یہ واقعہ ان کے سامنے پیش آیا تھا۔ اور وہ اس واقعہ کو اپنی وفات سے قبل تک اکثر اپنے احباب میں بیان کیا کرتے تھے۔ انھوں نے ۱۹۶۹ء میں کراچی میں بعمر ۹۴ سال عین جمعہ کے روز وفات پائی اور وہ دن بارہ ربیع الاوّل کا دن تھا۔ بقول ان کے یہ واقعۂ کرامت اعلحضرتؒ کے وصال (۱۹۲۱ء) سے چند ماہ قبل کا واقعہ ہے۔ ہوا یوں تھا کہ اعلحضرتؒ کا سلطان الہند خواجہ غریب نواز معین الدین چشتی اجمیریؒ کی خانقاہ میں عرس غریب نوازؒ کے موقعہ پر وعظ ہوا کرتا تھا اور اس وعظ کا اہتمام خود خانقاہ شریف کے "دیوان" صاحب کیا کرتے تھے۔ جس میں علماء فضلا دور دور سے آکر وعظ سننے کے لئے شرکت کرتے۔ بعض دفعہ دکن کے حکمران نظام دکن میر محبوب علی خاں اور میر عثمان علی خاں بھی اس وعظ میں شریک ہوتے رہے۔ اعلحضرتؒ کا وعظ سننے کے لئے بے شمار خلقت وہاں ہوا کرتی۔

اس مرتبہ جب اعلحضرتؒ بریلی شریف سے اجمیر شریف عرسِ خواجہ غریب نوازؒ میں حاضری کے لئے جانے لگے تو ان کے ہمراہ دس گیارہ ان کے مریدین بھی تھے انہی میں ایک راقم الحروف کے اُستاد

محترم حضرت مولانا شاہ عبدالرحمٰن قادری جے پوریؒ تھے۔ جو اعلیٰحضرتؒ کے شاگرد بھی تھے اور خلیفہ بھی اور دوسرے خود راقم الحروف کے دادا محترم حضرت حاجی عبدالنبی قادریؒ تھے۔ بقیہ اور حضرات تھے

دہلی سے اجمیر شریف تک جانے کے لئے "بی بی اینڈ سی آئی آر" ریل چلا کرتی تھی۔ دورانِ سفر جب یہ ریل گاڑی "پھلیرہ جنکشن" پر پہنچتی تو قریب قریب مغرب کا وقت ہو جاتا تھا "پھلیرہ" اس دور کے ہند کا بہت بڑا ریلوے جنکشن ہوا کرتا تھا۔ جہاں سانبھر، جودھ پور اور بیکانیر سے آنے والی گاڑیوں کا بھی کراس ہوا کرتا تھا۔ ان تمام دوسری لائنوں سے آنے والے مسافر اجمیر شریف جانے کے لئے اسی میل گاڑی کو پکڑتے تھے۔ اس لئے یہ میل گاڑی پھلیرہ اسٹیشن پر تقریباً چالیس منٹ ٹھہرا کرتی تھی۔ خود راقم الحروف نے بھی پارٹیشن سے قبل کے دور میں اجمیر شریف حاضری دینے کے لئے اسی گاڑی سے کئی بار سفر کیا، اور پھلیرا جنکشن کا حال دیکھا۔

بہرکیف جب اعلیٰحضرتؒ سفر کر رہے تھے تو پھلیرہ جنکشن پر پہنچتے ہی مغرب کی نماز کا وقت ہو گیا۔ اعلیٰحضرتؒ نے اپنے ساتھ والے مریدین سے فرمایا کہ نماز مغرب کے لئے جماعت پلیٹ فارم پر ہی کر لی جائے۔ چنانچہ چادریں بچھا دی گئیں اور لوگوں میں سے جن کا وضو نہ تھا انہوں نے تازہ وضو کر لیا۔ اعلیٰحضرتؒ ہر وقت باوضو رہتے، چنانچہ انہوں نے فرمایا کہ میرا وضو ہے، اور امامت کے لئے آگے بڑھے۔ اور پھر فرمایا کہ آپ سب لوگ پورے اطمینان کے ساتھ نماز ادا کریں۔ انشاءاللہ گاڑی ہرگز اس وقت تک نہ جائے گی جب تک کہ ہم لوگ نماز پورے طور سے ادا نہیں کر لیتے ہیں۔ آپ لوگ قطعاً اس بات کا فکر نہ کریں اور پوری یکسوئی کے ساتھ نماز ادا کریں۔ یہ فرما کر اعلیٰحضرتؒ نے امامت کرتے ہوئے نماز پڑھانا شروع کر دی۔ مغرب کے فرضوں کی جب ایک رکعت ختم کر چکے تو اک دم گاڑی نے وہسل (WHISTLE) دیدی۔ پلیٹ فارم پر دیگر بکھرے ہوئے مسافر تیزی کے ساتھ اپنی اپنی سیٹوں پر گاڑی میں سوار ہو گئے مگر آپ کے پیچھے نمازیوں کی یہ جماعت پورے استغراق کے ساتھ نماز میں اسی طرح برابر مشغول رہی۔ دوسری رکعت مغرب کے فرائض کی چل رہی تھی۔ گاڑی نے اب تیسری اور آخری وہسل بھی دیدی مگر ہوا کیا کہ ریل کا انجن آگے کو نہ سرکتا تھا۔ میل (MAIL) گاڑی تھی کوئی معمولی پسینجر گاڑی نہ تھی۔ اس لئے ڈرائیور اور گارڈ سب پریشان ہو گئے کہ آخر یہ ہوا کیا کہ گاڑی آگے نہیں جاتی۔ کسی کے سمجھ میں نہیں آیا۔ انجن کو ٹیسٹ کرنے کے لئے ڈرائیور نے گاڑی کو پیچھے کی طرف ڈھکیلا تو گاڑی

پیچھے کی سمت چلنے لگی، انجن بالکل ٹھیک تھا، مگر جب ڈرائیور اسی انجن کو آگے کی طرف ڈھکیلتا تو انجن رک جاتا تھا۔ آخر اتنے میں اسٹیشن ماسٹر جو انگریز تھا اپنے کمرہ سے نکل کر پلیٹ فارم پر آیا اور اس نے ڈرائیور سے کہا کہ انجن کو گاڑی سے کاٹ کر دیکھو آیا چلتا ہے یا نہیں چنانچہ اس نے ایسا ہی کیا۔ انجن کو گاڑی سے کاٹ کر جب چلایا تو بخوبی پوری رفتار سے چلا، کوئی اس میں خرابی نظر نہ آئی۔ مگر جب ریل کے ڈبوں کے ساتھ جوڑ کر اسی انجن کو چلایا گیا تو وہ پھر اسی طرح جام ہوگیا، اور ایک انچ بھی آگے کو نہ چلا۔ ریل کا ڈرائیور اور سب لوگ بڑے حیران و پریشان کہ آخر یہ ماجرہ کیا ہے کہ انجن ریل کے ساتھ جڑ کر آگے کو نہیں جاتا۔ اسٹیشن ماسٹر نے گارڈ سے پوچھا جو نمازیوں کے قریب ہی کھڑا تھا کہ یہ کیا بات ہے کہ انجن الگ کر دو تو چلنے لگتا ہے اور ڈبوں کے ساتھ جوڑ دو تو بالکل پٹری پر جام ہو کر رہ جاتا ہے۔ وہ گارڈ مسلمان تھا اس کے ذہن میں بات آگئی، اس نے اسٹیشن ماسٹر کو بتایا کہ سمجھ میں یہ آتا ہے کہ یہ بزرگ جو نماز پڑھا رہے ہیں کوئی بہت بڑے ولی اللہ معلوم ہوتے ہیں، یقیناً اس کے علاوہ اور کوئی ٹیکنیکل وجہ نہیں۔ اب جب تک کہ یہ بزرگ اور ان کی جماعت نماز ادا نہیں کر لیتی یہ گاڑی مشکل ہی چلے۔ یہ خدا تعالیٰ کی طرف سے ان ولی اللہ کی کرامت معلوم ہوتی ہے۔ بس اب ان کے نماز ادا کرنے تک تو انتظار ہی کرنا پڑے گا۔ اسٹیشن ماسٹر اگرچہ انگریز تھا مگر وہ اولیاء اللہ کو مانتا تھا۔ اس کے یہ بات سمجھ میں آگئی اور وہ کہنے لگا کہ بلا شبہ یہی بات معلوم ہوتی ہے چنانچہ وہ نمازیوں کی جماعت کے قریب آکر کھڑا ہوگیا۔ نماز میں اعلیحضرتؒ کا اور ان کے مریدین کا اس قدر استغراق عبادت اور خشوع و خضوع کا یہ رنگ پر ور منظر دیکھکر بحید متاثر ہوا۔ انگریزی اس کی مادری زبان تھی مگر وہ اردو اور فارسی کا بھی ماہر تھا اور بے تکلف اردو میں کلام کرتا تھا۔ گارڈ کے ساتھ اس کی یہ ساری گفتگو اردو ہی میں تھی۔

غرض اعلیحضرت عظیم البرکتؒ نے سلام پھیرا اور پھر با آواز بلند درود شریف پڑھ کر دعا مانگنے میں مصروف ہوگئے۔ جب یہ دعا سے فارغ ہوئے تو آگے بڑھ کر نہایت ادب کے ساتھ اسٹیشن ماسٹر (انگریز) نے اردو ہی میں عرض کیا کہ حضرت! ذرا جلدی فرمائیں، یہ گاڑی آپ ہی کی مصروفیتِ عبادت کے سبب چل نہیں رہی۔ اعلیحضرتؒ نے فرمایا کہ بس ابھی نماز پڑھ کر ہم لوگ تھوڑی دیر میں فارغ ہونگے اور انشاء اللہ پھر گاڑی چلے گی۔ آپ جانتے ہیں کہ یہ نماز کا وقت ہے، کوئی بھی سچا مسلمان نماز قضا نہیں کر سکتا۔

نماز ہر مسلمان پر فرض ہے ۔ فرض کو کیسے چھوڑا جائے ۔ گاڑی انشاء اللہ نہیں جائیگی
جب تک کہ ہم لوگ اطمینان کے ساتھ نماز ادا نہیں کر لیتے ۔ اسٹیشن ماسٹر پر اسلام کی روحانی
ہیبت طاری ہوگئی ۔ اعلحضرت رح اور ان کے مریدین نے سکون کے ساتھ جب نماز پورے طور پر ادا
کر لی اور دعا پڑھ کر فارغ ہوئے تو اعلحضرت رح نے پاس ہی کھڑے ہوئے انگریز اسٹیشن ماسٹر
سے فرمایا کہ انشاء اللہ اب گاڑی چلے گی ۔ ہم سب لوگ نماز سے فارغ ہو گئے ہیں ۔ یہ کہا اور بمعہ
اپنے سب ہمراہیوں کے گاڑی میں بیٹھ گئے ۔ گاڑی نے سیٹی دی اور چلنے لگی ۔ اسٹیشن ماسٹر نے
اپنے انداز میں سلام کیا اور آداب بجالایا ۔ مگر اس واقعۂ کرامت کا اس کے ذہن اور دل پر
بڑا گہرا اثر پڑا ۔

بہر کیف گاڑی کے ساتھ اعلحضرت رح اور ان کے یہ چند مریدین تو اجمیر شریف روانہ ہو گئے ۔ مگر
اسٹیشن ماسٹر سوچ میں پڑ گیا ، رات بھر وہ اسی غور و فکر میں رہا ، اس کو نیند نہ آئی ۔ صبح اٹھا تو چارج اپنے
ڈپٹی کو سنبھلا کر بمعہ اپنے افرادِ خاندان کے حاضری کے لئے اجمیر شریف کو چل پڑا ، تاکہ وہاں درگاہِ خواجہ
غریب نواز رح میں حاضر ہو کر اعلحضرت رح کے دستِ مبارک پر اسلام قبول کرے ۔ جب اجمیر شریف پہنچا تو
دیکھا کہ درگاہ شریف کی شاہجہانی مسجد میں اعلحضرت رح کا ایمان افروز وعظ ہو رہا ہے ۔ وہ وعظ میں شریک
ہوا ۔ بیان سنا ، اور جب وعظ ختم ہوا تو قریب پہنچ کر اس نے اعلحضرت رح کے ہاتھ چوم لئے ، اور عرض کیا کہ
جب سے آپ پھلیرہ اسٹیشن سے ادھر روانہ ہوئے ہیں میں اس قدر بے چین ہوں کہ مجھے سکون
نہیں آتا ، آخر اپنے افرادِ خاندان کے ہمراہ یہاں حاضر ہو گیا ہوں اور اب آپ کے دستِ مبارک پر اسلام
قبول کرنا چاہتا ہوں ۔ آپ کی یہ روحانی کرامت دیکھکر مجھے اسلام کی آسمانی صداقت کا یقین کامل
ہو گیا ہے ۔ اور مجھے پتہ چل گیا ہے کہ بس اسلام ہی خدائے تعالیٰ کا سچا دین ہے ۔

چنانچہ اعلحضرت امام احمد رضا خاں بریلوی رح نے ہزارہا زائرین دربار خواجہ رح کے سامنے اس
انگریز کو اور اس کے نو افرادِ خاندان کو وہیں کلمہ پڑھایا اور مسلمان کیا ۔ اور خود اس کا اسلامی نام بھی
غوث پاک رح کے نام پر عبدالقادر رکھا ۔ حالانکہ اس کا انگریزی نام رابرٹ (ROBERT) تھا اور
وہ رابرٹ صاحب کے نام سے مشہور تھا ۔ آپ نے اس کو مسلمان کرنے کے بعد سلسلۂ قادریہ میں اپنا مرید
بھی کیا اور پھر ہدایت فرمائی کہ ہمیشہ اتباعِ سنّت کا خیال رکھنا ۔ نماز کسی وقت نہ چھوڑنا ، نماز روزہ
کی پابندی بہت ضروری ہے ۔ اور جب موقعہ ملے تو حج پر بھی ضرور جانا اور زکوٰۃ بھی ادا کرنا اور ہمیشہ
خدمتِ دین کا خیال رکھنا اس لئے کہ اسلام کا پھیلانا بھی قرآن پاک نے ہر مسلمان کے لئے ضروری

قرار دیا ہے۔ اپنے وطن بھی جب جاؤ تو وہاں بھی دین کو پھیلانے کی خدمت انجام دینا۔ یہ بہت بڑی سعادت ہے۔ اب خود بھی قرآن پاک کی تعلیم حاصل کرو اور اپنے ان تمام افرادِ خاندان کو بھی قرآن پاک کی تعلیم دلواؤ۔ غرض آپ نے اسلام اس کے دل میں اتار دیا۔ اور اپنی عارفانہ جنبشِ نگاہ سے اس کے شیشۂ دل کو عشقِ رسول پاک (صلی اللہ علیہ وسلم) کے عطر سے بھر کر اس کی روح کو مہکا دیا وہ اسلام کا شیدا و وارفتہ ہو گیا۔

اس انگریز اور ایک عظیم انگریز کے اس قبول اسلام کا یہ واقعہ اس وقت کا ایک اہم واقعہ تھا، اس لئے کہ یہ انگریز کوئی معمولی درجہ کا انگریز نہ تھا بلکہ ایک ایسے گھرانہ کا فرد تھا جس کے بہت سے افراد ہندوستان میں اور اسی طرح انگلستان میں مناصب جلیلہ پر فائز تھے۔ اہل علم اور باوقار لوگ تھے اور عیسائی مشن کی بڑی سرپرستی کیا کرتے تھے۔ اس انگریز کے بعد افراد خاندان مسلمان ہو جانے کے اس واقعہ سے عیسائی مشنریوں کے جرگہ میں ہل چل پڑ گئی۔ مذہب کے میدان میں ان کی بوئی ہوئی ساری سفید کپاس جل گئی۔ یعنی گورے گھبرا گئے۔ ان کے پادری بوکھلا گئے۔ یہ کیا کم انقلابی واقعہ تھا۔

پھر اس نومسلم انگریز نے جیسا کہ بزرگوں نے بتایا، زندگی بھر اسلام کی بڑی خدمت کی، وہ پھر قرآن کریم ختم کرنے کے بعد ہندوستان سے وطن واپس لوٹ گیا، اور پھر وہاں جا کر اسلام کی خدمت کے لئے وقف ہو گیا۔ اعلیٰحضرتؒ عظیم البرکت کی روحانی کرامت اور عارفانہ جنبش نگاہ نے اس کی ساری کایا پلٹ دی۔ اسے آشنائے عشقِ رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کر کے کام کا آدمی بنا دیا، منزل پر پہنچا دیا، اس کو ملتِ اسلامیہ کا ایک مستحکم ستون بنا دیا، اولیاء اللہ نے ہمیشہ اسی طرح انقلابی طور پر اسلام پھیلایا اور پرچم اسلام کو سربلند کیا۔ ان کا ہر نقش قدم ایک مسلمان کو نجات کی راہ دکھاتا ہے۔ اور بہانگ دھل یہ دعوت دیتا ہے کہ ہمیشہ اولیاء اللہ کے نقش قدم پر چل کر دین کی بے لوث خدمت انجام دو اور اتباعِ سنت کا پورا خیال رکھو۔ بس نجات اسی میں ہے۔

فلسفہ و سائنس

پروفیسر ڈاکٹر مسعود احمد

پیش گفتار

"فوزِ مبین"

مولانا احمد رضا خان بریلوی ۱۸۵۶ء میں بریلی (بھارت) میں پیدا ہوئے اور ۱۹۲۱ء میں یہیں انتقال کیا۔ وہ پچاس سے زیادہ علوم و فنون میں مہارت رکھتے تھے۔ مختلف علوم و فنون پر ان کے ایک سو سے زیادہ عربی اور فارسی کتب و حواشی کے عکس راقم کے ذاتی کتب خانے میں موجود ہیں۔ مولانا بریلوی پاک و ہند کی ایک حیرت انگیز شخصیت تھے۔ انکی علمی تحقیقات اور ادبی تخلیقات پر اظہارِ خیال کرتے ہوئے ازہر یونیورسٹی (قاہرہ) کے پروفیسر محی الدین الوائی نے اپنے عربی مقالے میں لکھا ہے

قديما قيل ان التحقيق العلمى الاصيل
والخيال الذهنى الخصيب لايجتمعان فى
شخص واحد ولاكن مولانا احمد رضا
كان قد برهن على عكس هذ النظرية
التقليدية۔ [1]

ترجمہ: پرانا مشہور مقولہ ہے کہ شخص واحد میں دو چیزیں تحقیقات علمیہ، اور نازک خیالی نہیں پائی جاتیں لیکن مولانا احمد رضا کی ذات اس تقلیدی نظریہ کے برعکس ایک بہترین دلیل ہے۔

مولانا بریلوی علوم عقلیہ و نقلیہ (قدیم و جدیدہ) خصوصاً علم فقہ اور علم ریاضی میں مہارت رکھتے تھے۔ انہوں نے بہت سی کتابوں پر حواشی بھی لکھے ہیں، اور بعض فلاسفر اور سائنس دانوں کے نظریات کا تعاقب بھی کیا ہے۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ ان علوم و فنون میں ان کا علم سرسری نہ

[1] صوت الشرق (قاہرہ) شمارہ فروری ۱۹۷۰ء، ص ۱۶-۱۷

تھا بلکہ اس میں بڑی گہرائی تھی لہ۔ اس سلسلے میں صرف ایک واقعہ پیش کیا جاتا ہے، جو مقالہ علمی "فوزِ مبین در ردِّ حرکتِ زمین" کی تصنیف کا اصل محرک ہے۔

سان فرانسسکو (امریکہ) کے ایک ہیئات دان پروفیسر البرٹ الیف پورٹا نے یہ پیش گوئی کی کہ ۱۷ دسمبر ۱۹۱۹ء کو آفتاب کے سامنے بیک وقت کئی ستاروں کے اجتماع اور ان کی مجموعی کشش کے نتیجہ میں آفتاب میں بڑے بڑے گھاؤ پڑیں گے جس سے ممالک متحدہ میں خصوصاً اور دنیا میں

لہ مختلف علومِ عقلیہ میں مولانا بریلوی کی مہارت پر اب تک مندرجہ ذیل مقالات لکھے جا چکے ہیں۔

۱۔ ایم حسن امام — امام احمد رضا جدید سائنس کی روشنی میں، المیزان (امام احمد رضا نمبر) بمبئی۔ شمارہ مارچ ۱۹۷۵ء ص ۲۹۱-۲۹۷

۲۔ شبیر حسن بستوی — امام احمد رضا بحیثیت منطقی و فلسفی، حوالۂ مذکورہ، ص ۲۹۸-۳۰۱

۳۔ علامہ شبیر احمد غوری — عہدِ حاضر کا تہافت الفلاسفہ، ماہنامہ اشرفیہ (مبارک پور اعظم گڑھ) شمارہ دسمبر ۱۹۸۰ء ص ۱۹-۲۵

۴۔ علامہ عبدالمنان — اعلیٰ حضرت کا علمِ ریاضی میں کمال، حوالہ مذکور، ص ۱۰-۱۸

۵۔ ڈاکٹر محمد مسعود احمد — حیات مولانا احمد رضا خان بریلوی، مطبوعہ لاہور ۱۹۸۱ء ص ۹۷-۱۱۶

۶۔ ڈاکٹر محمد مسعود احمد — جدید و قدیم سائنسی افکار و نظریات اور امام احمد رضا، معارف رضا (کراچی) شمارہ ۱۹۸۱ء، ص ۲۲-۳۴

۷۔ پروفیسر ابرار حسین — رسالہ در علم لوگارثم کے چند حواشی، حوالہ مذکور، ص ۴۰-۴۴

۸۔ سید ریاست علی قادری — ایک عظیم سائنسدان، حوالۂ مذکور ص ۹۰-۹۷

۹۔ شاد گیلانی — علم جفر اور امام احمد رضا خان بریلوی، معارف رضا (کراچی) شمارہ ۱۹۸۳ء، ص ۱۶۱-۱۷۰

۱۰۔ ظاہر شاہ قادری — امام احمد رضا علم الآثار کا عظیم محقق، حوالۂ مذکور ص ۱۷۳-۱۷۵

۱۱۔ پروفیسر ابرار حسین — استخراج لوغارثمات اور اعلیٰ حضرت، حوالۂ مذکور ص ۲۰۹-۲۱۶

۱۲۔ ڈاکٹر محمد مسعود احمد — نظریۂ حرکت زمین اور احمد رضا خان بریلوی، ماہنامہ اظہار (کراچی) شمارہ جون ۱۹۸۳ء ص ۲۱-۲۲-۲۵ مسعود

عموماً زبردست تباہی مچے گی۔ یہ پیش گوئی ہندوستانی اخبار ایکسپریس (بانکی پور، پٹنہ) کے ۱۸
اکتوبر ۱۹۱۹ء کے شمارے میں شائع ہوئی۔ جب علامہ محمد ظفر الدین بہاری (والد ماجد مختار الدین آرزو
صدر شعبۂ عربی مسلم یونیورسٹی علی گڑھ) نے مولانا بریلوی سے اس سلسلے میں استفسار کیا اور اخبار
کی کٹنگ بھیجی تو آپ نے اس پیش گوئی کو لغو قرار دیا اور اس کے رد میں ایک تحقیقی مقالہ بعنوان:-

معین مبین بہر دور شمس و سکون زمین (۱۹۱۹ء)

تصنیف فرمایا جو فوری طور پر ماہنامہ الرضا بریلی کے دو شماروں میں شائع ہوا[۱]۔ پھر کتابی
صورت میں لاہور سے شائع ہوا[۲]۔ جب ۱۷ دسمبر کا دن آیا تو دنیا کے ماہرین ہیئت داں دن بھر
دوربینیں لگائے آسمان کو تکتے رہے مگر شام کو ان کی نگاہیں خائب اور خاسر واپس لوٹیں اور وہی
ہوا جو مولانا بریلوی نے کہا تھا۔ مغربی ہیئت دانوں پر مولانا بریلوی کی یہ پہلی کامیابی تھی جس کو کسی
طرح نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔ اسی قسم کی ایک پیش گوئی ناسا (امریکہ) کے خلائی مرکز کے دو
سائنس دانوں نے ۱۹۷۴ء میں کی تھی۔ ۱۹۸۳ء میں سورج کے ایک طرف خط مستقیم میں سیاروں کے
جمع ہو جانے سے سورج کے مرکز میں زبردست تبدیلیاں واقع ہوں گی جس کے نتیجہ میں زمین پر
زبردست زلزلے آئیں گے، اور جو بالآخر کرۂ ارضی کی تباہی پر ختم ہوں گے۔ لیکن فلوریڈا یونیورسٹی میں
علم کائنات کے پروفیسر ٹیلگفری نے خلائی تحقیق کے ادارے کو یقین دلایا کہ دنیا تباہ نہیں ہوگی۔
اور وہی بات کہی جو مولانا بریلوی نے ۶۴ سال قبل ۱۹۱۹ء میں کہی تھی۔

پروفیسر ٹیلگیفری نے کہا:-

> ستاروں کے خط مستقیم میں جمع ہونے کے واقعات شاذ و نادر ہی
> واقع ہوتے ہیں مگر ان کے اثرات بہت کمزور ہوتے ہیں[۳]

پروفیسر البرٹ ایف پورٹا کی یہ پیش گوئی اور مقالہ معین مبین بر دور شمس و سکون زمین
فوز مبین کا محرک ثابت ہوا۔ چنانچہ ۱۹۱۹ء ہی میں اس کی تصنیف کا آغاز ہو گیا۔ مولانا بریلوی

---

[۱] الرضا (بریلی) شمارہ صفر ۱۳۳۴ھ/۱۹۱۹ء اور ربیع الاول ۱۳۳۴ھ/۱۹۱۹ء
[۲] یہ رسالہ مرکزی مجلس رضا نے لاہور سے ۱۹۸۰ء میں شائع کیا۔ مسعود
[۳] احمد رضا خاں بریلوی معین مبین بہر دور شمس و سکون زمین، قلمی، ص ۱۴

معین مبین میں ایک جگہ لکھتے ہیں:۔

اس کے بعد بفضلہ تعالےٰ جاذبیت کے ردّ، نافریت زمین کے ردّ میں، حرکت زمین کے ردّ میں اور مضامین نفیسہ خیال میں تھے کہ آج تک کسی کتاب میں نہ ملیں گے۔ ان کا بیان یہاں موجب طول ہوگا۔ لہٰذا انہیں ان شاء اللہ العزیز ایک مستقل رسالہ کریں۔[۱]

۱۹۱۹ء میں اسلامیہ کالج لاہور کے پرنسپل اور پاک و ہند کے ممتاز ریاضی داں پروفیسر مولوی حاکم علی[۲] کے ایک علمی خط کے جواب میں ایک مقالہ لکھا۔ اس میں فوز مبین کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:۔

آپ نے دلائل حرکتِ زمین کتب انگریزی سے نقل فرمائے، الحمد للہ ان میں کوئی نام کو تام نہیں۔ سب پادر ہوا ہیں۔ زندگی بالخیر ہے تو آپ ان شاء اللہ تعالیٰ ان کا سب کا ردّ بلیغ فقیر کی کتاب فوز مبین کی فصل چہارم میں دیکھیں گے۔[۳]

پھر جب ۱۹۲۰ء میں فوز مبین مکمل ہو گئی تو ایک کتاب میں اس کا یوں ذکر کرتے ہیں:۔

فقیر نے ردّ فلسفہ جدیدہ میں ایک مبسوط کتاب مسمّٰی بنام تاریخی "فوز مبین در ردّ حرکت زمین" جس میں ۱۰۵ دلائل سے حرکت زمین باطل کی ہے۔[۴]

۱۔ حسنین رضا خاں: یادگارِ حسنین، (زیر طبع) ب۔ پروفیسر محمد صدیق پروفیسر مولوی حاکم علی مطبوعہ لاہور ۱۹۸۳ء

۲۔ پروفیسر مولوی حاکم علی اپنے وقت کے مشہور ریاضی داں اور صاحب تصنیف بزرگ تھے۔ مولانا بریلوی سے گہری عقیدت رکھتے تھے۔ سائنسی موضوعات پر مراسلت کے ذریعے تبادلہ خیال کرتے رہتے اور بریلی جا کر بالمشافہ گفتگو کرتے اور سائنسی تجربات بھی کرتے۔ ان کا قیام ایک ایک ماہ رہتا۔

۳۔ امام احمد رضا خاں بریلوی، نزولِ آیاتِ فرقان بسکونِ زمین و آسمان مطبوعہ بریلی ص ۲۵

۴۔ امام احمد رضا خاں بریلوی، الکلمۃ الملہمہ مطبوعہ دہلی ۱۹۷۶ء۔ ص۔ ۵

فوز مبین ایک اور مقالہ علمی کی محرک ثابت ہوئی۔ چنانچہ فوز مبین کی فصل سوم میں ذیلی حاشیہ لکھا جس میں وہ دلائل نقل کئے جو فلاسفۂ قدیمہ نے ردِ حرکتِ زمین پر دیئے ہیں۔ مولانا بریلوی نے ان دلائل کے ابطال میں تیس دلائل پیش کئے اور تمام ابحاث کو الکلمۃ الملہمہ فی الحکمۃ الحکمہ لوہاء فلسفۃ المشئمہ میں پیش کیا۔

فوز مبین کا اصل مسودہ بریلی (بھارت) میں دار العلوم منظر اسلام کے کتب خانے میں موجود ہے جیساکہ مولوی محمد عرفان الحق بریلوی سے معلوم ہوا یہ مسودہ ڈھائی تین سو صفحات پر مشتمل ہے۔ مولانا بریلوی کی حیات میں فوز مبین کے تقریباً ۹۷ صفحات ماہنامہ الرضا (بریلی) میں شائع ہوئے [۱] اس وقت فوز مبین کا مطبوعہ مقدمہ شائع کیا جارہا ہے جو جناب سید ریاست علی قادری (نگرانِ اعلیٰ ادارۂ تحقیقات امام احمد رضا کراچی) کی کوششوں سے ملا ہے۔ اس مقدمے میں مفرداتِ ھیئاہ جدیدہ کا بیان ہے جن سے رسالہ فوز مبین میں کام لیا گیا ہے۔ باقی فوز مبین میں جو کچھ ہے اس کی تفصیلات خود مولانا بریلوی نے مقدمے کے صفحہ ۳ پر بیان کردی ہیں۔ مختصراً یہ کہ اس رسالے میں مولانا بریلوی نے حرکتِ زمین کے رد میں ۱۰۵ دلیلیں دی ہیں جن میں سے پندرہ اگلی کتابوں کی ہیں اور ۹۰ دلائل خود مولانا بریلوی کے فکرِ رسا کی تخلیق ہیں۔ جو اہلِ علم کے لئے قابلِ مطالعہ ہیں۔

مولانا بریلوی کا اندازِ فکر منطقی ہوتے ہوئے بھی مذہبی تھا۔ چنانچہ جب پروفیسر حاکم علی نے ان کو لکھا:-

> "غریب نواز کرم فرماکر میرے ساتھ متفق ہوجاؤ تو پھر انشاء اللہ تعالیٰ سائنس کو اور سائنس دانوں کو مسلمان کیا ہوا پائیں گے" [۲]

مولانا بریلوی نے اس کا جو جواب دیا مسلمان سائنس دانوں کے لئے قابلِ توجہ ہے۔ آپ نے لکھا:

> "محب فقیر سائنس یوں مسلمان نہ ہوگی کہ اسلامی مسائل کو آیات و نصوص میں تاویلات دور از کار کرکے سائنس کے مطابق کر لیا جائے۔ یوں تو معاذ اللہ اسلام نے سائنس قبول کی نہ کہ

---

[۱] الرضا (بریلی) رجب ۱۳۳۸ھ / ۱۹۲۰ء لغایت جمادی الثانی ۱۳۳۹ھ / ۱۹۲۰ء۔ نوٹ۔ فوز مبین کا یہ مطبوعہ حصہ ماہنامہ حسن (پیلی بھیت بھارت) میں بھی شائع ہوا۔ اور اب ماہنامہ سنی دنیا (بریلی) میں قسط وار شائع ہو رہا ہے۔ مسعود

[۲]۔ احمد رضا خان بریلوی: نزولِ آیاتِ فرقان بسکونِ زمین و آسمان مطبوعہ لکھنؤ ص ۲۴

سائنس نے اسلام۔ وہ مسلمان ہوگی تو یوں کہ جتنے اسلامی مسائل
سے اسے اختلاف ہے سب میں مسئلہ اسلامی کو روشن کیا جائے
دلائل سائنس کو مردود و پامال کر دیا جائے۔ جابجا سائنس ہی
کے اقوال سے مسئلہ اسلامی کا اثبات ہو۔ سائنس کا ابطال و اسکات
ہو۔ یوں قابو میں آئیگی اور یہ آپ جیسے فہیم سائنس داں کو باذنہ
تعالیٰ دشوار نہیں۔ آپ اسے چشم پسند دیکھتے ہیں۔ ع

وعین الرضا عن کل عیب کلیلۃ [1]

مولانا احمد رضا خاں بریلوی نے نیوٹن اور آئن اسٹائن کے نظریات کا تعاقب کیا ہے اور اپنے منطقی دلائل دیئے ہیں۔ اس مخالفت میں وہ تنہا نہیں بلکہ اور سائنس داں بھی ہیں۔ ۱۹۸۲ء میں رانچور (صوبہ کرناٹک بھارت) میں ہندوستانی سائنسدانوں کی ایک دوروزہ کانفرنس ہوئی جس میں بعض سائنسدانوں نے اپنے ۲۳ سالہ تجربے اور مشاہدے کی بنا پر نیوٹن کے نظریۂ کشش ثقل کو رد کیا۔ اور دوسرے سائنسدانوں کو دعوتِ غور وفکر دی۔ اسی طرح مسٹر برنٹ (BARNETT) نے اپنی کتاب THE UNIVERSE AND DR. EINSTIEN میں نظریۂ اضافت کے حوالے سے لکھا ہے کہ آئن اسٹائن کی نظر میں:-

دنیا میں کوئی ایسا متعین ضابطہ اور معیار نظر نہیں آتا جس
سے انسان حتمی طور پر زمین کی حرکت کا اندازہ کرسکے یا دوسرا
کوئی متحرک نظام معلوم کرسکے۔ نہ کوئی ایسا طبیعاتی تجربہ کبھی
ہوا جس سے یہ ثابت ہوسکے کہ واقعی زمیں حرکت کر رہی ہے۔ [2]

آئن اسٹائن کے اتنے مخالفین پیدا ہوگئے کہ جرمنی سے ایک کتاب شائع ہوئی ہے جس کا عنوان ہے [3] (100 AUTHORS AGAINST EINSTIEN)

---

[1] احمد رضا خاں بریلوی: نزول آیات فرقان بسکون زمین و آسمان۔ مطبوعہ لکھنؤ ص۔ ۲۴

[2] BARNETT : THE UNIVESE AND EINSTIEN , CH. 10 P.79

[3] HIGHER EDUCATION NEWS, ISLAMABAD APRIL 1983. P.2 بحوالہ اخبار جنگ کراچی شمارہ ۹ مئی ۱۹۸۳ء

یعنی آینسٹائن کے خلاف ایک "سو مصنفین" کتاب نظر سے نہیں گذری ورنہ تفصیلاً عرض کیا جاتا ہے۔

کچھ عرصے سے حرکتِ زمین کا مسئلہ پاکستانی سائنس دانوں اور فلاسفہ میں بھی زیر بحث آرہا ہے مثلاً ایک فاضلہ زہرا مرزا قادری نے چند سال ہوئے نظریۂ حرکتِ زمین کو باطل قرار دیا تھا۔ انکو کیلیفورنیا یونیورسٹی (امریکہ) میں اس مسئلے پر تبادلۂ خیال کے لئے دعوت بھی دی گئی تھی [۱] پاکستان کے ایک ممتاز فلسفی اور دانشور سید محمد تقی (کراچی) نے بھی نظریۂ حرکتِ زمین کو باطل قرار دیا تھا، اور لکھا تھا کہ وہ ۴۵ سال سے اس مسئلہ پر غور کر رہے تھے اور بالآخر اس نتیجے پر پہنچے کہ نظریۂ حرکتِ زمین باطل ہے [۲] سید محمد تقی نے نظریۂ حرکتِ زمین کے سلسلے میں آینسٹائن کی توجیہہ کو تاریخ کی سب سے زیادہ غیر معقول توجیہہ قرار دی۔ سید محمد تقی کے نزدیک خود آینسٹائن یا نیکلسن اور ریارلے وغیرہ نے ایسے تجربے کئے تھے جس سے نظریۂ حرکت زمین کا ابطال ہوتا تھا۔ مگر سائنسدانوں نے ان کو تسلیم کرنے سے انکار کر دیا [۳] پروفیسر ڈاکٹر عبدالسلام کے رفیق کار پروفیسر وائن برگ نے اپنی کتاب "کائنات کی عمر کے پہلے تین منٹ میں ایک ایسے تجربے کا ذکر کیا ہے جس سے نظریۂ حرکت زمین کی تردید ہوتی ہے۔ پاکستان کے ایک فاضل اصغر علی (چیئرمین انٹرنیشنل سوسائٹی آف ریسرچ اسکالرز) نے اپنے ایک مقالے :-

"قرآن حکیم زمین کو ساکن قرار دیتا ہے"۔

میں نظریۂ حرکتِ زمین کو باطل قرار دیتا ہے [۴] اور مسٹر برنٹ Barnet کے حوالے سے خود آینسٹائن کے بارے میں لکھا ہے کہ اس کے نزدیک ایسا کوئی ضابطہ نہیں جس سے حرکتِ زمین کو ثابت کیا جاسکے۔

نیوٹن اور آئنسٹائن کے نظریات جب زیر بحث آرہے ہیں تو کوئی وجہ نہیں کہ مولانا احمد رضا خاں

---

[۱] اخبار جنگ (کراچی) شمارہ ۱۱ مئی ۱۹۸۰ء

[۲] اخبار جنگ (کراچی) شمارہ یکم فروری ۱۹۸۲ء

[۳] اخبار جنگ (کراچی) شمارہ ۲۰ جنوری ۱۹۸۲ء

[۴] اخبار جنگ (کراچی) شمارہ ۲۳ مئی ۱۹۸۳ء

بریلوی کے تعاقبات اور تنقیدات کا مطالعہ نہ کیا جائے اور ان کو توجہ سے نہ پڑھا جائے۔ مولانا بریلوی آئن اسٹائن کے معاصرین میں تھے۔ اور انہوں نے خود اس کے عہد میں اس پر تنقید کی ہے۔

راقم نے فوز مبین کے بعض مطبوعہ صفحات پروفیسر ڈاکٹر عبدالسلام (نوبل انعام یافتہ) کو المرکز الدولی للفیزیاء النظریۃ ٹریسٹ (اٹلی) بھیجے تھے۔ موصوف نے مطالعہ کے بعد یہ اظہار خیال فرمایا:۔

> حضرت مولانا نے موجودہ طبیعات کے نظریوں کا رد ابو علی سینا
> کے وقت کے طبیعاتی نظریوں سے کیا ہے جو آج کے تجربے اور
> مشاہدے سے مطابقت نہیں رکھتے۔ [۱]

انہوں نے مزید لکھا۔

> مجھے خوشی بھی ہوئی کہ حضرت مولانا نے اپنے دلائل میں AXIOMATIC
> اور LOGICAL پہلو مدنظر رکھا ہے۔ اور کہیں یہ رائے ظاہر نہیں فرمائی
> کہ ان کے خیالات کو نہ ماننے والا دائرہ اسلام سے باہر ہے۔
> الحمد للہ علی ذالک [۲]

ڈاکٹر صاحب نے نیوٹن کے نظریات کے بارے میں لکھا ہے۔

> جس طرح ہم نے پہلے خط میں عرض کیا تھا نیوٹن کے نظریات
> کی صداقت مشاہدۂ SATELLITE کی گردش (زمین کے گرد)
> سے ہوتی ہے۔ اس کی رفتار، اس کی روش، اس کا ORBIT
> حرف بحرف اسی طرح ہے جس طرح نیوٹن نے اپنے نظریات
> میں بیان کیا ہے [۳]

مولانا احمد رضا خان بریلوی کے سائنسی افکار کے بارے میں پروفیسر ابرار حسین (شعبہ بنیادی سائنس علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی اسلام آباد) کی رائے کچھ مختلف ہے۔ موصوف نے بھی فوز مبین کے بعض صفحات کا مطالعہ کیا ہے اور اس کا انگریزی ترجمہ کرا کے اس پر مفید حواشی بھی لکھے ہیں

---

[۱] - مکتوب محررہ ۱۳ اپریل ۱۹۸۳ء از ٹریسٹ۔ اٹلی۔ [۲] مکتوب مذکور [۳] مکتوب مذکور

ان کی رائے ہے:

"کوئی بھی سائنس داں نہیں کہہ سکتا کہ کوپرنیکس کا نظریہ (حرکت زمین) ثابت ہوچکا ہے کیوں کہ یہ نظریات، تجربات و مشاہدات پر مبنی ہیں اعلیٰ حضرت کی ضرب دراصل نیوٹن کے نظریات پر ہے۔ یہ مسلمہ حقیقت ہے کہ نیوٹن کے نظریات اور مشاہدات میں تفاوت پایا جاتا تھا۔ جو کتنا چھوٹا ہی کیوں نہ ہو موجود ضرور تھا اور جدید ترین آلات پر مبنی مشاہدات اس کی توثیق کر رہے تھے۔ آئن اسٹائن کے نظریۂ اضافی کے ذریعے نیوٹن کے ان نظریات کو درست کیا گیا۔ اعلیٰ حضرت کی تحریر کو سرسری دیکھ کر ہی رد کر دینا میرے خیال میں غیر سائنسی فعل ہے خصوصاً اس صورت میں جب کہ کچھ نامور سائنسداں بھی اس قسم کے نظریات آج بھی رکھتے ہوں۔ میں خود ترجمہ کرنے کی کوشش کر رہا ہوں۔ کام کچھ شروع کیا ہے"۔ [1]

جیسا کہ عرض کیا گیا۔ فوزمبین کا کامل مسودہ دار العلوم منظر اسلام (بریلی) موجود ہے۔ اگر کوئی ایسے فاضل اس کو مرتب کریں جو طبیعات و فلکیات میں مہارت کے ساتھ ساتھ عربی و فارسی مصطلحات سے بھی واقف ہوں تو یہ ایک علمی خدمت ہوگی۔ تدوین کے وقت مندرجہ ذیل امور پیش نظر رکھے جائیں تو مناسب ہوگا۔

۱۔ فوزمبین کے جملہ مضامین کی ایک مفصل فہرست مرتب کی جائے۔

۲۔ جن سائنس دانوں کے خصوصی حوالے دیئے گئے ہیں ان کے سوانحی اور علمی کوائف درج کئے جائیں۔

۳۔ جن کتابوں کے حوالے دیئے گئے ان کا تعارف کرایا جائے۔

۴۔ جن نظریات کا ذکر کیا گیا ہے ان کے مخالف اور موافق آرا کو جمع کر کے شامل کیا جائے۔ اور جدید ترین نظریات کا اضافہ کیا جائے۔

۵۔ ضروری اشاریے مرتب کئے جائیں۔

---

[1] مکتوب محررہ ۲۰ مئی سنہ از اسلام آباد

۶۔ نوز مبین کے ساتھ ان علمی مقالات کو شامل کیا جائے۔ جو اس کا محرک بنے۔ جیسے معین مبین یا بطور ضمیمہ لکھے گئے جیسے الکلمتہ الملہمہ یا اس موضوع پر لکھے گئے جیسے نزول آیات فرقان وغیرہ۔

علوم عقلیہ خصوصاً علوم ریاضیہ میں مولانا بریلوی کے رسائل وحواشی زیادہ تر عربی اور فارسی میں ہیں۔ ان کو وہی سمجھ سکتا ہے جو زبان پر بھی عبور رکھتا ہو اور فن پر بھی۔ خصوصاً عربی اور فارسی مصطلحات فن پر۔ مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کے وائس چانسلر ڈاکٹر سر ضیاالدین مرحوم جب ایک علمی مسئلے پر استفسار کے سلسلے میں مولانا بریلوی سے ملے تو انہوں نے اس ضرورت پر زور دیا کہ یہ محققانہ رسائل اردو یا انگریزی میں منتقل کئے جائیں۔ ناسا (امریکہ) کے ایک سائنسی ادارے کے پاکستانی پروفیسر ڈاکٹر قیصر کو جب راقم کے ایک عزیز سے یہ معلوم ہوا کہ مولانا بریلوی کے ایسے علمی رسائل عربی اور فارسی میں ہیں تو انہوں نے فرمایا کہ ان کے ادارے میں ایک فاضل طبیعات وفلکیات کے ماہرین ہیں، اور عربی بھی جانتے ہیں یہ رسائل امریکہ بھیج دیئے جائیں تاکہ ان کو دکھائے جائیں اور کام کرایا جائے۔

اس میں شک نہیں مولانا بریلوی کے ان علمی رسائل کا مطالعہ فائدے سے خالی نہ ہوگا۔ مولانا بریلوی نے علوم ریاضیہ میں جو کچھ لکھا اور جو کچھ قواعد وضوابط منضبط کئے۔ اس سے اہل علم استفادے کے ساتھ ساتھ یہ اندازہ لگا سکتے ہیں کہ ان کے فکر کی رفتار کتنی تیز تھی۔ اور وہ اپنے زمانے سے کتنے آگے چل سکتے تھے۔ عبقری شخصیات کا یہ امتیاز خاص ہے کہ وہ سرعت فکر وتحریر میں اپنے زمانے سے بہت بلند ہوتے ہیں۔ مولانا بریلوی نے سائنسی نظریات کے بارے میں جس انداز سے سوچا ہے۔ اور جس انداز سے ان پر تنقید کی ہے۔ ممکن ہے کہ ان کے بعد بعض سائنسدانوں نے اسی انداز پر سوچا ہو، اس لئے مولانا بریلوی اور ایسے سائنسدانوں کے افکار کے تقابلی جائزے سے معلوم ہوگا کہ اولیت اور اولویت کس کو حاصل ہے؟

بہرحال پاکستان اور ہندوستان کے تحقیقی اور سائنسی اداروں کا فرض ہے کہ وہ مولانا احمد رضا خان بریلوی کی ایسی نگارشات کو منظر عام پر لائیں۔ جن کا تعلق علوم جدیدہ سے ہے۔ ان کے علاوہ دوسرے علوم عقلیہ ونقلیہ میں انہوں نے جو کچھ لکھا ہے اس پر تحقیق وریسرچ کی ضرورت ہے۔ راقم کا موضوع سائنس نہیں اس لئے جو کچھ عرض کیا گیا وہ محض طالب علمانہ ہے اور اس کا مقصد وحید اہل علم واہل فن کو مولانا بریلوی کی سائنسی وعلمی تصنیفات کی طرف متوجہ کرنا ہے۔

بحمدہ تعالیٰ

یہ مبارک رسالہ جسمیں ایک سو پانچ دلیلوں سے حرکت زمین کا رد ہے اور عند التفصیل بارہ رد
نافریت پر ہیں پچاس رد جاذبیت پر بہتر دلیلوں سے زمین کا اپنے محور پر گھومنا باطل کیا ہے
پچاس دلیلوں سے زمین کا گرد آفتاب دورہ کرنا باطل کیا ہے فلسفہ جدیدہ کو خود فلسفہ جدیدہ
کے اصول سے رد کیا ہے ایک تذییل میں فلسفہ قدیمہ کا رد ہے جس نے فن فلکیات کا اصلاً کوئی
حرف سلامت نہ رکھا فن طبعی الاجسام کے وہ مسائل جن پر اسکا توقف تھا انکی ابحاث کے وہ مسائل باطل کیے
ہیں سارا فلسفہ برباد گیا مسلمان طلبہ کو اسکا دیکھنا واجب ہے کہ دین سلامت رہے اور دونوں فلسفوں کی خرافات سے کوئی تزلزل آنے پائے

مسمّٰی بنام تاریخی

فوز مبین در رد حرکت زمین

۱۳۳۸ھ

تصنیف لطیف

اعلیٰحضرت پیشوائے اہل سنت مجدد مائۃ حاضرہ مؤید ملت طاہرہ جناب مولانا مولوی
حاجی قاری شاہ محمد احمد رضا خان صاحب متع المسلمین بطول بقائہم

حسنین رضا نے اپنے مطبع حسنی بریلی میں چھاپکر شائع کیا

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم

الحمد للہ الذی یمسک السمٰوٰت والارض ان تزولا ولئن زالتا ان امسکھما من احد من بعدہ انہ کان حلیما غفورا + سخر لکم الفلک لتجری فی البحر بامرہ وسخر لکم الانھٰر + وسخر لکم الشمس والقمر دائبین وسخر لکم الیل والنھار وسخر الشمس والقمر کل یجری لاجل مسمی الا ھو العزیز الغفار + ربنا ما خلقت ھذا باطلا سبحٰنک فقنا عذاب النار + قلت وقولک الحق والشمس تجری لمستقر لھا ذٰلک تقدیر العزیز العلیم + والقمر قدرنٰہ منازل حتی عاد کالعرجون القدیم + فصل وسلم وبارک علی شمس اقمار النبوۃ والرسالۃ + عارج معارج اوج العزۃ والجلالۃ + بحیث لم یبق لاحد مرمی + ان الی ربک المنتھٰی + وعلی اٰلہ وصحبہ وابنہ وحزبہ ما طلعت شمس + وکان الیوم بین غد وامس + اٰمین۔

الحمد للہ وہ نور کہ طور سینا سے آیا اور جبل ساعیر سے چمکا اور فاران کہ معظمہ کے پہاڑوں سے فائض الانوار ہو عالم آشکار ہوا شمس و قمر کا چلنا اور زمین کا سکون روشن طور پر لایا آج جس کا خلاف سکھایا جاتا اور مسلمان ناواقف نادان لڑکوں کے ذہن میں جگہ پاتا اور انکے ایمان اسلام حرف لاتا ہے والعیاذ باللہ تعالیٰ فلسفہ قدیمہ بھی اس کا قائل نہ تھا جس نے اجمالاً اسپر کافی بحث کی جو اس کے اپنے اصول پر مبنی اور اصول مخالفین سے اجنبی تھی فقیر بارگاہ عالم پناہ

مصطفوی عبد المصطفٰے احمد رضا محمدی سنی حنفی قادری برکاتی بریلوی غفر اللہ لہ وحقق أملہ کے دل میں ملک الہام نے ڈالا کہ اس میں باذنہ تعالےٰ ایک شافی وکافی رسالہ لکھے اور اس میں ہیأت جدیدہ ہی کے اصول پر بنائے کار رکھے کہ اسی کے اقراروں سے اس کا زعم زائل اور حرکت زمین و سکون شمس بداہۃً باطل ہو وباللہ التوفیق۔ یہ رسالہ مسمّٰی بنام تاریخی فوز مبین در رد حرکت زمین (۱۳۳۸ھ) ایک مقدمہ اور چار فصل اور ایک خاتمہ پر مشتمل۔ مقدمہ میں مقررات ہیأت جدیدہ کا بیان جن سے اس رسالہ میں کام لیا جائیگا۔ فصل اول میں نافریت پر بحث اور اس سے ابطال حرکت زمین پر بارہ ۱۲ دلیلیں۔ فصل دوم میں جاذبیت پر کلام اور اس سے بطلان حرکت زمین پر پچاس دلیلیں۔ فصل سوم میں خود حرکت زمین کے ابطال پر اور تینتالیس ۴۳ دلیلیں۔ بحمدہ تعالےٰ بطلان حرکت زمین پر ایکسو پانچ دلیلیں ہوئیں جن میں پندرہ ۱۵ اگلی کتابوں کی ہیں جن کی ہم نے اصلاح کی اور پورے نوّے ۹۰ دلائل نہایت روشن و کامل بفضلہ تعالیٰ خاص ہمارے ایجاد ہیں۔ فصل چہارم میں ان شبہات کا رد جو ہیأت جدیدہ اثبات حرکت زمین میں پیش کرتی ہے۔ خاتمہ میں کتب الٰہیہ سے گردش آفتاب و سکون زمین کا ثبوت والحمد للہ مالک الملک والملکوت

مقدمہ امور مسلمہ ہیأتِ جدیدہ میں

ہم یہاں وہ امور بیان کریں گے جو ہیأتِ جدیدہ میں قرار یافتہ وتسلیم شدہ ہیں واقع میں صحیح ہوں یا غلط جذب و نفرت و حرکت زمین کے رد میں تو یہ رسالہ ہی ہے اور اغلاط پر تنبیہ بھی کردیں گے وباللہ التوفیق (۱) ہر جسم میں دوسرے کو اپنی طرف کھینچنے کی ایک قوت طبعی ہے جسے جاذبیہ یا جاذبیت کہتے ہیں اس کا پتا نیوٹن کو سنہ ۱۶۶۵ء میں اُس وقت چلا جب وہ وبا سے بھاگ کر کسی گاؤں کے باغ میں تھا کہ درخت سے سیب ٹوٹا اُسے دیکھ کر اسے سلسلۂ خیالات چھوٹا جس سے قواعد کشش کا بھبوکا چھوٹا۔ اقول سیب گرنے اور جاذبیت کا سبب جان گئے میں علاقہ بھی ایسا ہی لزوم کا تھا کہ وہ گرا اور یہ اُچھلا کیونکہ اُس کے سوا اسکا کوئی سبب ہو سکتا ہی نہ تھا اسکی پوری بحث تو فصل دوم میں آتی ہے سنہ ۱۶۶۵ء تک ہزارہا برس کے عقلا سب اس فہم سے محروم گئے تو گئے تعجب یہ کہ اس سیب سے پہلے نیوٹن نے بھی کوئی چیز زمین پر گرتے نہ دیکھی یا جبتک اُسکا کوئی اور سبب

خیال میں تھا جسے اس سیب نے گر کر توڑ دیا۔

(۲) اجسام میں اصلاً کسی طرف اُٹھنے گرنے سرکنے کا میل ذاتی نہیں بلکہ اُن میں بالطبع قوت ماسکہ ہے کہ حرکت کی مانع اور تاثیر قاسر کی تا حد طاقت مدافع ہے۔ یہ قوت ہر جسم میں اُس کے وزن کے لائق ہوتی ہے ولہٰذا ایک جسم سے کوئی حصہ جدا کرکے دوسرے میں شامل کرو تو اس کی نسبت پر اوّل میں گھٹ جائیگی اور دوسرے میں بڑھ جائے گی۔ **اقول** اولاً خود جسم میں یہ قوت ہونے پر کیا دلیل ہے اگر کہیے تجربہ کہ ہم جتنے زیادہ وزنی جسم کو حرکت دینا چاہتے ہیں زیادہ مقابلہ کرتا اور قوی طاقت مانگتا ہے **اقول** جذب زمین کدھر بھلا یا زمین اُسے کھینچ رہی ہے تم اُسے جدا حرکت دینی چاہتے ہو اُس کی روک کا احساس کرتے ہو یہ تمہارے طور پر ہے اگرچہ یقیناً باطل ہے جس کا بیان فصل دوم میں آتا ہے اور ہمارے نزدیک جسم کا میل طبعی اپنے خلاف جہت میں مزاحمت کرتا ہے مطلقاً حرکت سے (۱)۔ یہ تو تمہارا تخیل ہے اور فلسفہ قدیمہ اس کے عکس کا قائل ہے کہ ہر ایک جسم میں کوئی نہ کوئی میل مستقیم خواہ مستدیر ضرور ہے وہ اپنے خلاف میل کی مدافعت کریگا اور موافق کی معاونت جیسے پتھر اوپر پھینکنے اور نیچے گرانے میں اس کا بھی بعونہ تعالیٰ تذییل فصل سوم میں آتا ہے ہمارے نزدیک اجسام مشہودہ میں میل ہے سب میں ہونا کچھ ضرور نہیں ممکن کسی میں پائی نہ گئی اور ہو تو کچھ مخدور نہیں ثانیاً یہ اخیر فقرہ بیان کیا ہے جس نے تمام ہیأت جدیدہ کا تسمہ لگا نہ رکھا جس کا بیان آتا ہے ان شاء اللہ تعالیٰ اور یہ تمہاری اپنی نہیں بلکہ نیوٹن صاحب کی اپنی جاذبیت پر عنایت ہے کہ نمبر ۵ میں آتی ہے۔

(۳) ہر جسم بالطبع دوسرے کے جذب سے بھاگتا ہے اس قوت کا نام نافرہ ہے۔ دافعہ، طارِدہ نافرہ ہے **اقول** جاذبہ تو سیب کے گرنے سے پہچانی یہ کاہے سے جانی شاید سیب گر کر نیچے دیکھا تو زمین تھی اُس کا جذب خیال میں آیا اور پر دیکھا تو سیب شاخ سے بھاگتا پایا یوں نافرہ کا ذہن لڑایا حالانکہ نیچے لانے کو ان میں ایک کافی ہے۔ کہیے حدائق النجوم میں کہا برابر سطح پر گولی پھینکیں تو بالطبع خط مستقیم پر جاتی ہے یہ نافرہ ہے **اقول** پھینکیں میں اسکا جواب ہے آہستہ رکھدیں کہ جنبش نہ ہو تو بال بھر نہ سرکے گی ہاں سطح پوری لیول میں نہ ہو تو ڈھال کی طرف ڈھلکے گی۔ پھر کہا کنکیا میں پتھر باندھ کر اڑائیں چھوٹ کر سیدھا زمین پر آئیگا یہ نافرہ ہے

اقول وہی بات آگئی جو ہم نے انکی دانش پر گمان کی تھی کہ نیچے دیکھا تو جذب سمجھے اوپر نگاہ اٹھی تو اُسے بھول گئے فرار پر قرار ہوا۔

(۴) جب کوئی جسم کسی دائرے پر حرکت کرے اُس میں مرکز سے نفرت ہوتی ہے پتھر رسّی میں باندھکر اپنے گرد گھماؤ تو وہ چھوٹنا چاہے گا اور جتنے زور سے گھماؤ گے زیادہ زور کریگا اگر چھٹ گیا تو سیدھا چلا جائیگا اور جسقدر قوت سے گھمایا تھا اُتنی دُور جا کر گریگا یہ مرکز سے پتھر کی نافریت ہے

اقول نافریت بے دلیل اور پتھر کی تمثیل نری علیل پتھر کو انسان یا مرکز سے نفرت نہ رغبت جاذب خلاف جو اُسکا زور دیکھتے ہو تمھاری دافعہ کا اثر ہے نہ کہ پتھر کی نفرت تحقیق مقام کے لیے ہم اُن قوتوں کی قسمیں استخراج کریں جو باعتبار حرکت کسی جسم پر قاسر کا اثر ڈالتی ہیں **فاقول** وہ تقسیم اوّل میں دو ہیں **محرکہ** کہ حرکت پیدا کرے اور **حاصرہ** کہ حرکت کو بڑھنے نہ دے مثلاً ڈھلکتے پتھر کو ہاتھ سے روک لو پھر محرکہ دو قسم ہے **جاذبہ** کہ متحرک کو قاسر کی سمت پر لائے جیسے پتھر کو اپنی جانب کھینچیں **دافعہ** کہ اور طرف پھینکے خواہ اُس میں قاسر سے دُور کرنا ہو کر ظاہر ہے یا قریب کرنا مثلاً اس شکل میں ب ا مقام انسان ہے جـ پتھر کا موضع آدمی نے لکڑی مار کر پتھر کو جـ سے ب پر پھینکا تو یہ جذب نہیں کہ انسان کی سمت خط ا جـ تھا اسپر لاتا تو جذب ہوتا وہ خط ب جـ پر گیا کہ سمت غیر ہے لہذا دفع ہی ہوا۔ اگرچہ پتھر پہلے سے زیادہ انسان سے قریب ہو گیا کہ ا ب ضلع قائمہ ا جـ وتر سے چھوٹی ہے پھر یہ دونوں باعتبار اتصال و انفصال زمین دو قسم ہیں **رافعہ** کہ حرکت میں زمین سے بلند ہی رکھے **ملصقہ** مثلاً پتھر کو زمین سے ملا ملا اپنی طرف لاؤ یا آگے سرکاؤ اور باعتبار نقص و کمال دو قسم ہیں **منہیہ** کہ متحرک کو منتہائے مقصد تک پہنچائے **قاصرہ** کہ کمی رکھے اور باعتبار وحدت و تعدد خط حرکت دو قسم ہیں **مثبتہ** کہ ایک ہی خط پر رکھے **ناقلہ** کہ حرکت کا خط بدل دے مثلاً اس شکل میں پتھر ا سے جـ کی طرف پھینکا جب ب پر پہنچا لکڑی مار کر ہ کی طرف پھیر دیا یہ دافعہ ناقلہ ہوئی اس حرکت میں جب ہ تک پہنچا ر کی طرف کھینچ لیا یہ جاذبہ ناقلہ ہوئی اور اگر جـ کی طرف پھینک کر ب سے ا کی طرف کھینچ لیا تو ب تک دافعہ مثبتہ تھی کہ اسی خط پر لیے جاتی تھی ب سے واپسی میں جاذبہ
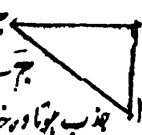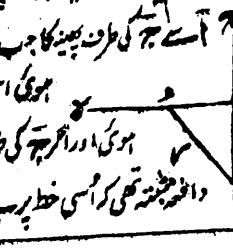
شبیہ ہوئی کہ اسی خط پر لانی یہ کل ۱۲ قسمیں ہیں ان میں سے پتھر گرد سر گھمانے میں جاذبہ کا تو کچھ کام نہیں کہ اپنی سمت پر لانا مقصود نہیں ہوتا بلکہ مضر مقصود ہے باقی ساتوں میں سے چار قوتیں یہاں کام کرتی ہیں حاصرہ اور تین دافعہ یعنی منتهیہ یہ رافعہ ناقلہ۔ پتھر کو پورا دور پھینکو کہ رسّی خوب تن جائے یہ منتهیہ ہوئی۔ ہاتھ اٹھائے رکھو کہ زمین پر گرنے نہ پائے یہ رافعہ ہوئی ہاتھ گردش سر پھرا ہے جاؤ کہ خط حرکت ہر وقت بدلے یہ ناقلہ ہوئی یہ تو تینیں ہر وقت برقرار ہیں کہ نہ رسّی میں جھول ... نہ زمین کی طرف لائے نہ ایک سمت کھنچ کر رک جائے پتھر یہ دافعہ کہ یہاں عمل کر رہی ہے اس کا کام خط مستقیم پر حرکت دینا ہے تو دفع اول سے اسی سمت کو جاتا اور ہر نقل سے اسکی سیدھی سمت لیتا لیکن رسّی جسے منتهیہ تانے اور رافعہ اٹھائے اور ناقلہ بدل رہی ہے کسی وقت اپنی مقدار سے آگے بڑھنے نہیں دیتی ناچار ہر دفع و نقل اسی حد تک محدود رہتے ہیں اور انسان کہ یہاں مثل مرکز ہے ہر جانب اس سے فاصلہ اسیقدر رہتا ہے یہ حاصرہ ہوئی جس کا کام رسّی کی بندش سے لیا گیا اس نے شکل دائرہ پیدا کر دی اسے جاذب سمجھنا جیسا کہ نصرانی بیرونی سے نمبر ۱۲ میں آتا ہے جہالت و ناسمجھی ہے یہاں جاذبہ کو اصلاً دخل نہیں نہ پتھر میں کوئی نافرہ ہے بلکہ حاصرہ و دافعہ کام کر رہی ہے جتنے زور سے گھماؤ گے اتنی ہی قوت کا دفع ہوگا پتھر اتنی ہی طاقت سے چھوٹتا گمان کیا جائیگا حالانکہ یہ نہ اس کا تقاضا ہے نہ اس کا زور بلکہ تمہارے دفع کی قوت ہے جسے نافہمی سے پتھر کی نافریت سمجھ رہے ہو **تنبیہ** یہاں ان لوگوں کا کلام مضطرب ہے عام طور پر اس قوت کو نافرہ عن المرکز کہا ص ۲۶ کی تقریر میں مرکز دائرہ ہی سے تنفر لیا مگر جا بجا جاذب مثلاً شمس سے تنفر رکھا اور ص ۱۸ میں شمس ہی کو وہ مرکز بتایا **اقول** انکے طور پر حقیقت امر یہی چاہیے اسلیے کہ جسم بوجہ ماسکہ اثر جذب سے انکار کریگا تو جاذب سے متنفر ہوگا اور انھیں دو کے اجتماع سے اس کے گرد دورہ کریگا جس کا بیان نمبر آئندہ میں ہے جبتک دورہ نہ کیا تھا مرکز تمہارے کہاں جس سے تنفر ہوتا وہ تو ہی سے کے دورے کے بعد متشخص ہوگا مگر ہم ان لوگوں کے اضطراب سخن کے سبب فصل اول میں مرکز شمس دونوں پر کلام کریں گے۔

(۵) انھیں جاذبہ و نافرہ کے اجتماع سے حرکت دورہ پیدا ہوتی ہے تمام سیاروں کی گردش شمس کی جاذبہ اور اپنی نافرہ کے

سبب ہی فرض کرو زمین ا کوئی سیارہ نقطہ آ پر ہے اور آفتاب ج پر شمس کی جاذبہ اُسے ج کی طرف کھینچتی ہے اور نافرہ کا قاعدہ ہے کہ خط مماس پر لیجانا چاہتی ہے یعنی اُس خط پر کہ خط جاذبہ پر عمود ہو جیسے آ ج پر آ ب دونوں اثروں کی کشاکش کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ زمین نہ ب کی طرف جا سکتی ہے نہ ج کی جانب بلکہ دونوں کے بیچ میں ہو کر ء پر نکلتی ہے یہاں بھی وہی دونوں اثر ہیں جاذبہ ء سے ج کی طرف کھینچتی ہے اور نافرہ ہ کی طرف لیجانا چاہتی ہے لہذا زمین دونوں کے بیچ میں ہو کر ر کی طرف بڑھتی ہے اسی طرح دورہ پیدا ہوتا ہے یہ مدار جو اس حرکت سے بنا بظاہر مثل دائرہ خط واحد معلوم ہوتا ہے اور حقیقۃً ایک لہردار خط ہے جو بکثرت نہایت چھوٹے چھوٹے مستقیم خطوں سے مرکب ہوا ہے جن میں ہر خط گویا ایک نہایت چھوٹی شکل متوازی الاضلاع کا قطر ہے **اقول** یہ جو بیان ہے کہ نافرہ سے دورہ پیدا ہوتا ہے یہی اُسکے طور پر قرین قیاس ہے اور وہ جو انکا زبانی زد ہے کہ دورے سے نافرہ پیدا ہوتی ہے بے معنی ہے مگر ہیأت جدیدہ اُلٹی کہنے کی عادی ہے جس کا ذکر کچھ تذییل فصل سوم میں ہوگا ان شاء اللہ تعالی **تنبیہ** یہ جو بیان مذکور ہوا کہ جاذبہ و نافرہ ملکر دورہ بناتی ہیں یہی ہیأت جدیدہ کا مزعوم ہے تمام مقامات پر اسی کا چرچا انہیں کی دھوم ہے ط ۱۹۳ پر بھی یہی مرقوم ہے صفحہ ۵ پر اُس نے ایک شاخسانہ بڑھایا کہ فرض کرو وقت پیدائش زمین خلا میں پھینکی گئی تھی کوئی شے حائل نہ ہوتی تو ہمیشہ اُدھر ہی کو چلی جاتی راستے میں آفتاب ملا اور اس نے کھینچ تان شروع کی **اقول** واقعیات کا کام فرضیات سے نہیں چلتا مدعی کا مطلب شاید اور ممکن سے نہیں نکلتا یہ لوگ طریقۂ استدلال سے محض نابلد ہیں اگر کوئی شے مشاہدہ یا دلیل سے ثابت ہو اور اُس کے لیے ایک سبب متعین مگر اُس میں کچھ اشکال ہو جو چند طریقوں سے دفع ہو سکتا ہے اور اُن میں کوئی طریقہ معلوم الوقوع نہیں وہاں احتمال کی گنجائش ہے کہ جب شے محقق اور اُس کا یہ سبب متعین تو اشکال واقع میں یقیناً مندفع تو یہ کہنا کافی کہ شاید یہ طریقہ ہو لیکن ناثابت بات کے ثابت کرنے میں فرض و احتمال کا اصلا محل نہیں کہ یوں تو ہمارے اس فرض کی تابع ہوئی یوں فرض کریں تو ہو سکے نہ کریں تو نہ ہو سکے اسے مدعی کیلئے وہی کافی مانیگا جو مجنون ہو پھر اگر شے ثابت و متحقق ہے اور یہ سبب متعین نہیں تو دفع اشکال بربنائے احتمال ایک مجنونانہ خیال اور اگر سرے سے شے ہی ثابت نہیں نہ اُس کے لیے یہ سبب متعین پھر اسمیں

یہ اشکال تو کسی احتمال سے اس کا علاج کر کے شق اول و سوم دونوں ثابت مان لینا دوہرا جنون اور پورا ضلال ہے پھر اگر علاج کے بعد بھی بات نہ بنے جیسا کہ یہاں ہے جب تو جنونوں کی گنتی ہی نہ رہی۔ یہ نکتہ خوب یاد رکھنے کا ہو کہ بعض جگہ مخالف دھوکا نہ دے سکے۔

(۶) ہر مدار[۱] میں جاذبہ و نافرہ دونوں برابر رہتی ہیں ورنہ جاذبہ غالب ہو تو مثلاً زمین شمس سے جا ملے نافرہ غالب ہو تو خط مماس پر سیدھی چلی جائے دورہ کا انتظام نہ رہے۔ اقول[۱۲۲] بتاتے یہ ہیں اور خود ہی اس کے خلاف کہتے ہیں اور حقیقۃً تناقض پر مجبور ہیں جس کا بیان فصل اول سے بعونہ تعالیٰ ظاہر ہوگا۔

(۷) نافرہ[۱] بمقدار جذب ہے اور سرعت حرکت بمقدار نافرہ۔ جذب جتنا قوی ہوگا نافرہ زیادہ ہوگی کہ اُس کی مقاومت کرے اور نافرہ جتنی بڑھے گی چال کا تیز ہونا ظاہر ہے کہ وہ نتیجہ نفرت ہے ولہذا سیارہ آفتاب سے جتنا بعید ہے اُتنا ہی اپنے مدار میں آہستہ حرکت کرتا ہے سب سے قریب عطارد ہے کہ ایک گھنٹے میں ایک لاکھ پانچ ہزار تین سو چھتیس میل چلتا ہے اور سب سے دور نیپچون ایک گھنٹے میں گیارہ ہزار نو سو اٹھاون میل۔ اقول[۱۲۳] یہ قرین قیاس ہے اور وہ جو نمبر ۱۳ میں آتا ہے کہ جاذبہ و نافرہ بحسب سرعت بدلتی ہیں عادت معکوس کو لئے پڑتا ہونا ضرور نہیں بلکہ معکوس نسبت بتاتا ہے۔

(۸) اجسام[۱] اجزائے دیمقراطیسیہ سے مرکب ہیں نیوٹن نے تصریح کی کہ وہ نہایت چھوٹے چھوٹے جسم ہیں کہ ابتدائے آفرینش سے بالطبع قابل حرکت و ثقیل و سخت و بے جوف ہیں۔ اُن میں کوئی حس میں تقسیم کے اصلا لائق نہیں اگرچہ وہم اُن میں حصے فرض کرسکے۔ اقول[۱۲۴] اولاً یہ من وجہ ہمارے مذہب سے قریب ہے ہمارے نزدیک ترکیب اجسام جواہر فردہ یعنی اجزائے لایتجزی سے ہے کہ ہر ایک نقطۂ جوہری ہے جن میں عرض طول عمق اصلا نہیں وہم میں بھی اُن کی تقسیم نہیں ہوسکتی فلسفہ قدیمہ جسم کو متصل وحدانی مانتا ہے جس میں بالفعل اجزا نہیں اور بالقوہ تقسیم غیر متناہی کا قابل ہے۔ ثانیاً[۱۲۵] نیوٹن کی تصریح کہ وہ سب اجزا بالطبع قابل حرکت ہیں بظاہر نمبر ۲ کے مناقض ہے کہ جسم بالطبع حرکت سے منکر ہے اور اثر قاسر سے قبول حرکت اُس کے خلاف بالطبع کے خلاف ہے مگر یہ کہا جائے کہ طبیعت ہی میں قبول اثر قاسر کی استعداد رکھی گئی ہے کہ یہ نہ ہوتی تو قاسر سے بھی حرکت ناممکن ہوتی اور طبیعت ہی کو اپنے وزن و ثقل طبعی سے باعث سرعت حرکت

انکار ہے یہ قوت ہے جسکا کام فعل کرنا ہے یعنی محرک کی مزاحمت اور وہ صلاحیت ہے جسکی شان قبول اثر ہے حاصل یہ کہ اپنے وزن کے سبب مانعت کرتی ہے اور قوت قسر کے باعث قبول کرلیتی ہے تو تعارض نہیں ثالثًا یہ سب سہی مگر یہ قول ایسا صادر ہوا کہ ساری ہیأت جدیدہ کا خاتمہ کرلیا جس کا بیان انشاء اللہ تعالیٰ آتا ہے معلوم نہیں نیوٹن نے کس حال میں ایسا لفظ ثقیل لکھدیا جس نے اُسی کے ساختہ پرداختہ قواعد جاذبیت کو خفیف کردیا **فائدہ** ہمارے علمائے متکلمین ثقل و وزن میں فرق فرماتے ہیں وہ بلحاظ نوع ہے یہ بلحاظ فرد۔ وہ ایک صفت مقتضائے صورت نوعیہ ہے جسکا اثر طلب سفل ہے اُسے حجم و وزن وکثرت اجزا سے تعلق نہیں سنتے ہیں لوہے کی ڈھیلی سے وزن زائد ہے مگر لوہا لکڑی سے زیادہ ثقیل ہے اور حدائق النجوم میں کہا ثقل ہمیشہ جسم کو نیچے کھینچتا ہے پھر نقل کیا کہ ثقل وہ میل طبعی ہے کہ سب اجسام کو کسی مرکز کی طرف ہے **اقول** یہ مسامحت ہے ثقل میل نہیں بلکہ سبب میل ہے جیسا خود آگے کہا کہ وہ دو قسم ہے اول مطلق یعنی نفس ثقل جسکے سبب جملہ اجسام اپنے مرکز مجموعہ کی طرف میل کرتے ہیں جیسے ہمارے کرہ کے عنصریات جانب مرکز زمین یہ ہمیشہ مقدار مادہ جسم کے برابر ہوتا ہے جسمیں اُسکی جسامت کا اعتبار نہیں تو لکڑی اور لوہا دونوں کا ثقل مطلق برابر ہے **اقول اولًا** یوں کہنا تھا کہ دونوں ثقل مطلق میں برابر ہیں یعنی میل بمرکز زمین دونوں کی طبیعت میں ہے مطلق میں موازنہ کی گنجائش کہاں **ثانیًا** اسی وجہ سے مطلق کو مقدار مادے کے مساوی ماننا جہل ہے کیا مقدار مادہ کی کمی بیشی سے مطلق بدلے گا **ثالثًا** یہ جو تفاوت مادے سے کم بیش ہوتا ہے محال ہے کہ لوہے اور لکڑی میں مساوی ہو جسم جتنا کثیف تر اُس میں مادہ یعنی وہی اجزائے دیمقراطیسیہ کا سیانی بیشتر لوہے کی کثافت لکڑی کہاں سے لائیگی یہ لوگ جب اس میدان میں آتے ہیں ایسی ہی ٹھوکریں کھاتے ہیں پھر کہا دوسرا ثقل مضاف یعنی ایک جسم کو دوسرے کی نسبت سے یہ باختلاف انواع مختلف ہوتا ہے ایک ہی حجم کی دو چیزوں میں اُنکے مادوں کی نسبت سے مختلف ہوتا ہے ایک انگل مکعب لوہا بھی لو اور لکڑی بھی لوہا زیادہ بھاری ہوگا کہ مساوی جسامت کے لوہے میں لکڑی سے مادہ زائد ہے **اقول** فرق کیا ہوا ثقل مطلق بھی موافق مقدار مادہ تھا جسکے یہی معنی کہ مادے کی کمی بیشی سے بدلیگا یہی مضاف

میں سے کمی بیشی کا لحاظ ؛ ہاں بھی بے لحاظ تعدد و نسبت دو شی ممکن نہیں اگر یہ فرض کر لو کہ شی واحد میں مادہ اس سے کم ہو جائے تو ثقل کم ہوگا اور زائد تو زائد تو یہ کیا دو چیزیں ہوں اور انکی نسبت کا اعتبار نہ ہوا بالجملہ انکے یہاں مدار ثقل کثرت اجزا پر ہے کم اجزا میں کم زائد میں زائد اور یہیں گر وزن تو انکے یہاں ثقل و وزن شی واحد ہے ہم آئندہ غالباً اسی پر بنائے کلام رکھیں گے

(۹) ہر جسم کا مادہ جسے ہیولی و جسمیہ بھی کہتے ہیں وہ چیز ہے جس سے جسم اپنے مکان کو بھرتا اور دوسرے جسم کو اپنی جگہ آنے سے روکتا ہے **اقول** یہ وہی اجزائے دیمقراطیسیہ ہوئے اور انکی کمی بیشی جسم تعلیمی یعنی طول عرض عمق کی کمی بیشی پر نہیں بلکہ جسم کی کثافت پر ایک حجم کے دو جسم ایک دوسرے سے کثیف تر ہو جیسے آہن و چوب یا طلا و سیم کثیف تر میں اجزا زیادہ ہونگے بلکہ کبھی زیادہ حجم میں کم جیسے لوہا اور روئی۔

(۱۰) جاذبیت بحسب مادہ سیدھی بدلتی ہے اور بحسب مربع بُعد بالقلب **اقول** یہاں مادے سے مادۂ جاذب مراد ہے اور تبدل سے طاقت جذب کا تفاوت یعنی جاذب میں جتنا مادہ زائد اتنا ہی اُس کا جذب قوی۔ یہ سیدھی نسبت ہوئی اور بُعد مجذوب کا مجذور جتنا زائد اتنا ہی جذب ضعیف گز بھر بُعد پر جو جذب ہے دو گز پر اس کا چہارم ہوگا دس گز پر اسکا سوواں حصہ۔ یہ نسبت معکوس ہوئی کہ کم بہ زائد زائد بہ کم **نتیجہ** (ا) کثیف تر کا جذب اشد۔ (ب) قریب تر پر اثر اکثر (ج) خط عمود پر عمل اقوی **تنبیہ جلیل اقول** یہ قاعدہ دلیل روشن ہے کہ طبعی قوت جذب ہر شی کی طرف یکساں متوجہ ہوتی ہے مجذوب کی حالت دیکھ کر اُس پر اپنی پوری یا آدھی یا جتنی قوت اُسکے مناسب جانے صرف کرنا اُس کا کام ہے جو شعور و ارادہ رکھے طبعی قوت ادراک نہیں رکھتی کہ مجذوب کی حالت جانچے اور اُس کے لائق اپنے کل یا حصے سے کام لے وہ تو ایک ودیعت رکھی قوت بے ارادہ و بے ادراک ہے نہ اُس میں جدا جدا حصے ہیں شی واحد ہے اور اُس کا فعل واحد ہے اُس کا کام اپنا عمل کرنا ہے مقابل کوئی شی کیسی ہی ہو بھیگا ہوا کپڑا دھوپ میں پھیلا دو جسکے ایک حصے میں خفیف نم ہو اور دوسرا حصہ خوب تر۔ حرارت کا کام جذب رطوبات ہے اس وقت کی دھوپ میں جتنی حرارت ہے وہ دونوں حصوں پر ایک سی متوجہ ہوگی و لہذا نم کا حصہ جلد خشک ہو جائیگا اور دوسرا

دیر میں کہ اتنی حرارت اُس خفیف کو جلد جذب کر سکتی تھی اور اگر یہ ہوتا کہ طبعی قوت بھی مقابل کی حالت دیکھ کر اُسی کے لائق اپنے حصہ سے اُس پر کام لیتی تو واجب تھا کہ نم بھی اُتنی ہی دیر میں سوکھتی جتنی میں وہ گہری تری کہ ہر ایک پر اُسی کے لائق جذب آتا نم پر کم اور تری پر زائد حالانکہ ہرگز ایسا نہیں بلکہ دھوپ اپنی قوت جذب کا پورا عمل دونوں پر کرتی ہے ولہذا نم کو جلد جذب کر لیتی ہے یوہیں مقناطیس لوہے کے ذرّوں کو ریزوں سے جلد جذب کریگا اگر ہر ایک کے لائق جذب کرتا تو جس قوت سے ریزوں کو کھینچا تھا عام ازیں کہ کل قوت تھی یا بعض جو نسبت ذرّوں کو اُن ریزوں سے ہے اُسی نسبت کے حصۂ قوت سے ذرّوں کو کھینچتا دونوں برابر آتے۔ نہیں نہیں بلکہ قطعاً سب کو اپنی پوری قوت سے کھینچا جس نے ہلکے پر زیادہ عمل کیا یوہیں بُعد کے بڑھنے سے جذب کا ضعیف ہوتا جانا قطعاً اسی بنا پر ہے کہ وہی قوت واحدہ ہر جگہ عمل کر رہی ہے۔ ظاہر کہ قریب پر اُسکا عمل قوی ہوگا اور جتنا بُعد بڑھے گا گھٹتا جائیگا اور اگر ہر بُعد کے لائق مختلف حصے کام کرتے تو ہرگز بُعد بڑھنے سے جذب میں ضعف نہ آتا جبتک ساری طاقت ختم نہ ہو چکتی کہ ہر حصۂ بعد طبیعت اپنی قوت کے حصے بڑھاتی جاتی اور نسبت یکساں رہتی ہاں جب آگے کوئی حصہ نہ رہتا تو اب بعد بڑھنے سے گھٹتی کہ اب عمل کرنے کو یہی قوت واحدہ معینہ رہ گئی بالجملہ بُعد بڑھنے سے ضعف آنے کو لازم ہے کہ ہر جگہ ایک ہی قوت عامل ہو اور وہ کوئی حصہ نہیں ہو سکتی کہ حصوں کی تقسیم غیر متناہی یہ حصہ معین ہوا وہ کیوں نہ ہوا ترجیح بلا مرجح ہے لہذا واجب کہ طبعی جاذب ہمیشہ اپنی پوری قوت سے عمل کرتا ہے یہ جلیل فائدہ یاد رکھنے کا ہے کہ بعونہٖ تعالیٰ بہت کام دیگا **تنبیہ** اس سے یہ نہ سمجھنا چاہیے کہ مثلاً زمین کا پورا کرہ اپنی ساری قوت سے ہر شی کو کھینچتا ہے بلکہ مجذوب کے مقابل جتنا ٹکڑا ہے جیسے اُس کپڑے کو شرق تا غرب پھیلی ہوئی ساری دھوپ نے نہ سکھایا تھا بلکہ اُسیقدر نے جو اُسکے محاذی تھی۔

(۱۱) جذب بحسب مادۂ مجذوب ہے دس جز کا جسم جتنی طاقت سے کھینچے گا سو جز کا اُس کی دہ چند سے۔ اگر تم ایک سیر اور دوسرے دس سیر کے جسم کو برابر عرصہ میں کھینچنا چاہو تو کیا دس سیر کو دس گنے زور سے نہ کھینچو گے **اقول** یہ مسئلہ خود صحیح رکھتا تھا جب اس میں

مجذوب پر نظر ہوا اور اُسکے دو محمل ہوتے اول طلب کا تبدل یعنی ہر مجذوب اپنے مادے اور
بُعد کے لائق طاقت مانگے گا جاذب میں اُتنی قوت ہے کھینچ لیگا ورنہ نہیں۔ یوں یہ دونوں نسبتیں
مستقیمہ ہیں کہ مجذوب میں مادہ خواہ بعد جو کچھ بھی زائد ہوا اُتنی ہی طاقت چاہیگا دوم مجذوب پر
اثر کا تبدل یوں یہ دونوں نسبتیں معکوس ہیں کہ مجذوب میں مادہ خواہ بُعد جسقدر زائد اُسیقدر
اُسپر جذب کا اثر کم اور جتنا مادہ یا بُعد کم اُتنا ہی زائد۔ مگر اس صحیح بات کو غلط استعمال کیا ہے
اُس میں جاذب پر نظر رکھی کہ وہ مادہ و وزن مجذوب کے لائق اُسپر اپنی قوت صرف کرتا ہے
یہ بھی صاحب ارادہ طاقت کے اعتبار سے صحیح تھا مگر اُسے قوت طبعیہ پر ڈھالا کہ مجذوب میں
جتنا مادہ ہوگا زمین اُسے اُتنی ہی طاقت سے کھینچے گی۔ اب یہ محض باطل ہوگیا اولاً اسکا
بطلان ابھی سُن چکے اور انسان سے تمثیل جہالت۔ انسان ذی شعور ہے زمین صاحب ادراک
نہیں کہ مجذوب کو دیکھے اور اوسکی حالت جانچے اور اُسکے لائق قوت کا اندازہ کرے تاکہ اتنی ہی
قوت اوسپر خرچ کرے تنبیہ اگر یہی تو وہ پہلا قاعدہ جس پر ساری ہیأت جدیدہ کا اجماع اور سردار
فلسفۂ جدیدہ نیوٹن کا اختراع ہے صاف غلط ہو جائیگا جب زمین مجذوب کے مادوں کا ادراک
کرتی ہے اور اونکے قابل اپنی قوت کے حصے چھانٹتی ہے تو کیوں نہ اُسکے بعد کا ادراک کریگی اور ہر بُعد
کے لائق اپنی قوت کا حصہ چھانٹے گی تو ہر بُعد پر جذب یکساں رہیگا ثانیاً تنبیہ اقول ملاحظہ نمبر ۲ سے
یہاں ایک اور سخت اعتراض ہم پر ہوا میں آتا ہے کہ تمھارے نزدیک اختلاف وزن اختلاف جذب پر
متفرع ہے اور ہم ثابت کر دینگے کہ ہیأت جدیدہ کو اس اقرار پر قائم رہنا لازم ورنہ ساری ہیأت باطل
ہو جائیگی۔ اب یہاں اختلاف جذب اختلاف وزن پر متفرع کیا کہ دس سیر کا جسم دس گنی طاقت سے
کھینچیگا یہ کھلا دور ہے اگر کہیے اختلاف وزن پر نہیں اختلاف مادے پر متفرع کیا اختلاف وزن سے
مثال دی ہے کہ ہمارے جذب سے پہلے جذب زمین نے وزن پیدا کر دیا ہے اقول ع ۳
مختلف قوت جذب چاہنا اختلاف وزن سے ہوتا ہے مادے میں جب بعض اثر جذب
کچھ وزن ہی نہیں تو بے وزن چیز قلیل ہو یا کثیر مختلف قوت چاہیگی۔ اگر کہیے
اختلاف مادے سے ماسکہ مختلف ہوگی لہذا مختلف جذب درکار ہوگا اقول ع ۴
ماسکہ بحسب وزن ہی تو ہے (ع ۲) پھر اختلاف وزن ہی پر بنا آگئی

ورد دور قائم رہا مگر صاف انصاف یہ کہ نمبر ۲ نیوٹن کے قول نمبر ۴ پر مبنی اور ہیات جدیدہ کا بالکل عکس ہے جیسے وہ کسی طرح تسلیم نہیں کرسکتی بلکہ جابجا اوس کا رد کرتی ہے جسکا بیان نمبر ۵ امین آتا ہے ہیات جدیدہ کے طور پر صحیح یہ ہے کہ ماسکہ بربنائے وزن نہیں بلکہ نفس مادے کی طبیعت میں حرکت سے انکار ہے تو جس میں مادہ زیادہ ماسکہ زائد تو انکار افزون تو اوسکے جذب کو قوت زیادہ درکار یہ تقریر یاد رکھیے اور اب یہ اعتراض کیسا دھو گیا **تنبیہ** ہیات جدیدہ نے اس تناقض کی بنا پر ایک اور قاعدہ اس سے بھی زیادہ باطل تراشا جسے اپنے مشاہدے سے ثابت بتاتی ہے بھلا مشاہدے سے زیادہ اور کیا درکار ہے وہ اس سے اگلا قاعدہ ہے

تنبیہ ضروری **اقول** یہ دونوں قاعدے متناقض سہی مگر ان سے اتنا کھل گیا کہ جذب کی تبدیل تین ہی وجہ سے ہے مادہ جذب مادہ مجذوب بعد۔ جن میں قابل قبول صرف دو ہیں مادہ مجذوب آتی نمبر ۱ اسنے طنبور میں نغمہ اور شطرنج میں بغلہ بڑھایا بہر حال مجذوب واحد بعد واحد سے جاذب واحد کا جذب ہمیشہ یکساں رہیگا۔ وہ جو نمبر ۱۳ میں آتا ہے کہ جاذبیت بحسب سرعت بدلتی ہے نمبر ۷ میں گزرا کہ اصل میں سرعت بحسب جاذبیت بدلتی ہے۔

(۱۲) جذب اگرچہ باختلاف مادہ مجذوب مختلف ہوتا ہے مگر جاذب واحد مثلاً زمین کے جذب کا اثر تمام مجذوبات صغیر و کبیر پر یکساں ہے سب ہلکے بھاری اجسام کہ زمین سے برابر فاصلے پر ہوں ایک ہی رفتار سے ایک ہی آن میں زمین پر گرتے کہ ان میں آپ تو کوئی میل ہے نہیں جذب سے گرتے اور اوس کا اثر سب پر برابر ایک حصہ مادے کو زمین نے ایک قوت سے کھینچا اور دس حصے کو دس چند قوت سے تو حاصل وہی رہا کہ ہر حصہ مادہ کے مقابل ایک قوت ہے لہذا اثر میں اصلا فرق نہ ہوتا مگر ہوتا ہے بھاری جسم جلد آتا ہے اور ہلکا دیر میں اسکا سبب بیچ میں ہوائے حائل کی معاوقت ہے بھاری جسم سے جلد مغلوب ہو جائیگی کم روکیگی جلد آئیگا ہلکے سے دیر میں متاثر ہوگی زیادہ روکیگی دیر لگائیگا اس کا امتحان آلہ ایرپمپ سے ہوتا ہے جس کے ذریعہ سے ہوا برتن سے نکال لیتے ہیں اسوقت روپیہ اور روپے برابر کاغذ یا پر ایک ہی رفتار سے زمین پر پہنچتے ہیں یہ حاصل ہے اسکا جو چار صفحوں سے زائد میں لکھا

اقول **اولاً** اس سے بڑھکر عاقل کون کہ لفظ کہے اور معنی نہ سمجھے جسمیں وزن زیادہ ہو

وہ مقاومت ہوا پر جلد غالب آتا ہے۔ زیادت وزن کے کیا معنی۔ یہی نہ کہ وہ زیادہ جھکتا ہے یہ اُسکی اپنی ذات سے ہے تو اسی کا نام میل طبعی ہے جسکا ابھی تم نے انکار مطلق کیا اور اگر زمین اسے زیادہ جھکاتی ہے تو یہی تفاوت اثر جذب ہے اسپر اثر زیادہ نہ ہوتا تو زیادہ کیوں جھکتا **ثانیاً** زیادت وزن کا اثر صرف یہی نہیں کہ مقاومت پر جلد غالب آئے بلکہ اُسکا اصل اثر زیادہ جھکنا ہے مقاومت پر جلد غلبہ بھی اسی زیادہ جھکنے سے پیدا ہوتا ہے اگر پہاڑ اگر معلق رہے نیچے نہ جھکے ہوا کو ذرہ بھر شق نہ کریگا تمہاری جہالت کہ تم نے فرع کو اصل رکھا اور اصل کو یک لخت اُڑا دیا مقاومت پر اثر ڈالنا زیادہ جھکنے پر موقوف تھا لیکن زیادہ جھکنا کسی مقادم کے ہونے نہ ہونے پر موقوف نہیں وہ نفس زیادت وزن کا اثر ہے تو ہوا بالکل نکال لینے پر بھی یقیناً رہیگا اور روپیہ ہی جلد پہنچے گا بلکہ ممکن کہ اب پہلے سے بھی زیادہ کہ اُس وقت اُسکی جھونک کو ہوا کی روک تھی اب وہ روک بھی نہیں۔ اہل انصاف دیکھیں کیسی صریح باطل بات کہی اور مشاہدے کے سر تھوپ دی یہ حالت ہے انکے مشاہدات کی یہ دیگ کا چاول یاد رہے کہ آئندہ کے اور خلاف عقل دعووں کی بانگی ہے اور اسکا زیادہ مزہ فصل دوم میں کھلے گا انشاء اللہ تعالیٰ اور ہمارے نزدیک حقیقت امر یہ ہے کہ ہر ثقیل میں ذاتی ثقل اور طبعی میل سفل ہے کہ بزیادت وزن زائد ہوتا ہے تو ہلکی خود ہی کم جھکے گی اگرچہ ہوا حائل نہ ہوا اور حائل ہوئی تو اُسے شق بھی کم کرے گی تو بھاری چیز کے جلد آنیکا ایک عام سبب اُس میں میل فزوں ہونا خواہ کوئی حائل ہو یا نہ ہو اور درصورت حیلولت زیادت وزن کے باعث حائل کو زیادہ شق کرنا تو بفرض غلط ہوا برتن سے بالکل نکال بھی لیجائے روپیہ پھر بھی پر سے یقیناً جلد آئیگا اگرچہ چند انگل کی مسافت میں تمھیں فرق نہ محسوس ہو۔

(۱۳) جب کوئی جسم دائرے میں دائر ہو تو مرکز سے نافرہ اور مرکز کی طرف جاذبہ (از انجا کہ دونوں برابر ہوتی ہیں) مربع سرعت بہ نصف قطر دائرہ کی نسبت سے بدلتی ہیں۔ ا ء سرعت ہے یعنی وہ مسافت کہ جسم نے مثلاً ایک سکنڈ میں قطع کی نافرہ کی دلیل ا ب ہے یعنی وہ اُسے یہاں تک پھینکتی ہے تو سیدھا سیدھا جاتا

مگر جاذبہ ا ر ہ اُسے ح مرکز کی طرف کھینچا تو جسم اب سے آ ء کی طرف پھر گیا چھوٹی قوس اور اُس کے وتر میں فرق کم ہوتا ہے لہذا قوس آ ء کی جگہ وتر آ ء لو اور جاذبہ کو ح اور سرعت کو س فرض کرو ∴ ا ہ : ا ء :: ا ء : ا م یعنی ح : س :: س : قطر یعنی ح = س۲/قطر یعنی جاذبہ س۲/نصف قطر کی نسبت پر بدلیگی اور دائرے پر حرکت میں جاذبہ و نافرہ برابر ہوتی ہیں اور ایک دائرے میں نصف قطر کی قیمت محفوظ ہے لہذا جاذبہ و نافرہ مربع سرعت کی نسبت پر بدلیں گی مثلاً ڈور میں گیند باندھکر گھماؤ جب سرعت دو چند ہوگی ڈور پر چہار چند ہوگا تو ڈور یعنی جاذ کی مضبوطی بھی چہار چند ہونی چاہیے انتہا **اقول** یہ سب تلبیس و تدلیس ہے **اولا** اس جاذبیت رکھی کہ سہم قوس آ ء ہ ر ا ا ب وافعیت کہ مساوی ہ ء جیب قوس مذکور ہے اور جیب سہم سوا ربع دور وسہ ربع دور کے کبھی مساوی نہیں ہو سکتے ربع اول وچہارم میں ہمیشہ جیب بڑی ہوگی اور دوم وسوم میں ہمیشہ سہم اور بوجہ صغر قوس قلت تفاوت کا عذر مردود ہے کہ حکم عام ہو **ثانیا** اب وافعیت نہیں بلکہ وہ مسافت جس تک اس دفع کے اثر سے جاتا خود بھی اُسے دلیل نافرہ کہا یہاں دافعہ کا جب اتنا اثر ہے تو جاذبہ کے تجاذب اگر گھٹے نہیں تو بڑھنا کوئی معنے ہی نہیں رکھتا تو جسم یہاں اسیقدر مسافت پر جا سکتا ہے وہ قوس آ ء رکھی پھر وتر آ ء تو واجب کہ اب و آ ء یعنی جیب وتر مساوی ہوں اور یہ قطعاً ہمیشہ محال ہے ا س ء قائم الزاویہ میں آ د س دونوں قائمے ہوئے یا قائمہ مساوی حادہ اور عذر صغر پہلے رد ہو چکا **ثالثا** ا س سہم و آ ء وتر بھی مساوی ہو گئے اور یہ بھی محال ہے اب مثلث ا س ء قائم الزاویہ مختلف الاضلاع متساوی الاضلاع ہو گیا اور قائمہ ۶۰ درجے کا رہ گیا اور ایک ثانیہ ۱۸۰ درجے ایکسو ثانیہ ہوا کہ ہ ء ۱ محیطیہ ایک ثانیہ پر پڑا ہے اور س آ ء محیطیہ ایک ثانیہ کم نصف دور پر اور دونوں مساوی ہیں کہ دونوں کے وتر مساوی ہیں (ماموفی) تو دونوں قوسین مساوی ہیں (مقالہ ۳ شکل ۲۵) بالجملہ اس پر بیشمار استحالے ہیں **رابعاً** یہ ضرور ہے کہ مہندسین نہایت صغیر قوسوں میں اُنکے وتر اُنکی جگہ لے لیتے ہیں جیسے اعمال کسوف وخسوف میں مگر اسے تو حکم عام دینا ہر ہر جگہ یہ تو کیسے چلے گا دیکھو نصف دور ۱۸۰ درجے محیطیہ ہے اور اُس کا وتر کہ قطر ہے صرف ۱۲۰ درجے وہ بھی قطریہ کہ محیطیہ کے

بیان ہیں اس دلیل کا مبنی یہی قاعدہ نمبر ۱۲ ہے اور اوس کا مبنی قاعدہ نمبر ۱۳ جس کے
شدید ابطال ابھی سن چکے۔

(۱۵) وزن جذب سے پیدا ہوتا اور اوسکے اختلاف سے گھٹتا بڑھتا ہے اگر جسم پر جذب اصلا
نہ ہو یا سب طرف سے مساوی ہونے کے باعث اوس کا اثر نہ رہے تو جسم میں کچھ وزن نہ ہوگا
ہم اگر مرکز زمین پر چلے جائیں تمام ذرات زمین ہمکو برابر کھینچیں گے اور اثر کشش جاتا رہیگا
ہم بے وزن ہو جائیں گے **اقول** یہ نری بے وزن بدیہی البطلان بات کہ جسم میں
خود کچھ وزن نہیں جاذب سے پیدا ہوتا ہے ہیات جدیدہ کی کثیر تصریحات سے واضح و انکا
ہے مثلاً **اکتافت** عطارد سونے کے قریب زمین سے دو چند ہے مگر اوس کے صغر کے سبب
اوس کی جاذبیت جاذبیت زمین کی ½ ہے اسی نسبت سے اوزان اوس کی سطح پر گھٹتے
ہیں جو چیز زمین پر من بھر ہے عطارد پر لیجاکر تولیں تو صرف چوبیس سیر ہوگی **ب** سطح
آفتاب پر جسم کا وزن سطح زمین سے ۲۸ گنا ہوتا ہے یعنی یہاں کا من وہاں ٹن ہو جائے گا
وہاں کا ٹن یہاں من رہجائے گا اس کا . فصل ۲ رد ۱۴ سے روشن ہوگا **ج** جو چیز سطح
زمین پر تین ہزار چھ سو رطل کی ہو کہ اوس کا بُعد مرکز سے بقدر نصف قطر زمین ہے اگر سطح زمین
سے نصف قطر کی دوری پر رکھیں ۹ سو رطل رہجائے گی اور پورے قطر کے بُعد پر چار سو
اور ڈیڑھ قطر کے فاصلے پر سوا دو سو اور دو قطر کے فصل پر ایک سو چوالیس ہی رطل ہی رہیگی
کہ مربع بُعد جتنے بڑھتے ہیں جاذبیت اوتنی ہی کم ہوتی ہے تو ویسا ہی وزن گھٹتا جائے گا
یعنی ساڑھے چار قطر کے بُعد پر ۳۶ ہی رطل رہیگا اور ساڑھے پانچ پر صرف ۲۵ اور ساڑھے
نو پر نو ہی رطل اور ساڑھے چودہ پر چار رطل اور ساڑھے اونتیس پر ایک ہی رطل رہے گا تین
ہزار پانسو ننانوے رطل اوڑ جائیں گے وعلیٰ ہذا القیاس **د** زمین پر خط استوا کے پاس شے کا
وزن کم ہوگا اور جتنا قطب کی طرف ہٹو بڑھتا جائے گا کہ خط استوا کے پاس جاذبیت کم ہے
اور قطب کے پاس زیادہ **ہ** ولیم ہرشل نے کہا نجیمات یعنی مریخ و مشتری کے درمیان
آدمی ہو تو ساٹھ فٹ اونچا بے تکلف جست کر سکے **اقول** گو پورے نیس بہکا کر تو خاصا
پھیر و ہو جائے گا جدھر چلے پھاڑتا پھرے گا۔ پھر کہا اور ساٹھ فٹ بلندی سے اوپر گرے

تو اس سے زیادہ ضرر نہ دے جتنا ہاتھ بھر بلندی سے زمین پر گرنا **اقول** ۵ تو ہیچون پر جاکر تو
روئی کا گالا ہو جائیگا کہ ہزاروں گز بلندی سے سخت پتھر پر گرے کچھ ضرر نہ ہوگا۔ یہ ہیں
اونکی خیال بندیاں اور اونھیں ایسا بیان کرینگے گویا عطارد و آفتاب پر کچھ کھلکر تول لائے
ہیں تجیمات پر بیٹھکر کود آئے ہیں ان تمام خرافات کا بھی ماحصل وہی ہے کہ جسم میں فی نفسہ
کوئی وزن نہیں ورنہ ۱۵ ہر گز ہر مقام ہر بُعد پر محفوظ رہتا جاذبیت کی کمی بیشی سے
صرف اوس پر زیادت میں کمی بیشی ہوتی ظاہر ہو کہ جو کچھ بھی وزن مانو اوس سے زیادہ بُعد نہ
بقدر مربع بُعد گھٹے گا اور بُعد ہیأت جدیدہ میں غیر محدود ہے تو کمی بھی غیر محدود ہے پہاڑ کا
وزن رائی کے دانے کا ہزارواں حصہ رہے گا پھر اس پر بھی نہ رکیگا تو کوئی وزن کہیں محفوظ
نہیں جسے اصلی ٹھہرائیے مگر اس جری بہادر ط نے ایسے ابجی کھلے لفظوں میں لکھدیا اوسکی
عبارت یہ ہے "جس سبب سے کہ چیزیں زمین پر گر پڑتی ہیں اوسی سبب سے اون میں
وزن بھی پیدا ہوتا ہے یعنی کشش ثقل ان کو بھاری کرتی ہے بوجھ اشیا میں موافق مقدار
کشش کے ہوگا" یہ ہے فلسفہ جدیدہ اور اوس کی تحقیقات نادیدہ کہ پہاڑ میں آپ کچھ وزن
نہیں وہ اور رائی کا دانہ ایک حالت میں ہیں **اقول** ۱۳ حقیقت امر اور اختلاف جذب سے
اون کے دھوکے کا کشف یہ ہے کہ ہر جسم ثقیل یقیناً اپنی حد ذات میں وزن رکھتا ہے پہاڑ
اور رائی ضرور مختلف ہیں شے میں جتنا وزن ہو اوس کے لائق دباؤ ڈالے گی پھر اگر اوس کے
ساتھ کوئی جذب بھی شریک کرو تو دباؤ بڑھ جائیگا اور جتنا جذب بڑھے اور بڑھے گا بیس سیر کا
پتھر آدمی اسر پر رکھے دہ دبائیگا اور اوس میں رسیاں باندھکر دو آدمی نیچے کو پکڑیں دباؤ بڑھیگا
چار آدمی چاروں طرف سے کھینچیں اور بڑھے گا لیکن جذب کی کمی بیشی اصل وزن پر کچھ اثر نہ ڈالیگی
جذب کم ہو یا زائد یا اصلا نہ ہو وہ بدستور رہے گی ہاں اگر اوپر کی جانب کوئی جاذب ہو یا چاری کی
طرح ادھر سے سہارا دے یا کمانی کی لچک کی طرح اوپر اوچھالے تو ان صورتوں میں وزن کا
احساس کم ہوگا یا اصلا نہ ہوگا فی نفسہ وزن اصلی اب بھی برقرار رہے گا مگر جذب زمین کی
کمی یا نفی احساس اصلی میں بھی فرق نہیں کر سکتی کہ نیچے جذب نہ ہونا نہ اوپر کو کھینچتا ہے نہ
سہارا نہ اوچھال تو اصلی وزن کا دباؤ کم ہونا محال بالجملہ جذب مؤید تھا نہ کہ مولد لیکن

انھوں نے جذب کو وزن کا مولد مانا اور واقعی ان کو اس سکا برے کی ضرورت ہی کہ وزن
ذاتی میل طبعی کو ثابت کریگا اور اوس کا ثبوت جاذبیت کا خاتمہ کر دے گا کما سیأتی
اور اوس کے ختم ہوتے ہی ساری ہیأت جدیدہ کی عمارت ڈھہ جائے گی کہ اوسکی بنیاد کا یہی
ایک پتھر ہے تو قطعاً اوس کا مذہب یہی ہے جیسا اوس کی تصریحات کثیرہ سے آشکار۔
نیوٹن کا قول نمبر ۸ جسے ماننا ہو پہلے ہیأت جدیدہ کا سارا دفتر اور خود نیوٹن کے قواعد جاذبیت
سب دریا برد کر دے ظاہر اوہ نیوٹن نے ۱۶۶۵ء سے پہلے کہا ہو جب تک سیب نے گر کر
جاذبیت نہ سجھائی تھی اور اوسی پر نادانستہ نمبر ۲ مبنی ہوا بہرحال کچھ ہو ہم سب اونکی ان تصریحات
متنافضہ سے کام لے سکتے ہیں کہ انھیں کے اقوال ہیں لیکن اون کو اس نمبر ۸ سے کوئی
مفر نہیں وہ ہیأت جدیدہ بنی رکھنی چاہیں تو اس کے ماننے پر مجبور ہیں کہ کسی جسم میں خود کوئی
وزن نہیں بلکہ جذب سے پیدا ہوتا ہی۔ یہ بات خوب یاد رکھنے کی ہے کہ آیندہ دعوٰی نہ ہو
ہم اس پر اوس سے زیادہ کیا کہیں جو کہہ چکے کہ یہ بداہتہً باطل ہی ہاں وہ جو کروں پر اختلاف
وزن بتایا ہے اوسے سہل نہ انھیں یہ ہیں کا قول ہیأت جدیدہ سے کہیے کیوں خط استوا سے
قطب تک دوڑے یا عطارد و آفتاب تک پہلا نگتے پھرے اوس کا زعم سلامت ہے تو خود
اوسکے گھر میں ایک ہی جگہ رکھے رکھے شے کا وزن گھٹتا بڑھتا رہے گا آج سیر بھر کی ہے
کل سوا سیر ہو جائے گی پرسوں تین پاؤ رہجائیگی پھر ڈیڑھ سیر ہو جائے کی کوئی عاقل بھی اس کا
قائل ہی وجہ یہ سیارات واقمار و نجیمات (وہ مشابہ سیارہ سوا سو سے زائد اجرام کہ مریخ و
مشتری کے درمیان ابھی اونیسوین صدی میں ظاہر ہوئے ہیں جن میں جو نو وسطا و سیرس
و پلاس زیادہ مشہور ہیں) اگرچہ کثافت و بعد میں مختلف ہوں جاذبیت رکھتے ہیں اور قطعاً
مجموعہ تفاضل کے برابر نہیں ہو سکتا ہے جس وقت اون کا اجتماع زمین کی جانب مقابل ہو کر
شے اون کے اور زمین کے بیچ میں ہو تو زمین کی جاذبیت تو شے میں وزن پیدا کرے گی
اور اون سب کی جاذبیت کہ جانب مخالف ہی ہلکا کرے گی غلبۂ جذب زمین کے باعث
وزن بقدر تفاضل رہے گا اور جب اونکا اجتماع زمین کے اس طرف ہو کہ شے سے
زمین اور وہ سب ایک طرف واقع ہوں تو وہ اور زمین سب کی مجموعی جاذبیت اوسمیں

وزن پیدا کر کے بہت بھاری کر دے گی اور جب کچھ ادھر کچھ ادھر ہوں وزن بین بین ہوگا جو ہر اختلاف اوضاع پر بدلیگا اگر کہیے اختلاف وزن کیونکر معلوم ہو سکیگا جس چیز سے تولا تھا وہ بھی تو اوتنی ہی بھاری یا ہلکی ہو جائیگی **اقول** قطب و خط استوا پر اختلاف وزن کیونکر جانا تب کہوگے شاقول سے ہم کہیں گے یہاں بھی اوسی سے۔

(۱۶) ہر مشاہد روز میں دو بار سمندر میں مد و جزر ہوتا ہے جسے جوار بھاٹا کہتے ہیں پانی گزوں یہاں تک کہ خلیج فونڈی میں نیز شہر برسٹول کے قریب جہاں نہر سفرن سمندر میں گرتی ہے ستر فٹ تک اونچا اوٹھتا پھر بیٹھ جاتا ہے اور جس وقت زمین کے اس طرف اوٹھتا ہے ساتھ ہی دوسری طرف بھی یعنی قطر زمین کے دونوں کناروں پر ایک ساتھ مد ہوتا ہے یہ جذب قمر کا اثر ہے ولہذا جب قمر نصف النہار پر آتا ہے اوس کے چند ساعت بعد حادث ہوتا ہے آفتاب کو بھی اس میں دخل ہے ولہذا اجتماع و مقابلہ نیرین کے ڈیڑھ دن بعد سب سے بڑا مد ہوتا ہے مگر اثر شمس بہت کم ہے حدائق النجوم میں جذب قمر سے ہے کہا اصول ہیئات میں جاڑوں میں صبح کا مد شام کے مد سے زیادہ بلند ہوتا ہے اور گرمیوں میں بالعکس چھوٹے سمندروں اور بڑی نہروں اور اون پانیوں میں جنکو خشکی محیط ہے جیسے دریائے قزوین و بحر بالٹک و بحر متوسط و بحر بالطیق و جیحون و سیحون و گنگ و جمن وغیرہا میں نہیں ہوتا **اقول** مد کا جذب سے ہونا اگرچہ ہمکو مفر نہ اوسکا انکار ضرور مگر یہ سبیل ترک ظنون و طلب تحقیق وہ بوجوہ محل دشت ہے **وجہ اول** چاند تو زمین کے ایک طرف ہوگا دوسری طرف پانی کس نے کھینچا یہ تو جذب نہ ہوا دفع ہوا اصول علم الہیات وغیرہا سب میں اس کا یہ جواب دیا کہ بعید پر جذب کم ہوتا ہے سمت ہوا جو قمر میں پانی قمر سے قریب اور زمین بعید ہے لہذا اس پانی پر زمین سے زیادہ جذب ہوا اور بہ نسبت زمین کے چاند سے قریب تر ہو گیا یوں ارتفاع ہوا اودھر کا پانی قمر سے بعید اور زمین قریب ہے لہذا زمین پر پانی سے زیادہ جذب ہوا اور اودھر کا حصہ زمین چاند سے بہ نسبت آب قریب ہو گیا تو وہ پانی مرکز زمین سے دور ہو گیا اور مرکز زمین سے دوری بلندی ہے اودھر بھی ارتفاع ہوا **اقول** اولاً جس طرح قرب و بعد سے اثر جذب میں اختلاف ہوتا ہے یونہیں مجذوب کے ثقل و خفت سے بھاری چیز کم کھینچے گی اور ہلکی زیادہ سمت مقابل کا پانی بہ نسبت زمین

کیا ایسا بعید ہو کہ زمین سے متصل ہے اور سمندر کی گہرائی زیادہ سے زیادہ پانچ میل تک پائی گئی ہے قمر کا بُعد اوسط ۲۳۸۸۳۳ میل ہے اور زمین کا قطر معدل ۷۹۱۳ میل تو اوس جانب کے اجزائے ارضیہ کا قمر سے بُعد ۲۳۴۸۷۶ میل ہوا اس کثیر بعید پر چار پانچ میل کا اضافہ ایسا کیا فرق دیگا لیکن پانی بہ نسبت زمین بہت ہلکا ہے زمین کی کثافت پانی سے چوگنی کے قریب ہے یعنی ۴۹/۱ ہ تو اگر تفاوت بعد اوس کے جذب میں کچھ کمی کرے تفاوت ثقل اوس کمی پر غالب آئیگا یا ذی ہی پوری تو کردے گا۔ اور زمین و آب پر جذب یکساں رہکر پانی زمین سے ملا ہی رہیگا تو مد نہ ہوگا بخلاف سمت مواجہ قمر کہ ادھر کا پانی قرب و لطافت دونوں وجہ کا جامع ہے تو اسی طرف مد ہونا چاہیے ثانیاً نمبر ۱۸ میں آتا ہے ہوا و آب و خاک مجموعہ تمھارے نزدیک کرۂ زمین ہے اور قمر مجموع کو جذب کر رہا ہے تو سب ایک ساتھ اوٹھیں ذکہ ادھر کا پانی زمین کو چھوڑ جائے اور اودھر کی زمین پانی کو چھوڑ آئے دیکھو تمھارے زعم میں جذب شمس سے زمین گھومتی ہے تو تینوں جز خاک و آب و باد کو ایک ساتھ یکساں متحرک مانتے ہو نہ کہ سب ایک دوسرے سے جدا ہو کر چلیں ثالثاً اگر ایسا ہو تا سمت مواجہ کی ہوا پر قمر کا جذب ادھر کے پانی سے بھی زائد ہوتا کہ اقرب بھی اور الطف بھی ہے اور ادھر کی ہوا کو تمھارے زعم باطل پر ادھر کا پانی چھوڑتا جس طرح اوس پانی کو ادھر کی زمین چھوڑ گئی تو لازم تھا کہ مد کے وقت دونوں طرف نہ سطح زمین پر پانی ہوتا نہ سطح آب پر ہوا بلکہ ہر دو کے بیچ میں خلا ہوتا یہ بداہۃً باطل ہے اطراف کے پانی کا آکر اس جگہ کو بھر لینا یہ حرکت نہ اون پانیوں کا مقتضائے طبع نہ زمین کا اثر نہ استحالہ خلا کی ضرورت نمبر ۲۵ میں آتا ہے کہ خلا تمھارے نزدیک محال نہیں پھر بلا وجہ اور پانی کیوں چلکر آئینگے۔ وجہ دوم کشش قمر سے مد ہوتا تو اوس وقت ہوتا جب قمر نصف النہار پر سیدھے خطوں میں پانی کو کھینچتا ہے لیکن پانی وہاں کا اوٹھتا ہے جہاں نصف النہار سے گذر کر قمر کو گھنٹے ہو چکتے ہیں اصول ہیات میں اسکی وجہ یہ گڑھی ہے کہ پانی کا سکون اوضعیہ اثر جذب قبول نہیں کرنے دیتا ہے یعنی جسم میں حرکت سے انکار ہے لا الامکان محرک کی مقاومت کریگا اس لیے پانی فوراً نہیں اوٹھتا قول اقول اولاً تم صرف سیدھے خط پر کھینچتا ہے

یا تر چھے پر بھی بر تقدیر اول کس قدر باطل صریح ہے کہ جس وقت جذب ہو رہا تھا پانی نہ ہلا جب
اصلا نہ رہا گزوں اوٹھا یعنی وجود مسبب وجود سبب سے نہیں ہوتا بلکہ سبب معدوم
ہونے کے گھنٹوں بعد۔ بر تقدیر ثانی قمر جس وقت افق شرقی پر آیا اوس وقت سے اس
پانی کو کھینچ رہا تھا تو ٹھیک دوپہر کو اوٹھنا فوراً اثر قبول کرنا نہ تھا بلکہ چھ گھنٹے بعد۔ عجب
کہ دوپہر کامل جذب ہوا اور وہ بھی اس طرح کہ ہر لحظہ پر پہلے سے قوی تر ہوتا جائے یہاں تک
کہ نصف النہار پر غایت قوت پر آئے اور پانی اصلا خبر نہ ہو جب جذب ضعیف پڑے اور
آناً فآناً زیادہ ضعیف ہوتا جائے تو گھنٹوں کے بعد اب اثر پیدا ہو اور یہیں سے حدائق النجوم
کے جواب کا رد ہو گیا کہ امتداد سبب اشتداد سبب سے زیادہ موثر ہے اقول ہاں گرمی
کے سہ پہر کو دوپہر سے زیادہ گرمی ہوتی ہی جاڑے کی سحر کو شب سے زیادہ سردی ہوتی ہے
مگر زیادت کا فرق ہوتا ہے نہ یہ کہ مدت مدید تک بڑھتا ہوا اشتداد امتداد رکھے اور اثر
اصلا نہ ہو جب وقتاً فوقتاً گرمی بڑھتے ہوئے ضعف کا امتداد ہو اوس وقت آغاز اثر ہو یعنی
جون جولائی کی دوپہر کو اصلا گرمی نہ ہو تیسرے پہر کو پیدا ہو دسمبر جنوری کی آدھی رات کو
سردی نام کو نہ ہو صبح کے وقت شروع ہو ایسا او لٹا اثر ہیأت جدیدہ میں ہوتا ہو گا —
ثانیاً ٦٢ محرک کی قوت اگر جسم پر غالب نہ ہو اصلا حرکت نہ کریگا من بھر کے پتھر میں رسی
باندھ کر ایک بچہ کھینچے کبھی نہ کھنچے گا اور اگر اس درجہ غالب ہو کہ اسے تاب مقاومت نہ ہو
فوراً متحرک ہو گا مزاحمت کا اثر اصلا ظاہر نہ ہو گا جیسے ایک مرد کچھ کنکر کھینچے اور اگر اوس کی
مقاومت اس کی قوت کے سامنے قیمت رکھتی ہے تو البتہ فوراً اثر نہ ہو گا اسے قوت
بڑھانی پڑیگی زیادت قوت کے وقت اثر ہو گا نہ یہ کہ منتہائے قوت تک زور کرکے تھک جائے
اور نہ ہلے اب کہ ضعیف زور رہجائے اور لحظہ بہ لحظہ گھٹتا جائے تو اس گھٹتی ہوئی قوت کو مانے
پانی کی مقاومت قمر کی قوت کے آگے اول تو قسم دوم کی ہونی چاہیے جو ساری زمین کو کھینچ
لیجاتا ہے اوسکے سامنے اتنا پانی ایسا کتنے پانی میں ہے کہ گھنٹوں نام کو نہ ہلے اور نہ سہی قسم
سوم ہی ماننے تو انتہائے قوت کے وقت اثر ظاہر ہونا تھا نہ کہ تھک رہنے کے بعد مری ہوئی
طاقت سے ثالثاً ٦٣ جب پانی اتنی مقاومت کر سکا جب ہی کہ نہ میں اوس سے بدرجہا

زائد مزاحم ہو تو جسوقت پانی اثر لے زمین اوس سے بہت دیر بعد متأثر ہو اور اوس طرف کے
پانی کا اوٹھنا محدود نہ تھا بلکہ زمین کے اوٹھنے سے تو واجب کہ ادھر کے پانی میں جب مد ہو
اودھر کے پانی میں سکون ہو اودھر کے پانی میں مانوں بعد جب زمیں اثر ملنے مد ہوا وسوقت
ادھر کے پانی میں کب کا ختم ہو چکا ہو حالانکہ دونوں طرف ایک ساتھ ہوتا ہے رابعاً
رات دن میں دو ہی مد ہوتے ہیں اب لازم کہ چار ہوں۔ دو پانی کے اپنے اور دو جب زمین
متأثر ہو کر اوٹھے خامساً جانب ہوا جہ قمر میں چار مد ہوں اور طرف مقابل میں دو کہ باتباع زمین
ہیں اور اوس کے دو ہی تھے۔ غرض یہ لوگ اپنے اوہام نبلنے کے لیے جو چاہیں مونھ کھول دیتے
ہیں اس سے غرض نہیں کہ اوندھی پڑے یا سیدھی اور پڑتی اوندھی ہی ہے حیلۂ دوم
قعر دریا میں اور کناروں پر پانی کی حرکت بھی اثر جذب میں دیر کی معین ہوتی ہے اقول سمندر
کے قعر میں پانی کی حرکت کیسی سمندر میں نہروں کا سا ڈھال نہیں و لہذا دھار نہیں نہ قعر میں
ہوا ہے نہ اوپر کی ہوا کا اثر قعر تک پہنچتا ہے کیسی ہی آندھی ہو۔ اوسکے بعد پانی بالکل ساکن
رہتا ہے اور تعریبات شافیہ) کناروں کی حرکت ہوا سے ہی جہات اربعہ سے ایک جہت مثلاً
مشرق کو حرکت قمر کی طرف حرکت صاعدہ کے لیے کیا منافی ہے کہ تاخیر اثر میں معین ہوگی
دیکھو تمہارے نزدیک زمین مشرق کو جاتی ہی اور اوسی آن میں جذب شمس سے مدار پر چڑھتی ہے
دونوں حرکتیں ایک ساتھ ہوتی ہیں وجہ سوم کشش ماہ سے مد ہوتا تو چھوٹے پانیوں میں
کیوں نہیں ہوتا چاند جس پانی کے سامنے آئیگا اوسے کھینچے گا اس کے جواب میں اصول الہیئۃ
نے فقط اتنا کہہ دیا ہے۔ کہا یہ کسی مقامی سبب سے ہی اقول یہی کہنا تھا تو وہاں کہنا
چاہیے تھا کہ جذر و مد کا کوئی مقامی سبب ہے جس کے سبب یہ فاہار یاد نہ ہوتے۔
حدائق النجوم نے اس بیہودہ مہمل حیلے تراشے یکم مد کے لیے اجزائے آب کا اختلاف چاہیے
کہ بعض کو قمر کھینچے بعض کو نہیں تو جسے کھینچا وہ اوٹھتا معلوم ہو یہ پانی چھوٹے ہیں قمر جب
انکی سمت الراس پر آتا ہے سارے پانی کو ایک ساتھ کھینچتا ہی لہذا مد نہیں ہوتا اقول
اولاً یہ الٹ ہی اگر سارا پانی ایک ساتھ اوٹھے تو کیا اوس کا اٹھنا اور کناروں پر پھیلنا اور
پھر گھٹنا اور کناروں سے اوتر جانا محسوس نہ ہوگا عقل عجیب چیز ہے۔ ثانیاً

لعلہ جزیرں صح ۱۲

زمین سے بعد قطر زمین کے ۳۰ ہی مثل ہے لہذا دونوں طرف کا فرق $\frac{1}{۳۰}$ ہوگا تو جذب میں تفاوت بین ہوگا اور اسی پر مد کا توقف ہے اور بالآخر نتیجہ یہ دیا کہ قمر : شمس :: ۲$\frac{1}{۲}$: ۱ **اقول** [۷۴] **اولا** موج مد کو تفاوت جذب جانبین ارض پر موقوف ماننا کیسا جہل شدید ہے جب ایک جانب جذب ہو بداہۃً ارتفاع ہوگا خواہ دوسری جانب جذب اس سے کم یا زائد یا برابر ہو یا اصلا نہ ہو۔ **ثانیا** [۷۵] اب بھی چار مد بدستور رہے قمر سے دو بار ساڑھے اٹھ فٹ اور شمس سے دو بار ساڑھے تین فٹ **وجہ پنجم** کہتے ہیں اجتماع یا مقابلۂ نیرین کے وقت مد اعظم یوں ہوتا ہے کہ دونوں جذب معًا عمل کرتے ہیں **اقول** [۷۶] مقابلہ میں اثر واحد مقتضائے ہر دو جاذب نہ ہوگا بلکہ متضاد کہ ہر ایک اپنی طرف کھینچے گا اس کی صورتوں کی تفصیل اور نتائج کی تحصیل اور یہاں جو کچھ ہیأت جدیدہ نے کہا اوس کی تفصیح و تذلیل موجب تطویل ہے اسے جانے دیجیے مگر تصریح ہے کہ مد اعظم اجتماع و استقبال کے ڈیڑھ دن بعد ہوتا ہے و ہاں تو پانی نے وہی گھنٹے اثر نہ لیا تھا یہاں ۳۶ گھنٹے نہ دار دا اگر اثر اجتماع دو جذب تھا وقت اجتماع پیدا ہوتا نہ کہ بارہ پہر گزار کر **وجہ ششم** تو یہیں تربیعین میں بھی مد ناقص ۳۶ گھنٹے بعد ہے **وجہ ہفتم اقول** [۷۷] اگر یہ جذب قمر ہوتا تو ہمیشہ الی ما شاء اللہ تعالیٰ قمر کی سطح میں رہتا تو بحرین شمالی و جنوبی میں جن کا میل کسیل قمر سے زائد ہے جب قمر افق شرقی پر ہوتا مد جانب مشرق چلتا شمالی میں جنوب کو مائل جنوبی میں شمال کو پھر جتنا قمر مرتفع ہوتا شمالی کا جنوب جنوبی کا شمال کو مائل ہوتا جاتا جب نصف النہار پر پہنچتا شمالی کا ٹھیک جنوبی جنوبی کا ٹھیک شمالی ہو جاتا جب غرب کی طرف چلتا دونوں جانب غرب متوجہ ہوتے حالانکہ ایسا نہیں بلکہ مد کی حرکت مغرب سے مشرق کو مشاہدہ ہوتی ہے اسکی توجیہ یہ کی جاتی ہے کہ مد سیر قمر کا اتباع کرتا ہے **اقول** [۷۹] مجذوب کو بموضع جاذب کا اتباع لازم ہے اوس کی طرف کھنچے نہ یہ کہ چال ہیں اوس کی نقل کرے قمر اپنی سیر خاص سے جس میں رو بمشرق ہے دو گھنٹے میں کما بیش ایک درجہ چلتا ہے اور اتنی ہی دیر میں زمین تمہارے نزدیک ۳۰ درجے شرق ہی کو چلتی ہے تو ہر گھنٹے پر ساڑھے چودہ درجے مغرب کو پیچھے رہتا ہے تو مد کو لازم کہ جانب جاذب یعنی مشرق سے مغرب کو جائے نہ کہ اوس کی چال کی نقل اوتارنے کو اوسے پیٹھ کر کے اپنا منہ بھی شرق کو کرلے کہ جتنا چلے جاذب سے دور پڑے **وجہ ہشتم اقول** [۸۰] موسم سرما میں صبح کا مد کیوں زیادہ بلند ہوتا ہے اور گرما میں شام کا۔ کیا سردی میں چاند صبح کو پانی سے زیادہ قریب ہوتا ہے شام کو

مد ہو جاتا ہے اور گرمی میں بالعکس **وجہ نہم اقول**[۸۰] مد کی چال تجدد امثال سے ہے نہ یہ کہ وہی پانی
جو یہاں اوٹھا تھا کسی طرف کو متوجہ کر کے سطح آب کی سیر کرتا ہے اثر قمر سے سب اجزائے آب پر باری
باری ہی تو سب متاثر ہونگے نہ کہ ایک ہی اثر لیکر دوڑتا پھرے باقی چپکے پڑے رہیں اسکی نظیر سایہ ہے
جب آدمی چلتا ہو دیکھنے والے کو گمان ہوتا ہے کہ سایہ اوسکے ساتھ چل رہا ہے ایسا نہیں بلکہ جب
آدمی یہاں تھا آفتاب یا چراغ سے یہ جگہ محجوب تھی اس پر سایہ تھا جب آگے بڑھا یہ جگہ حجاب میں
نہ رہی یہ سایہ معدوم ہو گیا اب اگلی جگہ حجاب میں ہے اوس پر سایہ پیدا ہوا اسی طرح ہر جزو حرکت پر ایک
سایہ معدوم اور دوسرا حادث ہوتا ہے سلسلہ پے در پے بلا فصل ہونے سے گمان ہوتا ہے کہ وہی
سایہ متحرک ہے یہی حال یہاں ہونا لازم تو اوقیانوس شمالی میں جہاں قمر پانی سے جنوب کو ہے ضرور ہے
کہ پانی کا جنوبی حصہ پہلے اوٹھے پھر جو اوس سے شمالی ہے کہ اقرب فالاقرب کا سلسلہ بھی یہی ہے
اور ہر قریب تر پر خط جذب بھی استقامت سے قریب ہے تو مد کی چال جنوب سے شمال کو ہو اور اسی دلیل
سے اوقیانوس جنوبی میں شمال سے جنوب کو حالانکہ ہوتا عکس ہے شمالی میں[۸۱] موج جنوب کو جاتی ہے
جنوبی میں شمال کو **وجہ دہم**[۸۲] مد کی چال بحر اطلانطک یعنی اوقیانوس غربی میں فی ساعت
سات سو میل ہے جزائر غربیہ و آئرلینڈ کے درمیان ۵۰۰ میل کہیں ۱۶۰ میل کہیں ۶۰ کہیں ۳۰
ہی میل جذب[۸۳] قمر میں یہ اختلاف کیوں بالجملہ جذب قمر راست نہیں آتا[۸۴] دوران یعنی وجود و عدم میں دو
شی کی معیت ایک کے لیے دوسری کی علیت پر دلیل نہیں نہ بعدیت تا آں ان مشاہدات سے
اتنا خیال جائیگا کہ علت کو ان اوقات سے کچھ خصوصیت ہے اگر کہیے علت کیا ہے **اقول اولا**
ہمارے نزدیک ہر حادث کی علت محض ارادۃ اللہ جل وعلا ہے سب بات کو جو اسباب سے
مربوط فرمایا ہے سب کا جان لینا ہمیں کیا ضرور بلکہ قطعاً نا مقدور کون بتا سکتا ہے کہ سوزن
مقناطیس کا جدی الفرقد سے کیا ارتباط ہے ابھی گزرا کہ اصول ہیأت میں بحیرات و انہار میں
مد نہ ہونا سبب مجہول کی طرف نسبت کیا اسی طرح اماکن مختلفہ میں مرور قمر سے اختلاف مد و حدوث مد کو
ثانیا[۸۵] ہمارے یہاں تو ثابت ہی تھا کہ سمندر کے نیچے آگ ہے قرآن عظیم نے فرمایا
وَالْبَحْرِ الْمَسْجُوْرِ حدیث میں ہے اِنَّ تَحْتَ الْبَحْرِ نَارًا ہیأت جدیدہ بھی اسے مانتی ہے سنہ ۱۰۵۶
بحر الکاہل سے دھواں نکلنا شروع ہوا اور مادۂ آتشی کہ تہ دریا سے نکلا تھا مجتمع و منجمد ہو کر سطح

آب پر بشکل جزیرہ ہو گیا اوس میں سوراخ تھے جن سے ایسے شعلے نکلتے کہ دس میل تک روشن
کرتے طوفان آب کے اسباب سے ایک سبب[۸۱] دریا کے اندر بخار و دخان کا پیدا ہونا ہے
ایسے ہی بخارات اندر سے آتے اور پانی کو اوٹھاتے ہوں یہ مدہوا جیسے جوش کرنے میں پانی
اونچا ہوتا ہے اون کے منتشر ہونے پر پانی بیٹھتا ہو یہ جزر ہوا جاڑوں میں صبح کا مد زیادہ ہونا بھی
اس کا مؤید ہے سرما میں صبح کو تالابوں سے بکثرت بخارات نکلتے ہیں کوئیں کا پانی گرم ہوتا ہے
سطح ارض پر استیلائے برد کے سبب حرارت باطن کی طرف متوجہ ہوتی ہے اور رات بڑی
اس طویل عمل حرارت سے ادھر بخارات زیادہ اوٹھے اودھر پانی میں زیادہ بلند ہونے کی
استعداد آئی وَاللّٰهُ بِكُلِّ خَلْقٍ عَلِيمٌ

(۱۷) جاذبیت[۸۲] مرکز سے نکلکر اوس کے اطراف میں خط مستقیم پر پھیلتی اور مرکز ہی[۸۳] کی طرف
کھینچتی ہے **اقول**[۸۶] یہاں تک کہہ سکتے تھے کہ جاذبیت کا آغاز مرکز سے ہی نہ یہ کہ مرکز ہی جاذب ہے
مگر نمبر ۱۵ میں گزرا کہ حدائق میں مجذوب کا بُعد مرکز زمین سے لیا اور اوسکے اختلاف پر وزن گھٹایا
یوہیں اصول الہیأۃ میں مرکز زمین سے بُعد لیا اس کا مفاد یہ ہے کہ مرکز ہی جاذب ہے لیکن
اولاً[۸۷] یہی لوگ قائل ہیں کہ ہر شے میں جذب ہے **ثانیاً**[۸۸] یہ کہ جذب بحسب مادہ ہے جاذب
ہی (۱۰) مرکز میں اختلاف مادہ کہاں **ثالثاً**[۸۹] اختلاف کثافت سے اختلاف قوت
مرکز قدرے قرین قیاس تھی حجم کرہ کا مرکز پر کیا اثر مگر اثر بالعکس ہے کثافت عطارد زمین سے
زائد ہے مگر بوجہ صغر جاذبیت $\frac{۳۴}{۵}$ کثافت[۹۰] زمین شمس سے چوگنی ہے مگر جاذبیت $\frac{۱}{۲۸}$ (۱۵)
رابعاً[۹۱] یہی کہتے ہیں جو زمین[۹۲] کے اندر چلا جائے اوس سے اوپر کے اجزائے زمین اوسے
اوپر کھینچینگے اور نیچے کے نیچے کو اور خاص مرکز پر سب طرف کو کشش اجزا یکساں ہوگی اور یہی اونکے
قواعد سے موافق تر ہے۔

(۱۸) ہوا پانی مٹی سب ملکر ایک کرۂ زمین ہے یہ سب ثقیل ہیں ہوا روئے زمین سے ۴۵ میل بلندی تک ہے اور اتنی بھاری[۹۳] ہے کہ
ایک انچ مربع جگہ پر اوس کا بوجھ ۱۵ اپونڈ ہے ہر میانہ قد آدمی پر تین سو یا نوسو من کے قریب بوجھ ہے[۹۴] ہوا صرف ۴۷ میل
بلندی تک ہو[۹۵] کا وزن ...۰...۰... ۴۸۹۴۴۱ من ہے ہیأت جدیدہ کے
تخیلات میں ہمارے نزدیک عنصر چار ہیں نار و ہوا خفیف و طالب علو اور آب و خاک ثقیل و

طالب سفل۔ ہیأت جدیدہ نے ثقل ہوا پر یہ دلیل پیش کی کہ بوتل کو تولو پھر بذریعہ آلہ اوسے ہوا سے
خالی کرکے تولو اب ہلکی ہو گی چھ انچ مکسر بوتل کا وزن ہوا نکال کر تولنے سے دو گرین یعنی ۱/۲ ارتی
گھٹ جاتا ہے تو معلوم ہوا کہ معتدل گرمی کی حالت میں چھ انچ مکعب ہوا کا وزن دو گرین ہے
معتدل کی قید اس لیے کہ زیادہ گرمی سے ہوا رقیق ہو کر وزن گھٹ جائیگا۔ **اقول** [91] بلکہ تمھاری
نافہمی۔ یہ ہوا کا وزن نہیں زمین سے قریب ہوا میں اجزاے ارضیہ اجزائے بخاریہ اجزاے دخانیہ
وغیرہا مخلوط ہیں اونکا وزن ہے۔ یہ تو اونکی دلیل کا ابطال ہوا دعوے کی ابطال کی کیا ضرورت
ہر شخص اپنے وجدان سے جانتا ہے کہ اوسے اپنے سر پر ماشہ بھر بھی بوجھ نہیں معلوم ہوتا نہ کہ ۳۹۲
من انسان تو انسان ہاتھی کی بھی جان نہ تھی کہ اتنا بوجھ سہارے اور سہارنا کیسا محسوس تک نہ ہو
اسکے دو [92] جواب دیتے ہیں **اول** یہ کہ آدمی کے اندر بھی ہوا ہے باہر کی ہوا انسان کو دباتی اور
اندر کی ہوا اوبھارتی ہے یوں مساوات رہتی ہے اور بوجھ محسوس نہیں ہوتا باہر کی ہوا نہ ہوتی
تو اندر کی جسم کو چاک کرکے نکل جاتی بیرونی ہوا کے دباؤ نے ضرر کی جگہ نفع دیا **اقول** [92] **اولاً**
کہاں یہ جوف بشر کی دو چار ماشے ہوا اور کہاں وہ تین سو بانوے من بچنہ کا انبار کچھ بھی عقل کی
کہتے ہو زمین کی نافریت اپنے تیرہ [13] لاکھ گود آفتاب کی جاذبیت پر غالب آتی ہے سبب یہ ہے
بلکہ [93] چاند سے کروڑوں حصے زیادہ قوی ہوئے اوسے کھینچتے ہیں اور وہ نہیں سرکتا چاند کا جذب اپنے سے
مہا سنکھوں زائد جذب زمین پر غالب آکر پانی بلکہ خود سارے کرۂ زمین کو کھینچ لیجاتا ہے
دو ماشے ہوا چار سو من ہوا کا بوجھ برابر کرتی ہے کوئی بات بھی ٹھکانے کی ہے **ثانیاً** [93] وہ
اپنی بوتل کہاں بھلائی جب ہوا سے خالی کرلی اندر کا اوبھار گیا اور اوپر سے منوں کا بوجھ بوتل ٹوٹ
کیوں نہ گئی تمھارے تولنے کو کیوں باقی رہی **ثالثاً** [94] اندر کی ہوا کیا بیرونی ہوا کی غیر
جنس ہے اوس میں دبانا اس میں اوبھارنا کیوں ہے **رابعاً** [95] جب ہوا ثقیل ہے
اندر کی بھی ثقیل ہے بلکہ آمیزش رطوبات سے ثقیل تر ثقیل ہونے سے ہلکے کو اوبھارتا ہی جسم
انسانی ہوا سے کہیں بھاری ہے اسے اوبھارنا کیا معنی۔ واجب تھا کہ اندر کی ہوا بھی جذب
زمین سے متاثر ہو کر نیچے کو دباتی مگر اقرار کرتے ہو کہ اوپر کو اوبھارتی ہے تو معلوم ہوا کہ جذب زمین بھی باطل
اور ہوا کا ثقل بھی باطل بلکہ وہ خفیف و طالب علو ہے **دوم** یہ کہ ہوا کا یہ بوجھ اجزائے جسم پر

مساوی تقسیم ہے لہذا محسوس نہیں ہوتا **اقول** ۹۶ عجب منطق ہے کہ ایک طرف سے دباؤ تو بوجھ معلوم ہو اور سب طرف سے صدہا من کے دباؤ میں بیسیوں تو رتی بھر بھی محسوس نہ ہوا ایک گولر کو صرف اوپر سے ہتھیلی رکھکر دباؤ تو وہ پچک جائیگا اور مٹھی میں لیکر چاروں طرف سے دباؤ تو سرمہ ہو جائیگا۔ **ثانیا** ۹۷ مساوی تقسیم بھی غلط ہم نے اپنے محاسبات ہندسیہ ثلثین کیا ہے کہ ہوا جسے کرۂ بخار و عالم نسیم کہتے ہیں اسکا قُل سر کی جانب صرف ۴۵ میل اور دہنے بائیں آگے پیچھے کچھ ۶۰ سو میل کے قریب ہے تو ایک طرف سے اگر ۳۹۲ من بوجھ ہے اور اطراف سے ۵۲۲۷ من ہے پھر مساوات کہاں۔ **ثالثاً** ۹۸ سب اجزائے جسم پر تقسیم بھی بلحاظ کثیر ہونے میں تلووں پر ہوا کا کیا بوجھ ہے اور لیٹنے میں ایک جانب سر سے پاؤں تک کچھ نہیں **رابعاً** ۹۹ بالفرض سہی تو ایک انسان سر کی سطح بالا کہ نیم سطح بیضی کے قریب ہے کما بیش اسی انچ ہے اور تمھارے نزدیک ایک انچ کی سطح پر ہوا کا بوجھ ۷۔ سیر تو صرف سر پر ۱۵ من بوجھ ہوا یہ تو اور اجزا پر تقسیم نہیں۔ کیا انسان کا سر ۱۵ من بوجھ اوٹھا سکتا ہے کیا وہ پسکر سرمہ نہ ہو جائیگا نہ کہ اصلاً محسوس تک نہ ہو۔ تنبیہ اب دوم کو پانی کی مثال سے واضح کیا جاتا ہے کہ دیکھو دریا میں غوطہ لگاؤ تو صدہا من پانی اوپر ہے مگر بوجھ نہ معلوم ہوگا اسکی وہی وجہ ہے کہ سب طرف سے دباؤ مساوی تقسیم ہے **اقول** ۱۰۰ ہزار ہاتھ گہرے کوئیں میں غوطہ لگا کر تہ تک پہنچے جب بھی بوجھ نہ محسوس ہوگا حالانکہ سارا پانی سر ہی پر ہے کروٹوں پر صرف بالشت دو بالشت پاؤں پر کچھ نہیں تو وجہ یہ نہیں بلکہ وہ جسکی طرف ابھی ہم نے اشارہ کیا کہ ثقیل اپنے حیز میں اپنے سے ہلکے کو اوبھارتا ہے جس کا خود ہیأت جدیدہ کو اعتراف ہے و لہذا غوطہ خور کو نیچے جانے میں پانی کے ساتھ زور کرنا پڑتا ہے اور اوپر بسہولت اوٹھتا ہے اور جو خود اوبھارے اوس کا دباؤ پڑنا کیا معنے۔ بخلاف ہوا کہ جسم انسان سے ہلکی ہے یہ اگر ثقیل ہوتی تو اوس صدہا من بوجھ سے ضرور انسان کو پیس ڈالتی اگر کہیے زمین کے قریب ہوا میں ابھی تم نے بھی وزن تسلیم کیا پھر کچھ تو محسوس ہو۔ **اقول** ۱۰۱ وہ اجزائے غبار و بخار و دخان وغیرہا نہایت باریک باریک ہوا میں متفرق ہیں تو انسان کے سر سے گنتی کے جز منفصل ہوتے ہیں جنسے زیادہ گرد اوڑکر سر پر پڑنے میں ہوتے ہیں جنکا بار اصلاً محسوس نہیں ہوتا۔ ان دونوں جوابوں کی غلطی ظاہر ہو گئی **اقول** ۱۰۲ یہاں اور مباحث و انظار دقیقہ ہیں جنکی

تفصیل موجب تطویل نہ ہمکو ضرورت ۔ نہ دلیل ابطال کی حاجت کہ ہم ابطال دلیل کر چکے
رد دعوے کو اسیقدر بس ہے کہ دعوے بے دلیل باطل و دلیل رد۱۰۲ ثا خفیف ماننا اوس کے
لیے شہادت حس کافی ہو کہ کس قدر کثیر حجم کی سروں پر موجود ہے اور بار نہیں ڈالتی بلا دلیل
اس شہادت کو غلط نہیں کہہ سکتے جیسے حس بصر میں اغلاط ہوتے ہیں ۔ مگر غلطی وہیں مانی
جاتی ہے جہاں دلیل سے خلاف ثابت ہو بلا دلیل تغلیط حس سے امان اوٹھا دینا ہے تو
روشن ہوا کہ ہوا کو خفیف ہی کہا جائیگا اور اوس کا ثقیل ماننا باطل ۔

(۱۹) ہوائے تجارت یعنی مقامی ہوا کہ خط استوا میں ہمیشہ مشرق سے مغرب کو چلتی ہے اور عرض
شمالی میں شمال اور جنوبی میں جنوب سے خط استوا کی طرف مائل ہوتی ہے اور بحر احمر میں ہمیشہ
سواحل عرب شریف کی موازات کا لحاظ رکھتی ہے اور تجارت کے لیے کمال نافع ہے اوس کا
سبب یہ بتاتے ہیں کہ خط استوا۱۰۳ پر حرارت شمس زیادہ ہونے کی وجہ سے وہاں کی ہوا ہلکی ہو کر
اوپر چڑھتی ہے اور قطبین کی ہوا تعدیل کے لیے یہاں آتی ہے خط استوا۱۰۴ پر حرکت زائد ہے کہ مدار
بڑا ہے جتنی تیز حرکت یہاں ہے ہوا کہ طرفین سے آئی اوتنی تیز حرکت نہ کریگی تو اوس کی گردش
زمین کے برابر نہ ہوگی بلکہ زمین اوسکے اندر گردش کریگی اور مشرق کو زیادہ بڑھ جائیگی ہوا مغرب
کی طرف پیچھے رہجائیگی لہذا خط استوا پر ہوا شرقی ہوگی یعنی مشرق سے مغرب کو جاتی معلوم
ہوگی ہوا کہ قطبین سے خط استوا کی طرف تعدیل کے لیے چلی شمالی سیدھی جنوبی نہیں رہتی
بلکہ جنوبی مغربی ہو جاتی ہے اور جنوبی سیدھی شمالی نہیں رہتی بلکہ شمالی مغربی کہ وہ۱۰۵ خط استوا
کے قریب اتنی تیز رفتار نہیں کر سکتی تو زمین کا وہ حصہ آگے نکل جائیگا اور شمالی ہوا کا رخ بجائے
جنوب جنوب و مغرب اور جنوبی کا بجائے شمال شمال و مغرب کو ہو جائیگا **اقول**۱۰۶ تعدیل
ہوا واجب ہے اور خلا تمھارے نزدیک محال نہیں پھر ہوائیں کیوں اولٹ پلٹ ہوتی ہیں

(۲۰) زمین۱۰۷ اگر ابتدائے آفرینش میں جامد ہوتی اور اپنے محور پر گھومتی تو خط استوا پر پانی کے
انبار ہو جاتے اور قطبین کے پاس زمین خشک رہجاتی یعنی زمین تو اپنے جامد و سخت ہونے کے
سبب یکساں رہتی مگر پانی سیال تھا اور خط استوا پر حرکت سب سے زیادہ تو اسی طرف
پانی کا ہجوم ہوتا اور قطبین جہاں حرکت نہیں پانی سے کھل جاتے لیکن ایسا نہیں تو معلوم ہوا کہ

زمین ابتدا میں جامد نہ بنائی گئی۔

(۲۱) زمین خطِ استوا پر اونچی اور قطبین کے پاس چپٹی ہے اس سے معلوم ہوا کہ اول میں سیّال ہی بنائی گئی تھی تیزی حرکت کے باعث خطِ استوا پر اوس کے اجزا زیادہ چڑھ گئے اور قطبین کے پاس کم ہو گئے حدائق میں ان دونوں مضمونوں کو یوں بیان کیا زمین کی محوری حرکت سے ضرور تھا کہ کرۂ آب شلجمی شکل ہوتا کہ حرکت مستدیرہ میں جسم لطیف مرکز سے متجاوز ہوگا اور جہاں تیزی حرکت ہو وہاں زیادہ جمع ہو کر شلجمی شکل ہو جائیگا اگر زمین ابتدا میں سخت ہوتی ہوا ضح خطِ استوا غرقِ آب رہتے حالانکہ وہاں اکثر خشکی ہے تو معلوم ہوا کہ زمین خود ہی شلجمی ہے یعنی ابتدا میں سیّال تھی حرکتِ محوری کے سبب یہ شکل ہو گئی اوسکے بعد منجمد ہوئی اور اسی کو شروع حدیقہ سوم میں تمام سیّارات پر یوں ڈھالا کہ حرکت وضعیہ قطبین پر اصلا نہیں ہوتی پھر بڑھتی جاتی ہے اور منطقہ پر سب سے زائد تیز ہوتی ہے اور طبعیات میں ثابت ہے کہ حرکت موجب حرارت ہے اور حرارت جاذب رطوبات تو ضرور ہوا کہ قطبین سے اجزا منتقل ہو کر منطقہ پر جمع ہو جائیں اور قطرِ استوائی محور سے بڑا ہو اھ یہ تقریباً فریت سے دور اور قبول سے نزدیک ہے اگر سیّارات کا سیّال ہونا ثابت ہوتا۔

(۲۲) دونوں نقطۂ اعتدال ہر سال مغرب کو ۲ر۵۰ہٹتے جاتے ہیں اسے مبادرت اعتدالین کہتے ہیں یہ ہٹنا صحیح ہے جس کی وجہ ہیأت قدیمہ میں فلک البروج کا برخلاف معدل مشرق کو آنا ہے تو یہ نقطۂ تقاطع مغرب میں رہجاتا ہے اور اوس کی جگہ دوسرا نقطہ قائم ہوتا ہے لہذا نقطۂ تقاطع معدل النہار سے شخصی ہے اور فلک البروج سے نوعی کہ منطقہ کی حرکت شرقی کے سبب معدل کے اوس نقطہ پر منطقہ کے مختلف نقطے آتے رہتے ہیں ا ح ب معدل النہار ا ء ب فلک البروج معدل کی حرکت کہ شرق سے غرب کو ہے اوس میں تو منطقہ بھی اوسکا تابع ہے اوس سے کوئی تفاوت نہ ہوگا لیکن منطقہ اپنی ذاتی حرکت خفیفہ مغرب سے مشرق کو رکھتا ہے آج تقاطع نقطتین ا ما ب پر ہے اب منطقہ کا نقطۂ ا حرکت کرکے ء پر آیا تو ضرور نقطہ ح کہ اوس سے مغرب کو تھا ا کی جگہ آئیگا اب ح پر تقاطع ہوگا جو اسے مغرب کو تھا
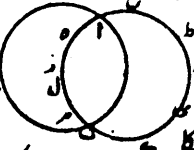
جب خ چلکر ہ کی جگہ آئیگا ط کہ اوس سے مغربی ہے محل تقاطع پر آئیگا یونہیں جب ا محل ہ
پر آیا ضرور ہے کہ د بڑھکر ک کی جگہ آیا اور اب ع کہ اوس سے مغرب کو تھا ف کی جگہ تقاطع پر
آیا جب ب ک کی طرف بڑھا ل نے کہ اس سے مغرب کو تھا تقاطع کیا یوں ہر روز تقاطع منطقہ
کے غربی نقطوں پر منتقل رہیگا جس کی مقدار روزانہ تقریباً دس ثالثے بتائی گئی ہے کتنی صاف وجہ ہے
جس پر عقلاً کچھ غبار نہیں لیکن ہیأت جدیدہ کو تو ہر چیز جاذبیت کے سر منڈھنی ہے خواہ نہ بنے
اس کی وجہ یہ بتاتی ہے کہ زمین خط استوا پر پھولی ہوئی ہے تو شمس و قمر کا بہ نسبت اور اجزائے
زمین کے اس چھلے پر بوجہ قرب جذب زائد ہے آفتاب اوسکے ہر جز کو منطقۃ البروج کی طرف
کھینچتا ہے اور وہ جز زمین کی حرکت محوری سے اوسی چھلے کے ساتھ جانا چاہتا ہے لاجرم
دونوں سمتوں کے بیچ میں بڑھتا ہے اور سارا چھلا اسی کشمکش میں ہے لہذا منطقۃ البروج سے
تقاطع کے نقطے اب آگے مغرب کو پڑتے ہیں اور یہ فعل مستمر رہتا ہے مگر جب آفتاب نقطتین
اعتدال پر ہو جیسے مارچ ستمبر میں کچھ دیر تو اتنی دیر البتہ یہ فعل باطل ہوگا کہ خط استوا یہاں خود منطقۃ
البروج سے متحد ہے تو ایک دوسرے کی طرف کھینچا گیا اور سب سے زائد اوس وقت ہوگا
جب آفتاب مدارین میں ہو یعنی راس السرطان و راس الجدی پر اور اس میں بوجہ قرب قمر کا
فعل شمس سے زائد ہے یعنی ۲/۵ اور چند سطر بعد کہا تقریباً ۵/۲ مجموع جذب نیرین سے اعتدالین
۴۱ء۵۰ً ہر سال ہٹتے ہیں مگر اور سیاروں کی جاذبیت اونکے فعل کی ضد ہے وہ مبادرت کو
۲۱ء۰ً گھٹاتی ہے لہذا ۲۱ء۵۰ً رہتی ہے مبادرت کی تصویر یہ ہے
ا ء منطقہ پر محل شمس ہے ا ب ح ء معدل کے مثلاً
نقطہ ہ کو اپنی طرف جذب کرتا ہے لیکن وہ زمین کی حرکت محوری سے
اسی دائرہ ا ح ب پر جانب ا جانا چاہتا ہے دونوں تقاضوں کے تجاذب سے وہ نہ ء کی
طرف جائیگا نہ ا کی بلکہ دونوں کے بیچ میں ہو کر ح کی طرف بڑھے گا اور اب ا کی جگہ اور نقطہ
کہ اوس سے مغربی تھا نقطۂ تقاطع ہو جائیگا **اقول** ۱۰۶ یعنی ہ کا ح کی طرف بڑھنا یوں
تو نہ ہوگا کہ ہ چھلے سے نکلکر خط ہ ح پر بڑھ جائے بلکہ سارا ہی چھلا اس طرح بڑھے گا کہ ادھر
ء سے قریب ہو جائے اور ادھر ح سے تو ا اپنی اس جگہ سے باہر نکل جائیگا اور اوسکی جگہ اوسکے
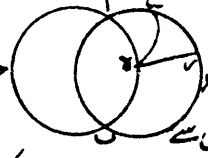
ب کا نقطہ ح کی طرف قریب کے نقطہ ع سے ملکر تقاطع پیدا کریگا ممکن نہین کہ معدل کا وہی نقطہ ہٹ کر تقاطع کرے کہ وہ جاذب کے سبب جست کرکے اونچا ہوگیا ہی تو یہان ا ہ کے قابل فاصلہ نہ رہا لاجرم ا آگے نکل گیا اور اوس کے پیچھے کا نقطہ محل تقاطع ہوا اور اب یہ شکل ہوگی ا پہلے نقطہ تقاطع تھا جب وہ بڑھکر ہ کی جگہ آیا خط ا سا کا حصہ ا ہ ہوا ا موضع تقاطع سے آگے نکل گیا اور تقاطع منطقہ کے نقطہ ا سے پیچھے ہٹکر مغرب کو پڑا تو اب ط نقطہ تقاطع ہوا کہ ح سے بہ نسبت ر پہلے تقاطع کے قریب ہی تو انکے طور پر تقاطع دائرۃ البروج و معدل النہار یعنی خط ا سے ٹو ادونون سے اوعی ہے

اوس کا نوعی ہونا تو ظاہر کہ تقاطع منطقے کے اجزائے غیر پر منتقل ہی اور اس کا یون کہ اسے جاذبیت نے بڑھایا اور پہلے نقطے کو قائم نہ رہنے دیا انکے طور پر غربیت کیون ہوئی

اقول ثنا اسے ہم اپنے طریقے پر توضیح کرین اگرچہ دو نصف بالائے افق و زیر افق کے اعتبار سے مشرق و مغرب کی تعبیر بدلتی ہے ہمارا مشرق امریکا کا مغرب ہی اور ہمارا مغرب اوس کا مشرق مگر توالی بروج متبدل نہین اور وہ ہر جگہ مشرق سے مغرب کو ہے حمل جہان ہو ثور اوس سے مشرق مین ہے کہ اوس کے بعد طالع و غارب ہوگا اور حوت مغرب مین کہ پہلے یونہین ہر جگہ میزان سے عقرب شرقی اور سنبلہ غربی تو جو چیز توالی بروج پر انتقال کرے مثلاً حمل سے ثور مین آئے یا راس الحمل سے حمل کے دوسرے درجے مین وہ مغرب سے مشرق کو جاتی ہے اور جو چیز خلاف توالی متحرک ہو مثلاً حمل سے حوت یا حوت کے ۳۰ سے ۲۹ وہ مشرق سے مغرب کو چلتی ہے اس شکل مین اگر ا مشرق پر راس الحمل ہے تو ضرور ا ط ح ر الخ حوت دلو جدی الخ ہین خواہ ا ر ما قوس بالائے افق ہو کہ یہ اوس سے پہلے طلوع کرتے ہین یا قوس زیر افق کہ اب ا کا دورہ کا مشرق ہی ہمارا مغرب ہی اور حوت دلو جدی الخ اوس سے پہلے غروب کرتے ہین اور اگر ا مشرق پر راس المیزان ہی تو ضرور بوجہ مذکور دونون صورتون مین ط ح ر الخ سنبلہ اسد سرطان الخ ہین اب کہ ا کی جگہ ط نقطہ تقاطع ہوا پہلی صورت مین راس الحمل اپنی جگہ سے ہٹکر حوت سابق کا کوئی حصہ راس الحمل ٹھہرا اور دوسری صورت مین

راس المیزان ہٹکر سنبلہ سابقہ کا کوئی نقطہ راس المیزان ہوا بہرحال نقطۂ اعتدال خلاف توالی پر بڑھا تو مغرب کو ہٹا وھو المقصود تم سمجھے کیوں جاذبیت کے ہاتھوں مبادرت بنگئی۔ اب ردّ سنیے **فاقول**[108] **اولاً** ایک سہل سوال تو پہلے یہی ہے کہ شمس کا جذب صرف خط عمود پر نہیں بلکہ تمام اجزائے مقابلہ پر ہے اگرچہ موقع عمود پر زائد اور ظاہر ہے کہ چھلے کے اجزا اگرچہ ایک سمت میں نہیں کہ قوس کے ٹکڑے ہیں مگر اونکی سمتیں قوسی انتظام میں منتظم ہیں ان پر جذب کے جو خطوط آئیں گے اون کی سمتوں کا اختلاف اوسی رنگ کا ہوگا اور مختلف زاویے بناتے آئیں گے ہر جز اپنے زاویے کے بیچ میں نکلے گا جو قوسی انتظام میں منتظم نہیں تو کیا وجہ کہ اجزا متفرق نہ ہو جائیں اسکا ثبوت تمھارے ذمہ ہے کہ اون کا نکلنا ایسے ہی تناسب پر ہوگا کہ چھلا بدستور برقرار رہے **ثانیاً**[109] جب عمود و منحرف کا بھی فرق اور قرب بھی مختلف لاجرم جذب مختلف تو نافریت مختلف تو چال مختلف تو اجزا متفرق اور چھلا منتشر **ثالثاً**[110] وسط کے جز پر سب سے زیادہ جذب عمودی ہے اور دونوں پہلوؤں پر بتدریج متناقص تو واجب کہ چھلے کا جزء اوسط سب سے زیادہ اپنے محل سابق سے تجاوز کرے اور دونوں طرف کے اجزا اخیر تک بترتیب کم تو موضع تقاطع کے دونوں جزء اپنے محل سابق سے بہت کم ہٹے ہوں اور باقی کا بُعد بڑھتا جائے یہاں تک کہ جزء اوسط سب سے زیادہ اپنی پہلی جگہ سے دور ہو جائے مگر یہاں یہ ناممکن بلکہ اس[111] کا عکس واجب کہ جب دونو دائروں کا نقطۂ تقاطع پیچھے ہٹا ہے تو خط استوا کی اب جو وضع ہوگی وہ پہلی وضع سے قطعاً وسط میں متقاطع ہوگی۔ مثلاً آ راس الحمل ب راس المیزان تھا اب راس الحمل ح پر ہوا تو واجب کہ راس المیزان ء پر ہو ح ء کو وصل کرنیوالی قوس یقیناً قوس سابق ا ب سے وسط میں تقاطع کرے گی تو ثابت کہ محل تقاطع کے اجزا اپنی جگہ سے بہت زیادہ ہٹے اور پھر بُعد گھٹتا گیا یہاں تک کہ وسط پر اصلاً نہ رہا بالکل اوس کا عکس جو جاذبیت کا مقتضے تھا تو جاذبیت مبادرت ماننا جہل محض ہے **رابعاً**[112] جذب نیرین کا اثر ہمیشہ متوافق ماننا بیہودہ ہے بلکہ کبھی متوافق ہوگا جیسے اجتماع میں اور اوس وقت مبادرت بہت سریع ہونا چاہیے کہ دونوں ایک طرف کھینچ رہے ہیں اور کبھی متخالف ہوگا

کبھی تعارض جیسے اس شکل میں آ ت منطقہ آ ح خط استواء ء شمس سا قمر نقطہ ہ کو خط
اہ پر جانا چاہتا ہے اور شمس اور ء ہ کو ہ پر کھینچتا ہے تو اس کا مقتضے خط ہ ح پر
جانا ہوگا اور قمر سا ہ پر کشش کرتا ہے اس کا مقتضے خط ہ ط پر جانا
ہوگا ہوگا اب اگر بعد قمر سے کی جذب اوس نسبت ⅛ سے جو اون کے جذبوں
میں ہے زائد ہو قمر کا اثر ضعیف ہوگا کم ہے شمس کا اثر سست ہوگا برابر ہے تو دونوں
اثر مساوی ہوں گے بہر حال اوس پر تینؔ مختلف اثر ہیں بحال تعارض اگر جذب نیرین
ساقط ہو سیدھا آ ہ پر جائے گا مبادرت ہوگی ہی نہیں بحال تخالف اگر سست معتدبہ نہ رہے
اگر وہ اثرِ شمس ہ ط پر جائے اور اثر قمر تو ہ ح پر ورنہ ان تینوں کے سوا چوتھا خط نکالے گا بہر طور
مبادرت کی چال ہرگز منتظم نہ ہوگی حالانکہ باتفاق ارصاد منتظم ہے۔ خامسًا جاذبیت
دیگر سیارات کا مبادرت کو گھٹانا یوں ہی ہو سکتا ہو کہ نیرین اعتدالین کو جانب
غرب بڑھاتے اور یہ جانب شرق پھینکتے یا مطلقاً حرکت سے روکتے ہوں ثانی تو بداہۃً
باطل کو روکنا کار جاذبیت نہیں اور اول یعنی تقاطع کا کسی ایسے نقطۂ منطقہ پر لیجانا جو پہلے
نقطے سے شرق کو ہو اوسی حالت میں متصور کہ وہ نصف شمالی میں خط استوا سے جنوب
کو ہوں یا نصف جنوبی میں شمال کو کہ اس صورت میں سیارہ ء معدل کے نقطۂ ہ
کو اپنی طرف کھینچے گا اور وہ آ کی طرف جانا چاہے گا اور خط ہ ح پر نکلکر منطقہ
ح سے دور ہوگا اور آ کے بدلے سا پر تقاطع ہوگا جو ہمارے بیان
سابق کے مطابق توالی بروج پر آ کے آگے اور اوس سے
شرقی ہے سیارات میں ایسا نہیں نصف شمالی میں اون کا
میل شمالی اور جنوبی میں جنوبی ہوتا ہے اور برعکس بھی ہو
تو نادر تو اکثر اوقات سیارات اس میں نیرین کے موافق ہی ہوں گے نہ کہ ضد نقطۂ
خط استوا کے آگے بڑھنے میں کچھ رکاوٹ پیدا کرنا مبادرت کو غربی سے شرقی کرنا نہ
چاہے گا کہ وہ منطقہ سے قریب ہوتا ہوا جتنا بھی بڑھے بہر حال مبادرت غربیہ ہوگی سادسًا
فرض کیجیے کہ یہ نادر نہیں تو ہمیشہ کے لیے تو ہمیشہ عکس ہی لازم کہ نصف شمالی میں اونکا

میں دائما جنوبی ہو اور جنوبی میں دائما شمالی اور یہ قطعاً باطل **سابعاً** ۱۱۶ قرب قمر سے
اوسکی جاذبیت اقوی ہونے کا رد ابحاث ۵ کی وجہ چہارم میں گزرا **ثامناً** ۱۱۷ مدارین
عمل اقوی ہونا عجیب ہے یعنی غایت بُعد پر جذب اقوی ہو اور جتنا قرب ہوتا جائے اضعف
تاسعاً ۱۱۸ حلقہ استوائی کا بوجہ ارتفاع اقرب ماننا بھی عجیب ہے ایسا کتنا فرق ارتفاع
ہی قطب سے خط استوا تک تقریباً ۱۳ ہی میل کا تو فرق ہے اور مدار سے خط استوا تک ۲۳
درجے ، ۲۸ دقیقے ہیں کہ دو کروڑ اسی لاکھ میل سے زیادہ ہوئے تو شمس جب مدارین میں ہوگا قریب
کے مداروں کو کھینچے گا یا پونے تین کروڑ میل سے زائد بیچ میں چھوڑ کر صرف ۱۳ میل بلندی کو پکڑیگا
عاشراً ۱۱۹ اب واجب ہے کہ جب شمس مدار صیفی میں ہو تمام مدارات کو کہ اوس سے جانب
جنوب ہیں شمالی ہوں خواہ جنوبی مع خط استوا سب کو جانب شمال کھینچے اور باقی تمام
مدارات یعنی قطب شمالی تک اونکے موازی دائروں کو جانب جنوب ۔ یونہیں جب مدار پر منتقل ہو
اوسے چھوڑ کر اوس سے شمالیوں کو جنوب اور جنوبیوں کو شمال کی طرف جذب کرے یہاں تک کہ
خط استوا پر آئے اب اسے چھوڑ کر تمام شمالیات کو جنوب اور جمیع جنوبیات کو شمال کی
طرف لائے جب اوس سے جنوب کو چلے سب شمالیات و خط استوا کو جانب جنوب
کشش کرے باقی کو جانب شمال غرض نہ خط استوا بلکہ زمین کا ہر چھلا کہ اوسکے موازی ہے
جانب شمس کھینچے مدار صیفی سے باہر جتنے چھلے ہیں سب ہمیشہ جنوب کو ٹھہریں اور مدار شتوی سے
جتنے باہر ہیں سب ہمیشہ شمال کو تو زمین قطبین پر سے روز بروز خالی ہوتی جائے اور مدارین کے
اندر جو چھلے ہیں وہ ہمیشہ بر دمات میں رہیں کبھی جنوب کو ہٹیں کبھی شمال کو دیکھو کیا اچھی مبانی
اعتدالین بنی **حادی عشر** ۱۲۰ خط استوا پر فعل باطل ہونے کے کیا معنی اب منطقہ کی طرف
نہ کھینچا اپنی طرف تو کھینچے گا تو لازم کہ تقاطع کا نقطہ تقاطع ہو کر نہ صرف آگے بڑھے بلکہ اونچا
ہو جائے **ثانی عشر** ۱۲۱ یہ اپنی طرف کھینچنا خط استوا ہی پر نہیں بلکہ ہر مدار پر ہوگا
دن کو ادھر کے نقطے کو اونچا کریگا رات کو ادھر کے نقطے کو تو لازم کہ مابین المدارین زمین
بہت لانبی ہو جائی ظہور قطر استوائی ہر سال زیادہ ہوتا جاتا اور شکل بیضی کبرو زمان ہوتی
یہ ہے تمہاری جاذبیت اور یہ اوس کے ہاتھوں نظم ہیئت ۔

(۲۳) میل کلی ہمیشہ کم ہوتا جاتا ہے زمانہ اقلیدس مین ۲۴ درجے تھا اسی لیے اوس نے مقالہ رابعہ مین ۱۵ ضلع کی شکل بنانے کا طریقہ لکھا ابھی ۲۳° ۲۷ ہے اس کی وجہ بھی وہی بتائی کہ آفتاب خط استوا کے چھلے کو منطقہ کی طرف کھینچتا ہے اصول الہیاۃ مین اس پر یہ بڑھایا کہ نصف چھلے کو جو آفتاب سے قریب ہے منطقہ سے نزدیک کرتا ہے اور دوسرے نصف کو دور مگر اسکی دوری اوس کی نزدیکی سے کم ہے لہذا قرب ہی بڑھتا ہو اور پھر گھٹیگا بھی ان نصفون مین فاصل وہ خط ہے کہ دونون نقطہ اعتدال مین واصل ہے منطقہ کا محور ہے **اقول** [۱۲۲] **اولا** ا ح ب د و عظیمے مثلا ا ر ح ـ ا ح ب متقاطع ہون اور اون کا تقاطع نہ ہوگا مگر نصف پر ہر نصف کے منتصف پر اون مین غایت بعد ہوگا جسے میل کلی و بعد اعظم کہتے ہین جیسے ح ء ، ہ ر اور یہ قوس اوس زاویہ ا یا ف کا قیاس ہوگی اور بداہۃً دونون زاویے ا ح ء ، ہ ا ر متساوی ہین تو جو ح ء ، ہ ر دونون قوسین برابر ہین تو محال ہے کہ ایک نصف مثلا ا ح ب کو ا ء ب سے قریب کیجے اور دوسرے نصف ا ہ ب کو ا ر ب سے بعید بلکہ جتنا ایک نصف ادھر کے نصف سے قریب ہوگا وجوبا اوتنا ہی دوسرا نصف دوسرے نصف سے قریب ہو جائیگا ورنہ دائرے کے دو ٹکڑے ہو جائینگے **ثانیا** [۱۲۳] اس قریب بعید کرنے مین تفاوت کے کیا معنے **ثالثا** [۱۲۴] چھلے کے دونون نصف ہر روز آفتاب سے قرب و بعد بدلتے ہین دن کو جو نصف قریب ہی شب کو بعید ہوگا و بالعکس تو دن کا عمل رات مین باطل رات کا عمل دن مین زائل اور سال بسال میل کی کمی غیر حاصل **رابعا** [۱۲۵] کیا دلیل ہے کہ عمل کچھ ایک زمانے کے بعد منعکس ہوگا اور میل کہ گھٹتا جاتا ہی پھر بڑھنے لگیگا یا جو منہ پہ آیا دعوے کر ڈالا یہان تک کہ لکھدیا کہ ابدالآباد تک یہی کبھی گھٹتا کبھی بڑھتا رہے گا **خامسا** [۱۲۶] کیو و مبادرت دونون متلازم اور ایک علت کے معلول ہین جب کیو منعکس ہوگا اور میل بڑھیگا ضرور خط استوا منطقہ سے دور ہوتا جائیگا اور تقاطع غرب سے شرق کو آئیگا کیا کبھی ایسا سنا یا قدیم و جدید مین کسی کا ایسا زعم ہوا یا حکمیات بے سروپا ہی کا
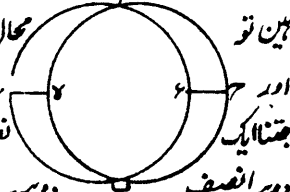
نام تحقیق جدید ہے۔
(۲۴) مرکز شمس تحت حقیقی ہے جو اوس سے قریب ہے نیچے ہے اور بعید اوپر اقول[۱۲۷] یہ مضمون ہیأت جدیدہ سے بوجوہ ثابت اولاً صاف تصریح کہ شمس[علہ] ہی ثقیل حقیقی ہے باقی سب اضافی ہر ایک بقدر اپنے ثقل کے مرکز شمس سے قرب چاہتا ہے اور اوس سے زیادہ قرب سے بھاگتا ہے مع اس اقرار[علہ] کے کہ ثقل کا کام جانب زیریں کھینچنا ہے تو روشن ہوا کہ مرکز شمس ہی تحت حقیقی ہے ثانیاً[۱۲۸] ہماری طرح یہ بھی زہرہ وعطارد کو سفلیین اور مریخ ومافوقہ کو علویات کہتے ہیں ہمارے طور پر تو اوسکی وجہ صحیح وظاہر ہے کہ مرکز زمین تحت حقیقی ہے زہرہ وعطارد اوس سے قریب ہیں اگرچہ اپنے بُعد ابعد پر ہوں اور مریخ ومافوقہ بعید اگرچہ بُعد اقرب پر ہوں لیکن ان کے طور پر یہ نہیں بنتی کہ ہیأت جدیدہ کے زعم میں بارہا مریخ زمین سے قریب اور زہرہ وعطارد دُور ہوتے ہیں زیجات سنویہ یعنی النکون میں دیکھیے گا کہ جابجا کتنے دن زمین سے بُعد مریخ کے لوگارثم میں عدد صحیح ۹ ہے کہ کسر محض ہوئی اور زہرہ وعطارد میں صفر کہ آحاد صحاح کا مرتبہ ہوا سب میں زیادہ تفاوت کا مقام وہ ہے کہ وہ دونوں شمس کے ساتھ قرانِ اعلیٰ میں ہوں اور مریخ مقابلے میں اس صورت پر ظاہر ہے کہ اسوقت مریخ زمین سے قریب ہوگا اور زہرہ وعطارد دُور ہیأت جدیدہ[علہ] نے اسوقت زمین سے عطارد کا بُعد اعظم ۱۳۳۳۲۰۲۹۰ میلیا تیرہ کروڑ میل سے زائد اور زہرہ کا ۱۵۹۵۵۱۲۳۶ سولہ کروڑ میل کے قریب اور مریخ کا بُعد اقل ۲۶۳۸۸۹۸۵ کہ پونے تین کروڑ میل بھی نہیں تو اگر مرکز زمین تحت حقیقی ہو تو لازم کہ بارہا مریخ نیچا اور زہرہ وعطارد اونچے ہوں حالانکہ ایسا نہیں لاجرم مرکز شمس کو تحت حقیقی لیا کہ زہرہ وعطارد ہمیشہ اوس سے قریب ہیں اور مریخ بعید ثالثاً[۱۲۹] صاف تصریح[علہ] ہے کہ زہرہ وعطارد کا مدار مدار زمین کے اندر رہنے کے سبب اون کو سفلیین کہتے ہیں اور مریخ وغیرہ کا مدار مدار ارض سے باہر ہونے کے باعث

شمس
ارض
مریخ

علہ ص ۲۹ ۱۲ علہ ص ۳۳۲ ۱۲ علہ ص ۲۶۵ ۱۲ علہ ص ۲۶۲ ص ۹۹ ۱۲

او نکو علویات - ظاہر ہو کہ یہ علو و سفل اضافی ہیں یعنی زہرہ و عطارد کا مدار اندر ہونے کے سبب تحت حقیقی سے بہ نسبت مدار ارض نزدیک تر ہو اور مریخ وغیرہ کا دُور تر کھل گیا کہ ان کے نزدیک مرکز شمس ہی تحت حقیقی ہے یہ ہی ہیأت جدیدہ اور اوس کی تحقیقات ندیدہ تمام عقلائے عالم کے خلاف اس نمبر کا پورا مزہ فصل سوم کھلے گا انشاء اللہ تعالے۔

(۲۵) خلا ممکن بلکہ واقع ہے بذریعہ آلہ کسی ظرف یا مکان کو ہوا سے بالکل خالی کر لیتے ہیں۔

اقول یہ اونکا مزعوم جا بجا ہے آلہ ایرپمپ کا ذکر نمبر ۱ میں گزرا فلسفہ قدیمہ خلا کو محال مانتا ہے ہمارے نزدیک وہ ممکن ہے مگر زرّاقات[۵۱] و سترقات وغیرہا کی شہادت سے عادۃً محال اور ہوا بہت متخلخل جسم ہے کیا دلیل ہے کہ بذریعہ آلہ بالکل نکل جاتی ہے جز و قلیل متخلخل ہو کر سارے مکان کو بھر دیتا ہے جو بوجہ قلت قابل احساس نہیں ہوتا۔ نیوٹن نے لکھا اگر زمین کو اتنا دباتے کہ مسام بالکل نہ رہتے تو اوسکی مساحت ایک انچ مکعب سے زیادہ نہ ہوتی جب یہ عظیم کرہ جس کی مساحت[۵۳] دو کھرب اونسٹھ ارب تینتالیس کرور چھیانوے لاکھ ساٹھ ہزار میل ہے دبکر ایک انچ رہ جاتا تو ہوا کہ اوس سے کثافت میں ہزاروں درجہ کم ہے کیا ایک تل بھر پھیل کر کروروں مکانوں کو نہ بھر سکے گی۔

---

۵۱ زرّاقہ پچکاری ستراقہ بچورا - اسکا تنگ مونہہ اور نیچے باریک سوراخ - پانی بھر کر اوپر انگوٹھے سے دبا لو پانی نیچے نہ گریگا کہ ہوا کے جانے کی کوئی جگہ نہ ہوگی پانی گرے تو خلا لازم آئے انگوٹھا اوٹھا لو تو اب گریگا کہ نیچے سے جتنا پانی نکلیگا اوپر سے اوتنی ہوا داخل ہوگی۔ ڈاٹ پچکاری کے نتھے تک باکر پانی پر رکھکر کھینچو پانی چڑھ آئیگا کہ ڈاٹ کے نکلنے سے جگہ خالی ہوگی اوس خلا کو بھرے اور جب پانی بھر جائے اور ڈاٹ سے مونہہ بند ہو جھکانے سے پانی نہ گریگا جیسے بچورے سے نہ گرتا تھا کہ خلا نہ لازم آئے مدت ہوئی میں ایک مشہور طبیب کے یہاں مدعو تھا گرمی کا موسم تھا حقہ بھر کر آیا نے خشک تھی دھواں دیتی کہا نے تازہ کر وا ب صواں دینے لگا میں نے حکیم صاحب سے وجہ پوچھی کچھ نہ بتائی میں نے کہا جب نے خشک تھی مسام کھلے ہوئے تھے پینے کے جذب سے جتنی ہوا نے کے اندر سے مونہہ میں آتی اوسکے قریب باہر کی ہوا مسام کے ذریعہ سے نے کے اندر آجاتی جگہ بھر جاتی اور دھویں تک جذب کا اثر نہ پہنچتا تازہ کرنے سے مسام بند ہوگئے اندر کی ہوا پینے سے کھنچی اور باہر کی آنہ سکی تو بہ جرم خلا بھرنے کو دھواں نے میں آیا ۱۲ منہ غفرلہ ۵۲ ط ص ۲۱ ۱۲

۵۳ ص ملا ۲۶۶ میں اسکے بھی انچ بتائی کہ دو کھرب ساٹھ ارب کشمہ کرور تیس لاکھ میل مگر ہم نے بقواعد جدیدہ جو یہ حساب کیا تو اوسیقدر آئی ہم نے اپنے رسالہ المنبع الفیر میں ذکر کیا ہے کہ قطر + ۱۴۹۹ ۷۹۱۴۹ ۔ محیط - اور اصول لمنہ سے مقالہ ۔ شکل ۱۲ میں ہے کہ سطح قطر و محیط دائرہ عظیمہ سطح کرہ - اور سا اوسکی شکل ۱۲ میں ہے کہ سطح کرہ × نصف قطر = مساحت جرم کرہ لہذا لوگارثم مذکور ۲ کا لوگارثم ۱۲٫۱۵ ...۷۷ کم کرکے سہ چند لوگارثم قطر میں شامل

کیا ۲ لو قطر + ۱۸۹۹۰۸۶ ۷ = لو مساحت کرہ ہو تفتیش نیوٹن مین کا قطر معدل ۷۹۱۳٫۰۸۶ میل ہے

[illegible]

نظر بھی آتا تو کوئی مجنون ہی اسے جسم واحد گمان کرتا رابعاً زمین پر انسان حیوان کا بسنا چلنا درکنار کوئی مکان تعمیر ہونا محال ہوتا کہ ہر دو ذرے کے بیچ میں ۱۳۲ میل کا خلا ہے خامساً اگر لوگ ہوا میں معلق بستے بھی تو امریکا کے ہندوستان سے دکھائی دیتے اور ہندوستان کے امریکا سے اور شمس و قمر و کواکب کا طلوع غروب سب باطل ہوتا کہ منزلوں کے خلا میں متفرق ذرے کیا حاجب ہوتے۔ یہ سب حالتیں زمین کی حالت موجودہ میں لازم ہیں کہ یہ وہی حالت تو ہے جو سمٹکر پھیلنے کے بعد ہوتی۔

سمٹنے پھیلنے سے اجزا کم و بیش نہیں ہوجاتے تو اب بھی قطر زمین وہی ۶۰ ذرے بھر ہے اور سارے کرے میں کل جمع ۱۱۰۵۹۲ ذرے ہے۔ اگر کہیے اجزائے دیمقراطیسیہ بال کی نوک سے چھوٹے ہیں تو ۶۰ قطر میں ۶۰ نہیں بہت ہیں اقول ایسے کتنے بہت ہیں ایسے کتنے چھوٹے ہیں ذہنی تقسیم میں کلام نہیں جس پر کہیں روک نہیں ایک خشخاش کے دانہ پر دائرۂ عظیمہ لیکر اوس کے ۳۶۰ درجے ہر درجے کے ۶۰ دقیقے ہر دقیقے کے ۶۰ ثانیے یونہیں عاشرے اور عاشرے کے عاشرے تک جتنے چاہیے حساب کر لیجیے کیا یہ حس میں متمایز ہوسکتے ہیں یہ فلک شمس جسے تم مدار زمین کہتے ہو جس کا محیط دائرہ اٹھاون کرور میل سے زائد ہے ہم فصل اول میں ثابت کریں گے کہ اوس کا عاشرہ ایک بال کی نوک کے سوالاکھ حصوں سے ایک حصہ ہے تقسیم حسی میں کلام ہے جس کا انتہا اجزائے دیمقراطیسیہ میں لیا گیا ہے اور حسّاً نہیں کہ بال کی نوک کا پچاسواں حصہ بھی حسّاً جدا نہیں ہوسکتا تو جزء دیمقراطیسی زیادہ سے زیادہ ایک ذرے میں پچاس رکھ لیجیے۔ نہ سہی ہر بال کی نوک میں ۱۳۲ فرض کیجیے اب تو کوئی گلہ نہ رہا اور کاسے میں آش ہیتو جب ہر ذرہ دوسرے سے ۱۳۲ میل کے فاصلے پر تھا اب ہر جزء دوسرے سے میل میل بھر کے فاصلے پر ہوا اب کیا اوسکا قطر بال کی ۶۰ نوک سے بڑھ جاتا ایک نوک کے حصے کتنے ہی ٹھہرالو اب کیا زمین محسوس ہوسکتی اب کیا جسم واحد سمجھی جاتی اب کیا اوس پر کھڑا ہونا یا مکان ممکن ہوجاتا اب کیا اوس کی آبادی ادھر نظر نہ آتی اب کیا چاند سورج یا کوئی تارا غروب کرسکتا ہر دو جزء میں ایک میل کا فاصلہ کیا کم ہے ملاحظہ ہو یہ ہیں ان کی تحقیقات جدیدہ اور یہ ہیں ان کے اتباع کی خوش اعتقادیاں کہ متبوع کیسی ہی بیعقلی کا ہذیان لکھ جائے یہ آمنا کہنے کو موجود۔

(۲۶) آسمان کچھ نہیں فضائے خالی نامحدود غیر متناہی ہے ایک پتھر کہ پھینکا جائے اگر جذب

زمین ومزاحمت ہوا وغیرہ نہ روکیں تو ہمیشہ یکساں رفتار سے چلا جائے کبھی نہ ٹھہرے نہ زمین کو کشش آفتاب حائل نہوتی تو ہمیشہ مساوی حرکت سے سیدھی ایک طرف چلی جاتی۔ یہ اون کی خام خیالیاں ہیں۔ آسمان پر ایمان ہر آسمانی کتاب ماننے والے پر لازم اور بُعد موجود قطعًا محدود لامتناہی ابعاد دلائل قاطعہ سے مردود۔

(۲۷) اگلے تو غلطی میں پڑکر وجود فلک کے قائل ہوئے اور ہم پچھلے (یعنی ہیأت جدیدہ والے) اگرچہ آسمان نہیں مانتے پھر بھی حسابی غلطیوں اور ہندسی خطاؤں کے رفع کے لیے ان تمام حرکات ودوائر کو اگلوں کی طرح ایک کرہ کے مقعر میں ملتے ہیں جو منتہائے نظر راصد پر ہے اور اس کا مرکز مرکز زمین **اقول اولاً** یہ اقرار غنیمت ہے کہ بے آسمانی کرہ مانے حساب میں غلطی اور ہندسی اعمال میں خطا پڑتی ہے مگر یہ منطق نرالی ہے کہ وہی غلط ہے جسکے ماننے سے غلطیاں رفع ہوتی ہیں **ثانیاً** تمام عقلا توان دوائر کو آسمانی کرہ کے محدب پر مانتے ہیں مگر یہ انھیں کیونکر راست آتا کہ فضائے نامحدود کا محدب کہاں لہذا مقعر لیا اب اسکو بھی تحدید درکار وہ انتہائے نظر راصد سے لی تحدید تو اب بھی نہوئی راصدوں کی نظریں مختلف ہیں اور سب سے تیز نظر کا لیا جائے تو آگے آلات ہیں اور اون کی قوتیں مختلف۔ سب سے قوی قوت کا لیا جائے تو اوسکی بھی حد نہیں روز نئے آلے ایجاد ہوتے ہیں۔ نگاہ مجرد ہو یا مع آلہ اوسکی اپنی انتہا اس سقف نیلی پر ہے جسے ہیأت قدیمہ نہایت عالم نسیم کرہ بخار کہتی ہے اور جدیدہ ایک محض موہوم حد نظر اور حقیقت میں وہ اس آسمان دنیا یعنی فلک قمر کا مقعر ہے اسکے بعد روشن اجرام نہوتے تو کچھ نظر نہ آتا اور روشن اجرام زاویۂ ابصار بننے کے لائق بُعد پر کتنے ہی دور لیے جائیں نگاہ اون تک پہنچیگی تو واقع میں کوئی حد نہیں ہاں یہ کہیے کہ کل جبتک یہ آلات نہ نکلے تھے جہاں تک نگاہ پہنچتی تھی اُس بُعد پر یہ مقعر ودوائر بنتے تھے آلات بنکر اون سے زائد پر ہوئے اور جو آلہ قوی تر ایجاد ہوتا گیا یہ کرہ عالم اونچا ہوتا گیا اور آئندہ یوہیں ہوتا رہے گا حد بندی کچھ نہیں کیونکہ حساب وہندسہ کی غلطیاں رفع کرنے کو ایک غلط بات ماننا درکار ہے جیسی بھی ہو **ثالثاً** مساوی کرہ واقعی خواہ فرضی بالطبع ایسا ہونا لازم کہ تحت حقیقی سے اوس تک بُعد ہر جانب سے برابر ہو اس کے کوئی معنی نہیں کہ یہ مقعر ایک طرف زیادہ اونچا ہو دوسری طرف کم تو اسے مرکز شمس پر لینا تھا کہ وہی تمھارے نزدیک تحت حقیقی ہے مگر

[illegible]

مجبوری سب کچھ کراتی ہے وہ حسابی و ہندسی غلطیاں یونہیں رفع ہوتی ہیں کہ باتباع قدما مرکز عالم مرکز زمین پر لیا جائے۔ **رابعًا**[۱۴۵] مرکز زمین ہو یا مرکز شمس یا کوئی ایک مرکز معین ہیأت جدیدہ سب دوائر کو جنسے ہیأت کا نظام بنتا ہے ایک مرکز پر مان سکتی ہی نہیں جسکا بیان عنقریب آتا ہے اور بے ایک مرکز پر مانے ہیأت کا نظام سب درہم و برہم غرض بیچارے ہیں مشکل میں دوائر اور ان کے مسائل سب قدما سے سیکھے اور انہیں کی طرح ان سے بحث چاہتے ہیں مگر جدید مذہب والا بننے کو اصول معکوس لیے اب نہ وہ بنتے ہیں نہ یہ چھوٹتے ہیں سانپ کے منہ کی چھچھوندر ہیں آسمان گھٹا کر سورج تھما کر جاذبیت کے خلل ہاتھوں سیارے گھما کر چار طرف ہاتھ پاؤں مارتے ہیں اور بنتی کچھ نہیں۔ بعونہ تعالٰی یہ سب بیان عیاں ہو جائے گا و باللہ التوفیق۔

(۲۸) زمین[۱۴۵] کے خط استوا کو جب مقعر سماوی تک لیجائیں تو ایک دائرہ عظیمہ پیدا ہوگا۔ کہ کرۂ فلک کے دو حصے مساوی کر دیگا۔ یہ خط اعتدال یا آسمانی خط استوا یعنی معدل النہار ہے دائرہ عظیمہ وہ دائرہ ہے کہ کرہ کے دو برابر حصے کر دے **اقول**[۱۴۶] اتنی قدما سے سیکھکر ٹھیک کہی مگر ہیأت جدیدہ ہرگز اسے ٹھیک نہ رکھ سکی جسکا بیان بعونہ تعالٰی عنقریب آتا ہے حدائق نے اسمیں ایک مہمل اضافہ کیا کہ منطقۂ حرکت یومیہ زمین کو قاطع عالم فرض کرنے سے عالم علوی میں معدل النہار اور زمین پر خط استوا پیدا ہوتا ہے **اقول**[۱۴۷] خط استوا ہی تو وہ منطقہ ہے اسے قاطع عالم ماننے سے خود اس کا پیدا ہونا عجیب ہے۔

(۲۹) تمام مباحث ہیأت کی امہات دو دائرے ہیں معدل النہار گزرا دوسرا دائرۃ البروج اس کی تعیین میں ہیأت جدیدہ کے اضطراب دیکھیے سیکھا اسے بھی قدما سے اور بے اسکے ہیأت کے کام احکام چل نہیں سکتے۔ ناچار ابحاث و احکام میں بھی قدما کی تقلید کی مگر بے خبر کہ ہیأت جدیدہ کے غلط اصول ان کا تعلق بیڑا لگا نہ رکھیں گے تعیین دائرۃ البروج کی صحیح تعریف کرنے دیں گے

اصول[۱۴۸] علم الہیأت میں کہا زمین اپنے دورۂ سالانہ گرد شمس سے جو دائرہ عظیمہ بناتی ہے وہ دائرۃ البروج ہے اس کی سطح معدل پر ۲۳ درجے ۲۷ دقیقے کچھ ثانیے مائل ہے یہ بارہ بروج مساوی پر تقسیم ہے جنمیں چھ خط استوا سے شمال کو ہیں چھ جنوب کو۔ ہر برج ۳۰ درجے۔ حدائق[۱۴۹] میں کہا یہ دائرہ مدار زمین کو قاطع عالم فرض کرنے سے فضائے علوی میں حادث ہوتا ہے **اقول**[۱۵۰] اولًا یہ سب غلط ہے بلکہ

مدار شمس (جسے یہ مدار زمین کہتے ہیں) مرکز عالم سے جدا مرکز پر واقع ہے تو اوس کے قطر کا ایک نقطہ مرکز عالم سے غایت بعد پر ہے جسے اوج کہتے ہیں دوسرا غایت قرب پر جسے حضیض جنکی تصویر ۳۳ میں آتی ہے مرکز عالم پر اوج کی دوری سے دائرہ کھینچیں کہ منطقہ ممثل ہے اس دائرے کو قاطع عالمین محدب فلک الافلاک کہ اوسکا موازی جو دائرہ بنا وہ دائرۃ البروج ہے جسکا مرکز مرکز عالم ہے ہمارے بیان کا حق اور اون کے مزعوم کا باطل ہونا ابھی خود اون کے اقراروں سے کھلا جاتا ہے انشآء اللہ تعالی ثانیاً اس سے قطع نظر ہو تو طریق علمی سے مشاہدہ ہی ہے جو حدائق میں کہا نہ کہ نفس مدار کو دائرۃ البروج ماننا جس سے اوپر ڈیڑھ سو کے قریب مدار موجود ہیں اور سب کی مباینت اس سے لیجاتی ہے جو اسے منفرِ سماوی سے اتنا نیچا لینے پر نہیں بن سکتی ثالثاً ۱۵۰ مدار زمین تو بیضی ملنتے ہو دائرۃ البروج دائرہ کیسے ہوا اور مجاز کا دامن تھامنا کام نہ دیگا کہ میل و عرض وغیرہا کے مؤامرات علم شاذ کردی پر مبنی اور وہ دائرتامہ ہی میں جاری

(۲۳) معدل النہار و دائرۃ البروج کا تقاطع تناصف پر ہے یعنی نقطتین اعتدال نے دونوں کی تنصیف کردی ہے ہیأت جدیدہ میں بھی جتنے کرے بنتے ہیں سماوی خواہ ارضی جنکو گلوب کہتے ہیں سب میں دیکھلو دونوں دائرے متناصف ملیں گے اور یہ ایک ایسی بات ہے جس سے ہر بچہ آگاہ ہے جس نے قدیمہ خواہ جدیدہ کسی ہیأت کے دروازے میں پہلا قدم رکھا ہو۔ نیز ابھی نمبر ۲۹ میں اصول علم الہیأت سے گزرا کہ ایک نقطۂ اعتدال سے دوسرے تک دائرۃ البروج کے ۱۸۰ درجے ہیں یہ اس کی تنصیف ہوئی اور اوسی سے نمبر ۲۳ میں گزرا کہ خط استوا کے نصفین کی تحدید انھیں دو نقطۂ اعتدال سے ہے نیز اوسی کے نمبر ۵۹ میں ہے کہ یہ دونوں عظیمے ایک دوسرے کو دو نقطۂ متقابل پر قطع کرتے ہیں ظاہر ہے کہ دائرے پر متقابل نقطے وہی ہوتے ہیں جنہیں نصف دور کا فصل ہو اور سب سے صاف تر ۱۵۷ میں کہا کہ دونوں نقطۂ اعتدال میں مطالع یعنی معدل کی قوس ۱۸۰ درجے ہے پھر کہا یعنی دائرۃ البروج خط استوا کو دو نقطۂ متقابلہ پر قطع کرتا ہے جنہیں فصل ۱۸۰ درجے ہے پھر کہا یہ برہان ہے اسپر کہ دائرہ بروج دائرۂ عظیمہ ہی ہے کہ سوا عظیمہ کے کوئی دائرہ خط استوا یعنی معدل کو اس طرح قطع نہیں کرسکتا غرض یہ ایسا مسئلہ ہے جسپر ہیأت جدیدہ و جملہ عقلائے عالم سب کا اتفاق ہے اقول ۱۵۲ اب اسے تین نتیجے بدیہی طور پر لازم ۱ یہ دونوں دائرے

مساوی ہیں ب دونوں مرکز واحد پر ہیں جؔ دونوں ایک کرے کے دائرہ عظیمہ ہیں۔ ظاہر ہے کہ چھوٹے بڑے دائروں کا تناصف ممکن نہیں ورنہ جزو کل مساوی ہو جائیں دائرہ ا ح ء نے چھوٹے دائرہ ا ب ح کی نقطتین ب ا، ح پر تنصیف کی ا ح وصل کیا ضرور ہے کہ ا ب ح کے مرکز ہ پر گزرا اور اوس کا قطر ہوا اب انھیں نقطوں پر دائرہ ا ح ء کی بھی تنصیف مانو تو اگر یہی ا ح اوس کا بھی قطر ہو تو دونوں دائرے مساوی ہو گئے اور اگر اوس کا قطر ح ط ہوا تو قوس ا ء ح بھی اوس کی نصف ہوئی اور ح ء ط بھی بہر حال جزو کل برابر ہو گئے۔ یونہیں دو مساوی دائروں کا مرکز مختلف ہو تو اون کا تناصف محال۔

دائرہ ا ب س کا مرکز ح ہو اور ا ح ب کا ء اور نقطتین ا ب پر تناصف ا ب وصل کیا ضرورۃً ہر ایک کا قطر ہوا کہ اوس کے نصفین میں فاصل ہے تو قطعاً دونوں کے مرکز پر گزرا کہ ہ ہی تو ہر دائرے کے دو مرکز ہو گئے اور یہ محال ہے ورنہ جزو کل ہمساوی ہوں اور جب یہ دونوں عظیمہ مساوی دائرے مرکز واحد پر ہیں تو یقیناً کرہ واحدہ کے عظام سے ہیں بالجملہ یہ تینوں نتیجے متفق علیہ ہیں اور خود جملہ کرات مستوی ومساوی کہ اب تک ہیأت جدیدہ میں بنتے ہیں ان کی صحت پر شاہد عدل (**فوائد**) ۱ سطح مستوی میں کبھی دو دائرے تناصف نہیں کر سکتے کہ اوس کے لئے اتحاد مرکز لازم اور وہ او سکے متقاطع دائروں میں محال (اقلیدس مقالہ ۳ شکل ۵) ب[۱۵۷] دائرۃ البروج کی تعریف کہ حدائق میں کی باطل ہے کہ معدل سے مرکز بدل گیا ج[۱۵۸] اصول الہیأت کی تعریف اوس سے باطل تر ہے کہ مرکز بھی مختلف اور دائرے بھی چھوٹے بڑے اور حق وہ ہے جو ہم نے کہا ء[۱۵۹] جب ان کے مرکز مختلف تو دونوں عظیمے کیسے ہو سکتے ہیں کہ عظیمہ کا مرکز نفس مرکز کرہ ہونا لازم (دیکھو علم مثلث کروی باب اول نمبر ۳) ہ[۱۶۰] حدائق نے سنی سنائی بلا اسی ہوشیاری سے سب دائرے کو ایک مقعر سماوی پر لیا جس کا مرکز مرکز زمین ہے مگر بھولا کہ تمہارے نزدیک تو وہ مدار زمین ہے یا مقعر فلک پر اوس کا موازی بہر حال اوس کا مرکز مرکز مدار ہے مرکز مدار زمین مرکز زمین ہونا کیسی صریح جنون کی بات ہے دائرۃ البروج کو اپنے مرکز پر رکھ کر مقعر سماوی پر لیا ہو تو نہ وہ عظیمہ ہو سکتا ہے نہ معدل النہار

اوس کا تنا صف ممکن اور اگر اوسے مرکز زمین کی طرف منتقل کر لیا تو دائرہ ہی وہ نہ بانہ اوس کی جگہ وہ رہی نہ اب اس جدید دائرے اور معدل کا غایت بُعد کہ میل کلی کہلاتا ہے دائرۃ البروج کا میل ہو سکتا ہے غرض تمام نظام ہیأت نہ و بالا ہے تقلیدی باتیں کہتے چلے گئے اور خبر نہیں کہ ان کے اصول کی شامت لگ گئی۔

(۱۳۱) معدل النہار و دائرۃ البروج دونوں دائرہ شخصیہ ہیں یعنی ہر ایک شخص واحد معین ہے کہ اختلاف لحاظ سے نہ اوس کا محل بدلے نہ حال بخلاف دوائر نوعیہ کہ مختلف لحاظوں سے مختلف پڑتے ہیں جیسے دائرہ نصف النہار کہ ہر طول میں جدا ہے اور دائرہ افق کہ ہر عرض و ہر طول میں نیا ہے **اقول**[۱۶۱] بلاشبہہ حق یہی ہے اور خود ہیأت جدیدہ کے سماوی و ارضی کرے اوس پر شاہد کہ دونوں دائروں کو غیر متبدل بناتے ہیں بخلاف افق و نصف النہار کہ اون کی تبدیل حسب موقع طریقہ رکھتے ہیں مگر ہیأت جدیدہ کا یہ اقرار اور قولاً و فعلاً اظہار بھی نرا تقلیدی ہے جسنے اوسکے اصول کا خاتمہ کر دیا **علے اھلھا تجنی براقش** دائرۃ البروج کا حال تو ابھی گزرا کہ تھا مرکز مدار پر اور رہتے ہیں مرکز زمین پر تو وہ شخص کیسا وہ نوع ہی بدل گئی اور معدل کا حال ابھی آتا ہے

(۱۳۲) قطبین[۱۶۱] جنوبی و شمالی ساکن نہیں بلکہ قطبین دائرۃ البروج کے گرد گھومتے ہیں مبادرت اعتدالین کے باعث ۲۵۸۱۰ برس میں قطب بروج کے گرد اس کا دورہ پورا ہوتا ہے کہ مبادرت[۹۲] ہر سال ۵۰.۲ = ۴ہ ۲ اور ہر دائرے میں ۱۲۹۶۰۰۰ ثانیے ان کو ۵۰.۲ پر تقسیم کیے سے ۲۵۸۱۷[۹۲] حاصل ہوئے **اقول**[۱۶۲] ہیأت جدیدہ کو ہمیشہ معکوس گوئی کی عادی ہے جسکا کچھ بیان ہو نہ تعالے آتا ہے اس پر مجبور ہے کہ قطبین عالم کو متحرک مانے کہ زمین اوس دائرے پر حرکت کرتی ہے جسکا قطر ۹ کرور میل کے قریب ہے اور اوس کا مدار ایک دائرہ ثابتہ ہے تو قطبین مدار تو ساکن ہیں اور قطبین جنوب و شمال کہ قطبین عالم و قطبین اعتدال ہیں اور زمین کے محور متحرک کے دونوں کناروں پر ہیں ضرور اوس کی حرکت سے کروروں میل اوپر اوٹھیں گے اور کروروں میل نیچے گریں گے تو اولا اب معدل النہار دائرہ شخصیہ کب رہا بلکہ ہر آن نیا ہے کہ ہر آن اوس کے مرکز کا مقام جدا ہے **ثانیا**[۱۶۳] وہ فرض کیے ہوئے مقعر سماوی کو بھی دم بھر چین نہ لینے دیگا کہ اس مقعر کا مرکز بھی مرکز زمین مانا ہے[۲۷] اور وہ کروروں میل اوٹھنے گرنے میں ہے تو یہ بھی ہر آن مقعر سماوی بدلیگا اور

۲۵۸۱۲۱۶۲۳۲۳ [illegible]

اگر وہ بحال رہے تو دائرہ اوس پر کب رہا کروروں میل اوسکے اندر جائے گا اور دوسری طرف خلا چھوڑے گا پھر دوسری طرف کروروں میل اندر جائے گا۔ اور ادھر خلا چھوڑے گا اسی کو کہا تھا کہ یہ سب دوائر ایک مقعر سماوی پر لیتے ہیں ثالثًا[۱۶۴] بفرض باطل دائرۃ البروج کو بھی اسی مقعر و مرکز پر لے لیا اور یہ ہر آن متبدل ہیں تو دائرۃ البروج بھی ہر آن بدلے گا تو تشخصیہ کب رہا یا وہ تنہا خواہ مع مقعر سماوی برقرار رکھا جائے گا کہ اوس کا مرکز ثابت ہو تو اوس کی تبدیل کی وجہ نہیں تو میل اور صدہا مسائل کا کیا ٹھکانا رہے گا غرض بات وہی ہے کہ تقلید اً معدل النہار و دائرۃ البروج کا نام سُن لیا اور ادھر اون احکام کی تقلید کی جو اصول قدما پر مبنی تھے ادھر اپنے اصول پراگندہ بروزہ ملایا وہ ایک مہمل معجون باطل ہو کر رہ گیا۔ یہ ہے ہیأت جدیدہ اور اسکی تحقیقات ندیمہ۔

(۳۴) زمین[۱] وغیرہ ہر سیارے کا اپنے محور پر گھومنا اس سبب سے ہے کہ طبعیات میں[۲] ثابت ہوا ہے کہ ہر جزء بالطبع آفتاب سے نور و حرارت لینا چاہتا ہے اگر سیارے حرکت وضعیہ نہ کریں جمیع اجزا کو نور و حرارت نہ پہنچے اقول یہ وجہ موجہ نہیں اولًا[۱۶۶] اجزا میں جاذبہ و ماسکہ و نافرہ کے علاوہ ایک قوت شائقہ ماننی پڑیگی اور اس کا کوئی ثبوت نہیں ثانیًا[۱۶۶] زمین سے ذرے اور ریگ کے دانے خفیف پھونک سے جدا ہو جاتے ہیں ان کا یہ شوق طبعی کیا اتنی بھی قوت نہ رکھیگا کہ زمین سے بے جدا کیے ان کو گھمائے پھر ایک ایک ذرہ اور ریتے کا دانہ آفتاب میں اپنے نفس پر حرکت مستدیرہ کیوں نہیں کرتا اوس کا جو حصہ مقابل آفتاب ہے سو برس گزر جائیں جب تک ہٹایا نہ جائے وہی مقابل رہتا ہے دوسرا حصہ کہ آفتاب سے حجاب میں ہے کیوں نہیں طلب حرارت و نور کے لیے آگے آتا ثالثًا[۱۶۷] زمین میں مسام اتنے ہیں کہ پوری دبائیں تو ایک انچ کی رہ جائے (م ۲۵) تو ظاہر ہے کہ اوس کا کوئی جزو دوسرے سے متصل نہیں سب ایک دوسرے سے بہت فصل پر ہیں تو ہر جزو اپنے نفس پر کیوں نہ گھوما کہ اوس کے سب اطراف کو روشنی و گرمی پہنچتی صرف کرے کے محور پر گھومنے سے ہر جز پورے انتفاع سے محروم رہا رابعًا[۱۶۸] کرہ کی حرکت وضعیہ سے سطح بالا ہی کے سب اجزا فی الجملہ مستفید ہوں گے اندر کے جملہ اجزا اب بھی محروم مطلق رہے تو جمیع اجزا کا استفادہ کب ہوا اندر کے اجزا طلب نور و حرارت کے لیے اوپر کیوں نہیں آتے

فوز مبین

اگر کہیے اوپر کے اجزا جگہ روکے ہوئے ہیں **اقول**[۱۶۹] **اولاً** غلط۔ اگرچہ بھر کی زمین جب ہوتے تین کھرب میل میں پھیلی ہوئی ہوا وسمیں کسقدر دسیوں مسام ہوں گے (نمبر ۲۵) اون سوراخوں سے باہر کیوں نہیں آتے۔ **ثانیاً**[۱۷۰] اوپر کے اجزا میں جو آفتاب سے حجاب ہیں اون کی جگہ اگلے اجزا اروکے ہوئے ہیں جو مقابل شمس ہیں۔ پھر حرکت وضعیہ کیوں کر ہوتی ہو **خامساً**[۱۷۱] آفتاب بھی تو اپنے محور پر گھومتا ہو وہ کس نور وحرارت کی طلب کو ہو۔ بالجملہ یہ وجہ بیہودہ ہی بلکہ اصول ہیأت جدیدہ پر اسکی وجہ ہم بیان کریں **فاقول**[۱۷۲] اس کا سبب بھی جاذبہ[۵۵] ونافرہ ہو جذب قرب وبعد سے مختلف ہوتا ہو ولہذا خطا عمود پر سب سے زیادہ ہو کلیت سیارہ مثلاً ارض کے لیے جاذبے تنفر کا جواب مدار پر جانے سے ہوگیا مگر اب بھی اوس کے اجزا پر جذب مختلف ہے خاص وہ اجزا کہ مقابل شمس ہیں اون پر جذب اقوی ہو اور اون میں بھی جو بالخصوص زیر عمود ہو پھر جتنا قریب ہو (مثلاً) یہ اجزا اوس سے بچنے کے لیے مقابلہ سے ہٹے اور بالضرورت اپنے اگلے اجزا کو اپنے لیے جگہ خالی کرنے کو دفع کرتے ہیں وہ اپنے اگلوں کو وہ اپنے اگلوں کو یوں محور پر دورہ پیدا ہوتا ہے اب جو اجزا پہلے اجزاے مقابلہ کے پیچھے تھے مقابل آئے اب یہ مقابلہ سے بچنے کو اپنے اگلوں کو ہٹاتے ہیں اور وہی سلسلہ چلتا ہو یوں دورہ پر دورہ مستمر رہتا ہو۔ اگر کہیے زمین بوجہ کثرت بعد وقلت حجم آفتاب کے آگے گویا ایک نقطہ ہو ولہذا آفتاب کا اختلاف منظر ۹ ثانیے بھی نہیں تو اس کے اجزا پر مقابلہ وحجاب کا اختلاف نہوگا بلکہ گویا سب مقابل ہیں **اقول**[۱۷۳] **اولاً** نظر[۵۶] ظاہر میں تو یہی کافی کہ ایسا ہو تو تقریباً نصف کرہ زمین میں ہمیشہ رات کیوں رہتی ہو سب ہی روشن رہا کرے کہ سب مقابل شمس ہو **ثانیاً**[۱۷۴] آخر کچھ نہیں تو اختلاف منظر کیوں جب نصف قطر کی یہ مقدار ہو کل سطح کی اکثر واکبر ہو۔ اسی قدر اختلاف جذب کو بس ہو **ثالثاً**[۱۷۵] بالفرض سب ہی مقابل سہی عمود ومنحرف کا فرق کدھر جائے گا۔ یوں بھی اختلاف حاصل بالجملہ یہ تقریر اون مقدمات پر مبنی ہو جو ضرور ہیأت جدیدہ کے اصول مقررہ ہیں تو یہی اوسے واجب التسلیم ہو اگرچہ حقیقۃً اعتراض سے خالی نہ ہو نہ وہ۔ بلکہ ہم بتوفیقہ تعالیٰ فصل سوم میں روشن کریں گے کہ دونوں وجہیں باطل محض ہیں اور کیوں نہو کہ اصول باطلۂ ہیأت جدیدہ پر مبنی ہیں پھر بھی یہ اوس سے اسلم اور اصول جدیدہ پر تو نہایت محکم ہے۔

[۵۵] [illegible]

[۵۶] [illegible]

تنبیہ اقول وجہ یہ ہو خواہ وہ بہر طور زمین کی حرکت مستدیرہ حقیقۃً حرکت وضعیہ یعنی مجموع کرہ کی حرکت واحدہ محوریہ نہیں بلکہ کثیر متوالی حرکات اینیہ اجزا کا مجموعہ۔ وجہ اول پر پچھلے اجزا اگلے اجزا کو خود مقابل آنے کے لیے ہٹاتے ہیں پھر ان سے پچھلے ان کو ان سے پچھلے ان کو اسی طرح آخر تک اور وجہ دوم پر اگلے اجزا مقابلہ سے ہٹنے کے لیے اپنے اگلوں کو ہٹاتے ہیں وہ اپنے اگلوں یہ اپنے اگلوں کو یوہیں آخر تک بہرحال یہ حرکت خاص اجزا سے پیدا ہو کر سب میں یکے بعد دیگرے بتدریج پھیلتی ہے نہ کہ مجموع کرہ حرکت واحدہ سے متحرک ہو۔ وجہ اول پر تمام اجزا کے لیے نوبت بہ نوبت طبعی بھی ہے اور قسری بھی جو اجزا احجاب میں ہیں اون کے لیے طبعی اور جو مقابل ہیں اون کے لیے قسری کہ پچھلے اجزا ان کو ان کے حاصل شدہ مقتضائے طبع سے ہٹاتے ہیں جب یہ بالقسر مقابلہ سے ہٹ جائیں گے بالطبع حرکت چاہیں گے اور تازہ مقابلہ والوں کو قسر کریں گے اور وجہ دوم پر سب کے لیے قسری کہ جاذبہ سے پیدا ہوئی اگرچہ نافرہ طبعی ہو فافہم۔

(۳۴) ا س ب ء یعنی مدار زمین ہے ا س - س ب ب ء ء ا چاروں نطاق ہیں ا ب قطر اطول ہے اسکے دونوں کنارے پر مرکز م سے پورا بعد ہے ء س قطر اقصر اسکے دونوں نقطوں پر م سے بعد اقرب ح، ع دونوں فوکز یعنی محرق ہیں جن کے اسفل پر شمس مستقر ہے ا نقطہ اوج شمس سے غایت بعد پر ہے اور ب حضیض غایت قرب پر زمین ا پر مرکز و شمس دونوں سے نہایت دوری پر ہوتی ہے یہاں سے چلتے ہی ا س نطاق اول میں دونوں سے قریب ہوتی جاتی ہے یہاں تک کہ س پر مرکز سے غایت قرب میں ہوتی ہے س ب نطاق دوم میں مرکز سے دور ہونا شروع کرتی ہے لیکن شمس سے اب بھی قرب ہی بڑھتا ہے یہاں تک کہ ب حضیض پر مرکز سے دوبارہ غایت بعد پر ہو جاتی ہے اور شمس سے نہایت قرب پر آتی ہے اس نصف حضیضی ا س ب میں شمس سے قرب ہی بڑھتا اور چال بھی برابر متزاید رہتی ہے تیزی کی انتہا نقطہ ب پر ہوتی ہے پھر ادھیں قدموں پر سست ہوتی جاتی ہے ب ء نطاق سوم میں زمین مرکز سے قریب
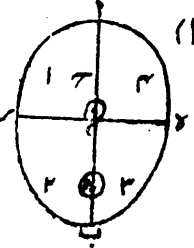
اورشمس سے دور ہوتی جاتی ہے یہاں تک کہ ہ پر دوبارہ مرکز سے کمال قرب پر آجاتی ہے ہ آ انطاق
چہارم میں مرکز و شمس دونوں سے دور ہوتی جاتی ہے یہاں تک کہ آ پر دونوں سے کمال بُعد
پاتی ہے اس نصف اوجی ب ہ آ میں شمس سے بعد بڑھتا اور چال برابر متناقص رہتی ہے سستی
کی انتہا نقطۂ آ پر ہوتی ہے پھر وہی دورہ شروع ہوتا ہے۔ یہ سب مسائل عام کتب میں ہیں
اور خود مشہور اور قرب و بعد شمس و مرکز کی حالت ملاحظۂ شکل ہی سے مشہود۔ اور ہمارے نزدیک
بھی قطروں کے خلاف اور مرکز سے قرب و بُعد کے سوا کہ اصل کروی ہیں ناممکن یہ سب باتیں
یونہیں ہیں جبکہ مدار شمس لو اور نقطۂ ع پر مرکز زمین اور اگر مدار بعینی مان لیں تو یہ سارا بیان متفق علیہ
ہے صرف شمس کی جگہ زمین اور زمین کی جگہ شمس کہا جائے۔

(۲۵) چال میں تیزی و سستی کا اختلاف: و شرے[۵۱] مرکز کے لحاظ سے ہے واقع[۵۲] میں اسکی چال کبھی
تیز ہوتی ہے نہ سست ہمیشہ یکساں رہتی ہے اور مساوی وقتوں میں مساوی قوسین قطع کرتی ہے
قواعد **کپلر**[۵۳] سے دوسرا قاعدہ یہی ہے **اقول**[۱] یہ بھی مجمع علیہ ہے لہذا طویل الذیل برہان ہندسی
کی حاجت نہیں۔
مبتدی کے لیے ہمارے طور پر اس کا تصور اس تصویر سے ظاہر
آ ح سا ط مدار شمس مرکز خارج ع پر ہے اور آ ک ل ی دائرۃ البروج
مرکز عالم ہ پر آ ط - ط سا - سا ح - ح آ خارج المرکز یعنی مدار
شمس کے چار ربع مساوی ہیں جنکو وہ برابر مدت میں قطع کرتا ہے لیکن اون
کے مقابل دائرۃ البروج کی مختلف قوسین ہیں جب شمس آ سے ط پر آیا مرکز عالم ہ سے اوس
پر خط ہ ب گزرا تو اس مدت میں اوس پر قوس آ ب قطع کی جو ربع سے بہت یعنی بقدر ب ک
چھوٹی ہے جب ط سے سا تک آیا اس ربع کے مقابل دائرۃ البروج کی قوس ب ل ہوئی جو
ربع سے بہت بڑی ہے یونہیں دو ربع باقی ہیں تو اگرچہ شمس واقع میں ہمیشہ ایک ہی چال پر ہے دائرۃ البروج
کے اعتبار سے اوس کی چال تیز و سست ہوتی ہے ط سا ح کی ششماہی میں ب ل ح قطع
کرتا ہے کہ نصف سے بہت زائد ہے اور ح آ ط کی ششماہی میں ح آ ب چلتا ہے کہ نصف سے بہت
کم ہے لہذا تیز و سست نظر آتا ہے حالانکہ واقع میں اوسکی چال ہمیشہ یکساں ہے یہی حال ہیأت

[۵۱] ج و ص ۹۶ و ۹۸-۱۲ [۵۲] ص ۱۸۱-۱۲ [۵۳] ص ۱۶۰-۱۲

جدیدہ کے نزدیک زمین کا ہے الحمد للہ مقدمہ ختم ہوا وصلی اللہ تعالٰی علی سیدنا محمد واٰلہ ابدا۔

فصل اول نافریت کا رد اور اوس سے بطلان حرکت زمین پر ۱۲ دلیلیں

(رد اول) **اقول** ابتداءً اتنا ہی بس کہ نافریت بے دلیل ہے اور دعوی بے دلیل باطل و علیل اور تعجب کی مثال کا حال نمبر ۴ میں گزرا وہی اس کے حال کی کافی مثال ہے۔

(رد دوم) **اقول** آ مرکز دائرہ سے محیط۔ کے نقطہ ہ پر خط قاطع اب کھینچو اور ہ ب کے دونوں طرف اوس کے مساوی چھ خط جنمیں ح ہ۔ ء ہ مماس ہوں اور ء ہ۔ ح ہ۔ ط ہ۔ ی ہ ان دونوں قائموں کی برابر تقسیم کرنے والے اور سب کو آ سے ملا دو ظاہر ہے کہ انمیں ہر خط اپنے نظیر کے مساوی ہوگا اور ا ح سے ا ء اس سے ا ح۔ ا ح سے اب بڑا ہوگا یونہیں ا ء سے ا ی ا ی سے ا ط۔ ا ط سے اب اس لیے کہ مثلثات ا ہ ح۔ ا ہ ء میں ا ہ مشترک اور ہ ح ہ ء۔ ہ ح برابر ہیں اور ہ پر کا زاویہ بڑھتا گیا ہے کہ ہر پہلا دوسرے کا جز ہے لاجرم ا ح۔ ا ء۔ ا ح قاعدے بڑھتے جائیں گے (اقلیدس مقالہ ا شکل ۲۴) رہا اب ح ب ملا دیا تو مثلث متساوی الساقین ح ہ ب کے دونوں زاویے ح ب مساوی ہوے اور ظاہر ہے کہ مثلث ا ح ب میں زاویہ ح جسکا وتر اب ہے زاویہ ح ہ ب سے بڑا ہے تو ا ح کہ چھوٹے زاویہ ب کا وتر ہے اب سے چھوٹا ہے (شکل ۱۹) غرض انمیں سب سے زیادہ مرکز سے دوری ب کو ہے باقی جتنا مماس کی طرف آئے مرکز سے قریب ہے اب کہ زمین نقطہ ہ پر تھی اور نافریت کے سبب اوسے مرکز سے دور ہونا چاہا واجب ہے کہ خط ہ ب پر ہٹے کہ اسی طرف مرکز سے بعد اخص ہے اور بعد اثانی ہیں کہ ایک وجہ سے بعد ہیں تو دوسری وجہ سے قرب ہیں بعد محض چھوڑ کے ادنمیں کیسے چلی یا یہ ترجیح مرجوح ہوئی پھر اسمیں جس خط پر جائے دوسری طرف اوسی کا مساوی موجود ہے

حضرت علامہ شبیر احمد خاں غوری

عہد حاضر کا تہافت الفلاسفہ

(الف) تہافت الفلاسفہ للغزالی

حضرت العلام اپنے اس مقالہ کے آخر میں بڑے انکسار کے ساتھ فرماتے ہیں کہ " اور کسی بے دست وپا ہی کو اتنی توانائی بخش دے جو وہ اس کڑی کمان کو زہ کر سکے ۔"

" کسی " کے حجاب میں جو " نکرہ معین " ہے وہ حضرت علامہ ہی کی ذات والا صفات ہے " وہ بے دست وپا نہیں " بلکہ " بادست وپا ہیں " اس کڑی کمان کے زہ کرنے کی توانائی قدرتِ الٰہی نے ان کو عطا فرمائی ہے ، ہاں وہ حسان العجم خاقانی کی طرح دعویٰ نہیں کرتے

کنوں صد فلسفی فلسفے نیز نو دریش امکانش

لیکن اس عہدِ " کم یابی " میں اطراف واکناف کی جانب جب میں نگاہ دوڑاتا ہوں تو میرا وجدان شہادت دیتا ہے کہ فاضل مقالہ نگار اس مصرعہ کے مصداق ہیں ۔ اس لیے تشنگانِ علم کو اعلیٰ حضرت کے بحرِ کرم سے اسی " سحاب رحمت " کے توسط سے چند ترشحات کی توقع ہو سکتی ہے ۔

(ادارہ)

امام غزالی کا " تہافت الفلاسفہ " ہمارے کلامی ادب کا ایک عظیم شاہکار ہے ۔ چنانچہ تصنیف کی عظمت وجلالتِ قدر کا اعتراف دنیا نے اس طرح کیا کہ مصنف کو " امام حجۃ الاسلام " کے لقب کا مستحق قرار دیا ۔

کلامی کاوش کا ایک بڑا مقصد غیر اسلامی افکار وتصورات ، بالخصوص فلسفہ کی

ہفوات و اباطیل کی تردید و تنقیص رہا ہے۔ چنانچہ علامہ تفتازانی نے "شرح عقائد نسفی" میں لکھا ہے:۔

"لما نقلت الفلسفة عن الیونانیة الی العربیة وخاض فیها الاسلامیون ...... حاولوا الرد علی الفلاسفة فیما خالفوا فیه الشریعة .... وهذا کلام المتاخرین۔"

جب فلسفہ یونانی زبان سے عربی میں منتقل ہوا اور متفکرینِ اسلام نے اس میں غور و فکر کیا ...... تو فلسفہ کے (ان مسائل کے) رد کی کوشش کی جن میں وہ شریعت (مصرِ اسلامیہ) سے مختلف ہیں ...... اور یہی "کلامِ متاخرین" ہے۔

مگر جس انداز میں امام غزالی نے اس فریضہ کو انجام دیا وہ کلامی تفکیر کی تاریخ میں سنگِ میل کی حیثیت رکھتا ہے۔ بے شک امام رازی اپنے جوشِ استدلال کے لیئے مشہور ہیں۔ مگر الفضل للمتقدم۔ ابنِ خلدون کہتا ہے:۔

"اول من کتب فی طریقة الکلام علیٰ هذا المنحی الغزالی وتبعوه الامام ابن الخطیب وجماعة وقفوا اثرهم"

پہلے فاضل جنہوں نے کلامی مسائل کو اس انداز پر لکھا امام غزالی تھے۔ انہیں کا خطیب زادہ (امام رازی) اور دوسرے لوگوں نے اتباع کیا اور ان کے نقشِ قدم پر چلے۔

تہافت الفلاسفہ جس زمانہ میں لکھی گئی اس وقت چند در چند وجوہ سے طبائع پر نام نہاد "حکمتِ یونانیاں" کا غلبہ ہو چکا تھا۔ اس کی تفصیل موجب تطویل ہوگی۔ انہوں نے خود "تہافت الفلاسفہ" کے دیباچہ میں اس زمانہ کے نام نہاد انٹیلیکچوئلس (intellectuals) "مدعیانِ دانش" کی فکری بے راہ روی کا تجزیہ کیا ہے۔ ان برخود غلط "عقلیت پرستوں" کی اصلاحِ فکر کے لیئے انہوں نے یونانی فلسفہ کے رئیس علی الاطلاق ارسطاطالیس کو منتخب کیا اور اس کے افکار و تعلیمات کی انہیں تعبیرات کو ہدفِ سہام تنقید بنایا جو ابونصر فارابی اور بوعلی سینا سے منقول تھیں۔ اس طرح ان کی کلامی سرگرمیوں کا محور ابنِ سینائی فلسفہ کا رد تھا۔ یوں بھی شیخ بوعلی سینا کا فلسفہ (بالخصوص اس کی کتاب "الشفاء") نام نہاد مدعیانِ عقل و دانش کے حلقوں میں "حکمت کی مثلِ اعلیٰ" سمجھے جاتے تھے جب کہ شاعر

انوری کہتا ہے :-

مرورا حکمت ہمی باید کہ دامن گیر وش
" تا شفائے بوعلی " خوانند " ژاژ بحتری

لہذا انہوں نے " ارسطاطالیسی ۔ ابن سینائی " فلسفہ میں سے بیس مسئلے منتخب کر کے ان پر ناقدانہ نظر ڈالی ۔ یہ مسئلے حسب ذیل ھیں :-

پہلا مسئلہ :- فلاسفہ کا مذہب ہے کہ عالم ازلی (ہمیشہ سے) ہے اس کا ابطال ۔

دوسرا مسئلہ :- ان کا یہ بھی مذہب ہے کہ عالم ابدی ہے (ہمیشہ رہے گا) اس کا ابطال

تیسرا مسئلہ :- فلاسفہ کا یہ کہنا ہے کہ اللہ تعالے عالم کا صانع ہے اور عالم اس کی صنعت ہے ، فریب محض ہے ۔ اس کی وضاحت ۔

چوتھا مسئلہ :- فلاسفہ صانع عالم (باری تعالے) کا وجود ثابت کرنے سے عاجز ہیں ، اس کی توضیح ۔

پانچواں مسئلہ :- فلاسفہ دو خداؤں (نعوذ باللہ منہا) کے محال ہونے پر دلیل قائم کرنے سے عاجز ھیں ۔

چھٹا مسئلہ :- فلاسفہ جو باری تعالیٰ کی صفات کی نفی کرتے ہیں ، اسکا ابطال ۔

ساتواں مسئلہ :- فلاسفہ کہتے ہیں کہ اوّل (باری تعالے) کی ذات جنس اور فصل میں منقسم نہیں ہوسکتی ۔ اس کا ابطال ۔

آٹھواں مسئلہ :- فلاسفہ کہتے ہیں کہ اوّل (باری تعالے) موجود بسیط بلا ماہیت ہے ۔ اس کا ابطال ۔

نواں مسئلہ :- فلاسفہ اس بیان سے عاجز ہیں کہ اوّل (باری تعالے) جسم نہیں ہے ۔

دسواں مسئلہ :- " قول بالدہر " (دہریت) کی توضیح اور اس بات کی وضاحت کہ

اس قول کے قائلین کے لیئے صانع عالم کی نفی لازم ہے۔

گیارہواں مسئلہ:۔ فلاسفہ یہ ثابت کرنے سے عاجز ہیں کہ اوّل (باری تعالےٰ) اپنے غیر کو جانتا ہے۔

بارہواں مسئلہ:۔ فلاسفہ یہ بات تک ثابت کرنے سے عاجز ہیں کہ اوّل (باری تعالیٰ) اپنی ذات کو جانتا ہے

تیرھواں مسئلہ:۔ فلاسفہ کے اس قول کا ابطال کہ اوّل (باری تعالےٰ) جزئیات (متغیرہ حادثہ) کا عالم نہیں ہے۔

چوتھواں مسئلہ:۔ فلاسفہ جو یہ کہتے ہیں کہ فلک ذی حیات ہے اور اپنے ارادے سے حرکت کرتا ہے، اس کا ابطال۔

پندرھواں مسئلہ:۔ فلاسفہ نے جن اغراض کا ذکر کیا ہے کہ وہ فلک کی محرک ہیں، ان کا ابطال۔

سولہواں مسئلہ:۔ فلاسفہ جو کہتے ہیں کہ نفوسِ فلک کو اس عالم کی تمام جزئیات حادثہ کا علم ہے، اس کا ابطال۔

سترھواں مسئلہ:۔ فلاسفہ جو "خرقِ عادات" کو محال بتاتے ہیں، اس کا ابطال۔

اٹھارہواں مسئلہ:۔ فلاسفہ اس بات پر کہ نفس انسانی جوہر قائم بنفسہ ہے جو نہ جسم ہے اور نہ عرض، عقلی دلیل قائم کرنے سے عاجز ہیں، اس کی توضیح۔

انیسواں مسئلہ:۔ فلاسفہ نفوسِ بشریہ پر فنا کو محال بتاتے ہیں، اس کا ابطال۔

بیسواں مسئلہ:۔ فلاسفہ کو "بعث بعد الموت" اور "حشر اجساد" سے انکار ہے۔ نیز اس بات سے بھی کہ وہ جنت اور دوزخ میں جسمانی لذات و تکالیف سے دوچار ہوں گے، اس کا ابطال۔

مزید تفصیل غیر ضروری ہے۔ کیونکہ اس عرض داشت کا اصل مقصد اعلیٰ حضرت کے رسالہ "الکلمتہ الملہمہ"، کو متعارف کرانا ہے۔

(ب) الکلمۃ الملہمۃ فی الحکمۃ المحکمۃ لوھاء الفلسفۃ المشئمۃ

کچھ ایسے ہی حالات پچھلی صدی میں ہمارے یہاں رونما ہو گئے تھے۔ مدارس کے نصاب پر معقولات ہی معقولات چھا کر رہ گئی تھی۔ بڑے بڑے عظیم المرتبت مصلحین امت و مجددین ملت نے اس صورتحال کی اصلاح کی کوشش کی مگر نتیجہ ڈھاک کے تین پات سے زیادہ نہ نکلا مغل بادشاہ اپنے ساتھ وسطِ ایشیا سے جو روایات لائے تھے ان میں معقولات کے ساتھ غیر معمولی شغف بھی تھا جو محقق دوانی کے تلامذہ کے ہندوستان میں آنے سے اور بڑھ گیا۔ بالخصوص امیر فتح اللہ شیرازی کے شمالی ہندوستان میں آنے کے بعد انہوں نے پہلے محقق دوانی کے شاگرد رشید خواجہ جمال الدین محمود کے سامنے زانوئے تلمذ تہ کیا۔ پھر دوسرے اساتذہ کے علاوہ امیر غیاث الدین منصور سے پڑھا جو عقلیات میں اپنے انہماک کی بنا پر "عقل حادی عشر" کہلاتے تھے۔ ہندوستان میں انہیں دو بزرگوں کے تلامذہ کی سعی و کاوش سے مدارس میں معقولات کی گرم بازاری ہوئی۔ خواجہ جمال الدین محمود کے سلسلہ تلمذ میں میرزاہد ہروی مصنف زواہد ثلاثہ منسلک تھے۔ میرزاہد کے شاگرد شاہ عبدالرحیم اور ان کے شاگرد ان کے صاحبزادے شاہ ولی اللہ تھے جن سے دیوبند وغیرہ اور علی گڑھ کے مدارس کا سلسلہ ملتا ہے۔ امیر فتح اللہ کے شاگرد ملا عبدالسلام لاہوری تھے۔ ان کے سلسلۂ تلمذ میں علمائے پورب بالخصوص فرنگی محل اور خیرآباد آتے ہیں۔

بہر حال امیر فتح اللہ شیرازی ہی نے حسب تصریح مآثر الکرام علمائے ولایت (مثل محقق دوانی و مرزا جان وغیرہ کے) کی کتب معقولات درس میں داخل کرائیں۔ ادھر اکبر کی اسلام بیزاری اور الحاد پروری نے علوم دینیہ سے بے اعتنائی اور ان کی جگہ نام نہاد علوم عقلیہ میں توغل کو مزید شہ دی اور پھر تو یہ لے یہاں تک بڑھی کہ نصاب پر معقولات ہی معقولات چھا کر رہ گئی۔

قرآن کریم کے سلسلے میں جو اصل دین ہے صرف کوئی ڈیڑھ بلکہ سوا کتاب پڑھائی جاتی تھی۔ یعنی جلالین شریف اور بیضاوی شریف (تا مقامِ درس) مگر منطق میں "صغریٰ" سے

"میرزاہد امورِ عامہ" تک کوئی پچیس کتابیں پڑھائی جاتی تھیں۔ فلسفہ میں "ہدایۃ الحکمۃ متن"، "ہدیۂ سعیدیہ"، "میبذی"، "صدرا"، "شمس بازغہ" بلکہ "شرح اشارات" اس پر مستزاد تھیں۔ پھر بھی معقول پسند طلبہ کے جذبۂ هَلْ مِنْ مَّزِيْدٍ کی تشفی نہیں ہوتی تھی جس کے لیئے "شرح مطالع"، "شرح حکمۃ العین"، "حواشی قدیمہ و جدیدہ" اور محاکات بھی پڑھی اور پڑھائی جاتی تھیں۔ غرض طبائع پر معقولات کا غلبہ تھا اور علوم عقلیہ کی وقعت مسلم تھی۔ کسی عالم کو اس وقت تک عالم تسلیم نہیں کیا جاتا تھا جب تک وہ معقولات میں دستگاہِ عالی نہ رکھتا ہو۔ قبل مغل دور میں "بزدوی خواں" (اصولِ فقہ کی مشہور کتاب "اصولِ بزدوی" کا طالب علم) "العالم الالمعی والفاضل اللوذعی" کا مصداق سمجھا جاتا تھا۔ مغل دور کے آخر میں ملّا محمود جونپوری کی "شمس بازغہ" کو حکمت و دانائی کی معراجِ کمال سمجھا جاتا تھا۔ چنانچہ ذوق اپنے ایک قصیدے میں کہتے ہیں :۔

بنا ہے مدرسہ یہ بزم گاہِ عیش و نشاط
کہ "شمس بازغہ" کی جا پڑھے ہیں "بدر منیر"

لیکن قدرت نے ہر زہر کا تریاق پیدا کیا ہے۔ اس صورتِ حال کی اصلاح کے لیئے مجدد مأتہ حاضرہ کو مامور کیا جو نہ خود فلسفی تھے۔ نہ انہوں نے فلسفہ کی تحصیل میں عمر عزیز ضائع کی مگر مولیٰ تعالیٰ جس بندے سے جو چاہے خدمت لے لے۔ چنانچہ "الکلمۃ الملہمہ" کے دیباچہ میں فلسفہ کے اندر اپنی تعلیم کے بارے میں فرماتے ہیں :۔

"فقیر کا درس بحمدہٖ تعالٰے تیرہ برس دس مہینے چار دن کی عمر میں ختم ہوا۔ اس کے بعد چند سال تک طلبہ کو پڑھایا۔ فلسفہ جدیدہ سے تو کوئی تعلق ہی نہ تھا...... فلسفہ قدیمہ کی دو چار کتابیں مطابق درسِ نظامی اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ الشریف سے پڑھیں اور چند روز طلبہ کو پڑھائیں۔ مگر بحمدہٖ تعالٰے روزِ اوّل سے طبیعت اس کی ضلالتوں سے دور اور اس کی ظلمتوں سے نفور تھی۔ سرکارِ ابد قرار بارگاہِ عالم پناہ رسالت علیہ افضل الصلوٰۃ والتحیات سے دو خدمتیں اس خانہ زادِ ہیچ کارہ کے سپرد ہوئیں :۔ افتا اور ردِّ وہابیہ۔ انہوں نے مشغلہ تدریس بھی چھڑایا اور آج ۴۵ برس سے زائد ہوئے کہ بحمدہٖ تعالٰے فلسفہ

کی طرف رخ نہ کیا، نہ اس کی کسی کتاب کو کھول کر دیکھا۔ اب اخیر عمر میں سرکار نے اپنے کرم بے پایاں کا صدقہ بندہ عاجز سے یہ خدمت لی کہ دونوں فلسفوں کا رد کرے اور ان کی قباحتوں شناعتوں، حماقتوں اور ضلالتوں پر اپنے دینی بھائیوں طلبۂ علم کو اطلاع دے۔"

مگر یہ مآتہ حاضرہ کا ایک معجزہ ہی تو تھا کہ اس جلیل القدر ہستی کے خامہ عنبر شمامہ سے، جسے قسام ازل نے صرف افتاء اور ردِ وہابیہ کے لئے خلق فرمایا تھا، وہ کتاب مستطاب کامل و کافل ظہور میں آئی جسے بجا طور پر "عہدِ حاضر کا تہافت الفلاسفہ" کہا جا سکتا ہے۔ یعنی "الکلمۃ الملہمہ فی الحکمۃ المحکمہ لوہاء الفلسفہ المشئمہ"۔ یہ ایک عقیدت مند کی مبالغہ آرائی نہیں ہے بلکہ ایک حقیقت نفس الامری ہے

بہر حال اس غیر معمولی اہمیت کی حامل کتاب کی ابتداء بالکل معمولی حالات میں ہوئی۔ اور یقیناً خدائے قادر کے اپنے ایک بندے سے یہ کام لیتا تھا کہ بغیر کسی اہتمام کے فلسفہ کے ہفوات و اباطیل کا یہ "تہافت" ظہور میں آیا۔ اس کا قصہ بھی دلچسپ ہے۔

ہوا یہ کہ امریکہ کے کسی مہندس نے دعویٰ کیا تھا کہ ۱۷ دسمبر ۱۹۱۹ء کو اجتماع سیارات کے سبب آفتاب میں اتنا بڑا داغ پڑے گا کہ اس کے باعث زلزلے آئیں گے طوفان شدید آئے گا، ممالک برباد ہو جائیں گے اور خدا معلوم کیا کیا مصائب ارضی و سماوی رونما ہوں گے۔ جب تجدد پسند لوگوں نے حضرت مولانا ظفر الدین بہاری رحمۃ اللہ علیہ کو جو اس وقت مدرسہ عالیہ سہسرام کے مدرس اعلیٰ تھے، مجبور کیا تو انہوں نے ۱۸ صفر ۱۳۳۸ھ کو اس پیش گوئی پر مشتمل ایک عریضہ اعلیٰ حضرت کی خدمت میں روانہ کیا۔ حضرت نے پہلے تو اس کا مختصر جواب چند ورق پر دیا۔ جس کا ماحصل یہ تھا کہ:۔

"یہ محض اباطیل بے اصل ہیں۔ نہ وہ اجتماع سیارات اس تاریخ کو ہوگا جس کا وہ مدعی ہے، نہ جاذبیت (کشش ثقل یا Gravitation) کوئی حقیقت رکھتی ہے۔"

اور چونکہ مدعیان فرنگ کا اعتماد کوپرنیکی"، کی نظام ہیئت پر ہے جس کا اصل الاصول یہ ہے کہ زمین کے گرد آفتاب حرکت نہیں کرتا بلکہ زمین آفتاب کے گرد

حرکت کرتی ہے۔ پھر اس کی تائید مزید نیوٹن اور اس کے پیرؤں نے کششِ ثقل کے مفروضے سے کی۔ لہٰذا مستفسرِ پیش گوئی کے رد میں بعض دلائل رد حرکتِ زمین لکھے۔

مگر جب یہ توضیحی تقریر زیادہ طویل ہونے لگی تو "رد حرکتِ زمین" کے دلائل کو جدا کر کے مستقلاً ایک "کافل و کامل کتاب" بعنوان "فوزِ مبین در رد حرکتِ زمین" لکھی جس میں ایک سو پانچ دلائل سے حرکتِ زمین باطل کی اور جاذبیت و نافریت وغیرہما مزعومات فلسفہ جدیدہ پر وہ روشن رد کیے جن کے مطالعہ سے ہر ذی انصاف پر بحمدہ تعالیٰ آفتاب سے زیادہ روشن ہو جائے کہ فلسفہ جدیدہ کو اصلاً عقل سے مس نہیں۔"

"فوزِ مبین کئی فصلوں پر منقسم تھی۔ ان میں سے تیسری فصل میں ایک تذییل لکھی جس میں ان دس دلائل سے تعرض کیا جو فلسفہ قدیمہ نے حرکتِ زمین کے رد میں دیے تھے۔ اعلیٰ حضرت نے ان دلائلِ عشرہ کی تضعیف کی کہ یہ دلائل باطل و زائل ہیں۔"

"ان کے رد نے اصولِ فلسفہ قدیمہ کے ازہاق و ابطال کا دروازہ کھولا۔ ان اصولِ فلسفہ قدیمہ کے رد میں تیس مقام لکھے جن سے بعونہٖ تعالیٰ تمام فلسفہ قدیمہ کی نسبت روشن ہو گیا کہ فلسفہ جدیدہ کی طرح بازیچۂ اطفال سے زیادہ وقعت نہیں رکھتا۔"

ان مقاماتِ جلیل کے سبب یہ تذییل غیر معمولی طور پر طویل ہو گئی جس کے نتیجہ میں اصل کتاب "فوزِ مبین" کی چوتھی فصل بہت دور جا پڑی۔ لہٰذا صاحبزادہ بلند اقبال ابوالبرکات محی الدین جیلانی آل الرحمٰن" یعنی حضرت مولانا مولوی مصطفےٰ رضا خاں صاحب سلمہ المنان و ابقاہ والی معالی کمالات الدین و الدنیا رقاہ کی رائے ہوئی کہ ان مقامات کو ردِ فلسفہ قدیمہ میں مستقل کتاب کیا جائے کہ اگرچہ دم الاخوین یکجا نہ ہوں، ایک کتاب ردِ فلسفہ میں رہے دوسری ردِ فلسفہ قدیمہ میں اور ساتھ ساتھ مقاصد فوزِ مبین میں اجنبی (بظاہر غیر متعلق) ابحاث سے فصل سوم طویل نہ ہو۔ یہ رائے اعلیٰ حضرت کو بھی پسند آئی اور اس طرح کتاب کامل النصاب بعون الملک الوہاب المسمیٰ بنام تاریخی "الکلمۃ الملہمۃ فی الحکمۃ المحکمۃ لوہاء الفلسفۃ المشئمۃ" منصۂ شہود پر جلوہ گر ہوئی۔

زاں بعد اعلیٰ حضرت سفارش فرماتے ہیں :۔

"مسلمان طلبہ و اہلِ علم پر دونوں کتابوں کا بغور یا لاستیعاب مطالعہ اہم ضروریات سے ہے کہ دونوں فلسفۂ مزخرفہ کی شناعتوں، جہالتوں، سفاہتوں، ضلالتوں پر مطلع رہیں اور بعونہٖ تعالےٰ عقائدِ حقۂ اسلامیہ سے ان کے قدم متزلزل نہ ہوں"

تہافت الفلاسفہ میں بیس مسئلے تھے۔ "الکلمۃ الملہمہ مندرجہ ذیل تیس بلکہ اکتیس مقامات پر مشتمل ہے۔

مقامِ اوّل :۔ اللہ عزوجل فاعل مختار ہے۔ اس کا فعل نہ کسی مرجح کا دست نگر، نہ کسی استعداد کا پابند

مقامِ دوم :۔ اللہ واحد قہار ایک اکیلا خالق جملہ عالم ہے۔ خالقیت میں عقول وغیرھا کوئی نہ اس کا شریک نہ تخلیق میں واسطہ۔

مقامِ سوم :۔ فلک محدد و جہات نہیں۔

مقامِ چہارم :۔ قسر کے لیئے مقسور میں کوئی میل طبعی ہونا کچھ ضرور نہیں۔

مقامِ پنجم :۔ خلا محال نہیں۔

مقامِ ششم :۔ حیز، شکل، مقدار اور جتنی چیزیں جسم کے لیئے فی نفسہٖ ضروری ہیں کہ جسم کا ان سے خلو نا متصوّر، ان میں بھی کسی شے کا جسم کے لیئے طبعی ہونا کچھ ضروری نہیں۔

مقامِ ہفتم :۔ فلک الافلاک میں میل منقسم ہے۔

مقامِ ہشتم :۔ فلک میں مبدء میل مستدیر نہیں۔

مقامِ نہم :۔ جسم میں کوئی نہ کوئی مبدء میل ہونا کچھ ضروری نہیں۔

مقامِ دہم :۔ حرکت وضعیہ کا طبیعیہ ہونا محال نہیں۔

مقامِ یازدہم :۔ حرکت وضعیہ فلک بھی طبیعیہ ہوسکتی ہے۔

مقامِ دوازدہم :۔ طبیعت کا دائماً اپنے کمال سے محروم رہنا محال نہیں۔

مقامِ سیزدہم :۔ حرکتِ فلک قسریہ ہوسکتی ہے۔

مقامِ چہار دہم :۔ فلک کی حرکت ارادیہ ہونا ثابت نہیں۔

مقامِ پانزدہم :۔ بلکہ افلاک کی حرکت قسریہ ہونا ثابت۔

مقامِ شانزدہم :۔ فلک پر خرق والتیام جائز ہے۔

مقامِ ہفدہم :۔ (فلک) بسیط نہیں۔

مقامِ ہیجدہم :۔ فلک کا قابلِ حرکت مستدیرہ ہونا ثابت نہیں۔

مقامِ نوزدہم :۔ فلک کی حرکت ثابت نہیں۔

مقامِ بستم :۔ اصولِ فلسفہ پر فلک کی حرکت مستدیرہ بلکہ مطلقاً جنبشِ یکسر باطل و محال۔

مقامِ بست و یکم :۔ دو حرکت مستقیمہ کے بیچ میں سکون لازم نہیں۔

مقامِ بست و دوم :۔ امورِ غیر متناہیہ کا عدم سے وجود میں آجانا مطلقاً محال ہے۔ مجتمع ہوں یا متعاقب، مرتب ہوں یا غیر مرتب۔

مقامِ بست و سوم :۔ قدم نوعی محال ہے۔

مقامِ بست و چہارم :۔ قوتِ جسمانیہ کا غیر متناہی پر قادر ہونا محال نہیں۔

مقامِ بست و پنجم :۔ آن سیال کوئی چیز نہیں۔

مقامِ بست و ششم :۔ زمانہ کا وجودِ خارجی اصلاً ثابت نہیں۔

مقامِ بست و ہفتم :۔ زمانے کے لیئے خارج میں کوئی منشاءِ انتزاع بھی نہیں۔

مقامِ بست و ہشتم :۔ زمانہ موجود ہو خواہ موہوم کسی حرکت کی مقدار نہیں ہو سکتا۔

مقامِ بست و نہم :۔ زمانہ کا مقدارِ حرکت فلکیہ ہونا تو کسی طرح ثابت نہیں۔ بلکہ نہ ہونا ثابت ہے۔

مقامِ سیم :۔ زمانہ حادث ہے۔

مقامِ سی و یکم :۔ جزءِ لایتجزیٰ باطل نہیں۔

ان میں سے تیسرے مقام سے بیسویں مقام تک فلسفہ طبیعات کے ان مسائل پر تنقید کی گئی ہے جو قدیم "فلکیات" سے متعلق ہیں اور جو کتب فلسفہ قدیمہ مثلاً اثیر الدین

ابہری کی "ہدایۃ الحکمۃ" کی شروح جیسے "میبذی" میں "القسم الثانی فی الطبیعیات" کے "الفن الثانی فی الفلکیات" کے اندر شمول ہیں اور ایسا ہونا بھی چاہیئے تھا کیونکہ اس وقت اعلیٰحضرت کے پیش نظر حرکت زمین کے نظریہ کا ابطال تھا۔ اس لیئے حرکت سے متعلق فلاسفہ قدیم کے افکار باطلہ کا ازہاق ناگزیر تھا۔ اکیسویں سے چوبیسویں مقام تک قدیم فلسفہ الہیات کے اہم مواقف کا ابطال ہے۔

بعد کے چھ مسئلے زمانہ کی ابحاث سے متعلق ہیں اور حق یہ ہے کہ ان کے اندر اعلیٰحضرت نے جس خوش اسلوبی سے اس باب میں اسلامی تعلیمات کی ترجمانی فرمائی ہے وہ انہیں کا حق ہے۔ کاش کوئی خدا کا بندہ اس زمانہ میں اس کتاب کے ان ابواب کا تذکرہ علامہ اقبال سے کر دیتا جو مسئلہ زمان کے باب میں اسلام اور اسلامی مفکرین کے مواقف سے واقفیت حاصل کرنے کے لیئے ان لوگوں کی ہدایت و رہنمائی طلب کر رہے تھے جو "از خویشتن گم است کرا رہبری کند" کے مصداق تھے۔

اکتیسواں مقام فلسفۂ قدیمہ کے اصل الاصول کی رگ جاں پر نشتر تیز ہے۔ معلوم ہے کہ قدیم فلسفہ طبیعیات اساس اس مسئلہ پر ہے جو ہدایۃ الحکمۃ کی شروح اور دیگر کتب فلسفہ قدیمہ میں ہے "ابطال الجزء الذی لایتجزیٰ" کے عنوان سے بیان کیا جاتا ہے۔ اعلیٰحضرت نے اس کی تنقید میں جو کاوش فرمائی ہے وہ ایک عظیم کارنامہ ہے۔ مگر کتاب کی جان پہلے دو مقام ہیں اور انہیں کی تبیین و توضیح میں مجدد مائۃ حاضرہ کی انفرادیت کا راز مضمر ہے۔

لیکن اس کی تفصیل ایک مستقل پیش کش کی مقتضی ہے جس سے عہدہ برآ ہونے کی یہ عاجز مستمند اپنے ناتواں بازوؤں میں سکت نہیں پاتا۔ یوں بھی، مجدد مائۃ حاضرہ جیسے نادرۂ روزگار کی عبقریت کی کماحقہٗ تصویر کشی کے لیئے جن جامع منقول و معقول فضلاء کی کاوش تحقیق درکار ہے وہ نایاب نہیں تو کمیاب ضرور ہیں۔ قدرت خداوندی سے امید ہے کہ :-

ع "مردے از غیب بروں آید و کارے بکند"

یا پھر لَعَلَّ اللّٰہَ یُحْدِثُ بَعْدَ ذٰلِکَ اَمْرًا ہ اور کسی دست و پا ہی کو اتنی توانائی بخشدے جو وہ اس کڑی کمان کو زہ کر سکے۔ وَمَا ذٰلِکَ عَلَی اللّٰہِ بِعَزِیْزٍ ہ وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ہ

~~~~~~ ۰:۰ ~~~~~~
~~~~~~

سیاسیات

ڈاکٹر اشتیاق حسین قریشی مرحوم

دو قومی نظریہ

اور

مولانا احمد رضا خاں بریلویؒ

اب ہم مسلم علماء کے ایک اور مکتبِ فکر اہلسنت کا ذکر کرتے ہیں۔ اس مکتب فکر کے عظیم ترین عالمِ دین مولانا احمد رضا خاں بریلویؒ تھے۔ ان کے نظریات کا مختصر ذکر پہلے ہو چکا ہے کہ وہ ہندوؤں اور مسلمانوں کے درمیان اتحاد کے قائل بالکل نہ تھے۔

۱۴ جون ۱۸۵۶ء کو بریلی میں پیدا ہوئے۔ وہ ایک ممتاز فقیہہ اور معاملہ فہم تھے۔ ان کے فتوؤں اور فیصلوں کا آج بھی احترام کیا جاتا ہے۔ علامہ سر محمد اقبال نے ان کے بارے میں کہا تھا "وہ مولانا کے فتوے ان کے فہم و ادراک، علمی مرتبے اور ان کی تخلیقی فکر کی گہرائی و گیرائی، ان کی مجتہدانہ بصیرت اور علمِ دین پر گہری دسترس کے شاہد عادل ہیں۔ اگر اُن کے مزاج میں شدّت نہ ہوتی تو وہ اپنے دور کے امام ابو حنیفہ ہوتے۔

علامہ اقبالؒ نے جس انتہاپسندی کا حوالہ دیا ہے وہ مولانا احمد رضا خاں کے اس رویّے کے بارے میں ہے جو انہوں نے دیوبندی مکتب فکر کے بعض رہنماؤں کے بارے میں اختیار کیا۔ اور جس کی بنیاد پر وہ انہیں دائرۂ اسلام سے خارج خیال کرتے تھے۔ جب بعض مواقع پر دیوبندی مکتبۂ فکر کے بعض ممتاز علماء نے اللہ تعالےٰ کے متعلق بعض نازک سوالات اٹھائے تو ان بیانات کی نوعیت انتہائی متنازعہ تھی۔ چنانچہ ان بیانات کو جس اشتعال انگیز انداز میں پیش کیا گیا۔ اس پورے معاملے کو مابعد الطبیعاتی عذر خواہی کے

طور پر پیش کرنا بہتر ہے۔ ایک فریق کی جانب سے خدا کی حقانیت، وحدانیت اور علم کے بارے میں بعض نظریات سامنے لائے جا رہے تھے۔ جبکہ دوسری جانب سے ان خیالات اور نظریات کو اسلام کے منافی گردانا گیا۔ لیکن بدنصیبی سے ان تمام اختلافات کو ان لوگوں کے سامنے بھی پیش کیا گیا جو انہیں سمجھ نہیں سکتے تھے۔ تاہم اس سے مولانا کی علمی حیثیت متاثر نہیں ہوتی۔

ان کی لکھی ہوئی کتابوں اور کتابچوں کی تعداد ایک ہزار کے قریب ہے۔ انہوں نے اپنے پیروکاروں پر اتنا گہرا اثر ڈالا کہ برّصغیر کا ان کا کوئی اور ہم عصر ماہر الہیات اپنے پیروکاروں پر مرتّب نہیں کر سکا۔ تحریکِ خلافت کے آغاز میں عدم تعاون کے فتویٰ پر دستخط لینے کے لیئے علی برادران اُن کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ انہوں نے جواب دیا "مولانا! آپ کی اور میری سیاست میں فرق ہے۔ آپ ہندو مسلم اتحاد کے حامی ہیں اور میں مخالف"۔ جب مولانا نے یہ دیکھا کہ علی برادران رنجیدہ ہو گئے ہیں تو انہوں نے کہا "مولانا! میں (مسلمانوں کی) سیاسی آزادی کا مخالف نہیں۔ میں تو ہندو مسلم اتحاد کا مخالف ہوں"۔

اس مخالفت کی بڑی وجہ یہ تھی کہ اس اتحاد کے بڑے حامی افراط و تفریط میں اس قدر بہہ گئے تھے کہ ایک عالم اس کی حمایت نہیں کر سکتا تھا۔ مولانا احمد رضا خاں بریلویؒ نے مولانا عبدالباری فرنگی محلی کی بعض تحریروں اور افعال پر اعتراض کیا۔ جنہوں نے خود ان الفاظ میں اس کا حسین اعتراف کیا ہے۔

"مجھ سے بہت سے گناہ سرزد ہوئے ہیں۔ کچھ دانستہ اور کچھ نادانستہ۔ مجھے ان پر ندامت ہے۔ زبانی، تحریری اور عملی طور پر مجھ سے ایسے امور سرزد ہوئے جنہیں میں نے گناہ تصوّر نہیں کیا تھا لیکن مولانا احمد رضا خاں بریلویؒ انہیں اسلام سے انحراف یا گمراہی یا قابلِ مواخذہ خیال کرتے ہیں۔ اُن سب سے میں رجوع کرتا ہوں جن کے لیئے پیش روؤں کا کوئی فیصلہ یا نظیر موجود نہیں۔ ان کے بارے میں میں مولانا احمد رضا خاںؒ کے فیصلوں اور فکر پر کامل اعتماد کا اظہار کرتا ہوں"۔

اپنا یہ بیان مولانا عبدالباری فرنگی محلی نے شائع کر دیا۔ مسلمانوں کو ہندو قیادت کی

پیروی سے باز رکھنے کی جدوجہد جاری رہی۔ مولانا سید سلیمان اشرف بہاری نے مارچ ۱۹۳۱ء میں بریلی میں جمعیت علمائے ہند کے زیر اہتمام ایک کانفرنس میں شریک تھے۔ کانفرنس میں انہوں نے ہندوؤں کی جانب مولانا ابوالکلام آزاد کے میلان کو ہدفِ تنقید بنایا اور انہوں نے ثابت کیا کہ ہندوؤں کے ساتھ "موالات" بھی ایسے ہی حرام ہے جیسے انگریزوں کے ساتھ۔ اسی طرح مولانا محمد علی جوہر نے بھی اپنی وفات سے تین ماہ قبل مولانا نعیم الدین مرادآبادی کے سامنے اپنی ہندو نوازسرگرمیوں سے توبہ کی۔ چند ماہ بعد مولانا شوکت علی نے بھی ایسا ہی کیا۔ اس سے بخوبی واضح ہوجاتا ہے کہ بریلوی مکتبِ فکر سے متعلق علماء مسلمانوں کے لیئے کانگریس کی قیادت کے خلاف تھے۔ کیونکہ انہیں یہ یقین تھا کہ اس سے مسلمان بتدریج اپنے مذہبی تشخّص سے محروم ہوجائیں گے اور وہ ہندوؤں کے عقائد اور روایات قبول کرلیں گے۔ جب ہندوؤں نے شدھی کی تحریک کا آغاز کیا تو ان علماء نے اس کے مقابلے میں جماعت رضائے مصطفٰے کی بنیاد ڈالی جس کے تحت سینکڑوں بریلوی علماء نے ملکانہ راجپوتوں میں قابلِ قدر کام کیا اور کامیاب ہوئے۔

بریلوی مکتبِ فکر کی قیادت (بعدازاں) مولانا نعیم الدین مرادآبادی کے ہاتھوں میں آگئی۔ جمعیت علمائے ہند کے علماء کے برعکس وہ ۳۹-۱۹۳۸ء میں ہی اس بات پر یقین کرچکے تھے کہ انگریز زیادہ عرصے تک برصغیر پر اپنا اقتدار قائم نہیں رکھ سکیں گے۔ ان کے لیے یہ سوال شدّت اختیار کرتا جارہا تھا کہ اس کے بعد ملک کا اقتدار کون سنبھالے گا؟ چنانچہ وہ اس نتیجے پر پہنچے کہ مسلم اکثریت کے صوبوں پر مشتمل مسلمانوں کی ایک الگ ریاست تشکیل دینی چاہیئے۔ اس لیئے جونہی قرار دادِ پاکستان منظور ہوئی اس مکتبِ فکر سے تعلق رکھنے والے علماء جنہوں نے اس سے قبل بھی کانگریس کے مقابلہ میں مسلم لیگ کی مدد کی تھی، قیام پاکستان کے لیئے جدوجہد کرنے کا فیصلہ کیا۔ انہوں نے اپنی جماعت کے کام کو وسیع تر کردیا۔ اور ان کی ہر شاخ پاکستان کے قیام کی ضرورت کی تبلیغ میں مصروف ہوگئی۔ مولانا نعیم الدین مرادآبادی نے بذاتِ خود شمالی برِصغیر کا دورہ کیا اور اس کے متعدد چھوٹے اور بڑے شہروں اور قصبات میں تقریریں کیں۔ تنظیم کا نیا دستور تیار کیا گیا اور اسے نیا نام دیا گیا۔

آل انڈیا سنی کانفرنس سے اس کا نام "جمہوریۃ الاسلامیہ" رکھ دیا گیا۔ اس کے ارکان پاکستان پر اسقدر اعتقاد رکھتے تھے کہ مولانا نعیم الدین مراد آبادی نے "جمہوریۃ الاسلامیہ" پنجاب کے آرگنائزر مولانا ابوالحسنات کو ایک خط میں لکھا۔

"جمہوریہ الاسلامیہ" کو کسی بھی صورتِ حال میں پاکستان کے مطالبہ سے دستبردار ہونا قبول نہیں۔ خواہ جناح خود اس کے حامی رہیں یا نہ رہیں۔ کیبنٹ مشن تجاویز سے ہمارا مقصد حاصل نہیں ہوتا۔" بنارس میں ۲۷ تا ۳۰ اپریل ۱۹۴۶ء ایک عظیم الشان کانفرنس منعقد ہوئی۔ جس میں پانچ ہزار علماء نے شرکت کی اور حاضرین و مندوبین کے سامنے پاکستان کی ضرورت و اہمیت کے مختلف پہلوؤں پر روشنی ڈالی گئی۔ جب یہ علماء اپنے اپنے علاقوں میں واپس گئے تو قیامِ پاکستان کی تحریک کو وسیع پیمانے پر پذیرائی حاصل ہوئی۔

مولانا نعیم الدین مراد آبادی نے اپنے مکتبِ فکر کے علماء کے کردار کا ان الفاظ میں ذکر کیا۔

"ہم نے مسلم لیگ کے پلیٹ فارم پر آنا علماء کے لیئے مناسب خیال نہیں کیا لیکن ہم نے مسلم لیگ کے مخالفین کا بڑی شدت سے مقابلہ کیا اور اس کا مقصد مسلم لیگ کو ممنون کرنا ہرگز نہیں تھا کیونکہ ہم نے اپنا کردار ہمیشہ اسلامی تعلیمات کی روشنی میں ادا کیا ہے۔ ہم نے کسی وقت بھی غیر مسلموں پر اعتقاد نہیں کیا اور اب جبکہ مسلم لیگ نے اسلامی آرڈیننس کے نفاذ کی جانب قدم اٹھایا ہے تو ہم اسلام کی عظمت اور غلبہ کے لیئے مسلم لیگ کے مخالفین کی مخالفت کر رہے ہیں۔

بعض دیگر علماء نے بھی اس ضمن میں خصوصی کردار ادا کیا۔ ان میں سے ایک مولانا آزاد سبحانی تھے جنہوں نے ہمیشہ قیامِ پاکستان کی حمایت کی۔ مولانا ابوالکلام آزاد کلکتہ میں نمازِ عید کے بڑے اجتماع کی امامت کیا کرتے تھے لیکن مقامی مسلمانوں نے ان کی کانگریس نواز سرگرمیوں سے بیزار ہو کر انہیں امامت سے برطرف کر دیا اور ان کی نظرِ انتخاب مولانا آزاد سبحانی پر پڑی جنکی تعلیمات اور خدمات جانی پہچانی تھیں۔ وہ اسقدر بے لوث تھے کہ ان کے حالاتِ زندگی کے بارے میں بہت کم مواد دستیاب ہے۔ تاہم وہ لوگ ان کی خدمات سے بخوبی واقف ہیں جو گذشتہ نصف صدی کی تحاریک کے عینی شاہد ہیں کہ انہوں نے مچھلی بازار کانپور کی مسجد کے انہدام کے خلاف مظاہرے میں قائدانہ کردار ادا کیا تھا۔ وہ خلافت اور عدم تعاون کی تحریکوں میں بھی مستعد رہے۔ وہ مسلم لیگ

کے اس کے قیام کے وقت سے ہی پُرجوش معاون تھے۔ وہ ایک زبردست عوامی مقرر تھے۔ ان کے خیالات منطقی اور متوازن ہوتے تھے۔ ان کی زبان شستہ اور پاکیزہ ہوتی اور سچی بات تو یہ ہے کہ وہ اس برصغیر میں اردو کے سب سے بڑے عوامی مقرر تھے۔ مولانا عبدالحامد بدایونی نے عوامی معاملات میں اپنی نوجوانی کے زمانہ میں ہی دلچسپی لینا شروع کردی تھی۔ وہ تحریکِ خلافت کے ایک جوشیلے کارکن تھے اور انہوں نے اس وقت سے مسلم لیگ کا ساتھ دینا شروع کیا جب اس کا کانگریس سے جھگڑا شروع ہوا۔ وہ قیامِ پاکستان کے ساتھ ہی پاکستان منتقل ہوگئے۔ وہ "جمعیت علمائے پاکستان" کے بانیان میں سے تھے۔

شیخ علی بن حسین مالکی علیہ الرحمتہ (مدرس مسجد الحرام، مکہ معظمہ)

امام احمد رضا کے متعلق ان الفاظ میں اظہار خیال فرماتے ہیں

"جب اللہ تعالےٰ نے مجھ پر یہ احسان فرمایا کہ آفتابِ معرفت کا نور اس آسمان صفا سے جسے استوار کاری لازم ہے مجھے اعلانیہ نظر آیا، وہ ذاتِ گرامی جس کے افعالِ حمیدہ اس کے آثارِ فضیلت کے آئینہ دار ہیں اور کیوں نہ ہو وہ تو آج دائرہ علوم کا مرکز ہے اور ملتِ اسلامیہ کے آسمانِ علوم کے ستاروں کا مطلع ہے۔ مسلمانوں کا یار و مددگار اور راہ یابوں کا نگہبان و محافظ دلائل و براہین کی تیغِ براں سے گمراہوں اور بے دینوں کی زبانیں کاٹنے والا، منارۂ نورِ ایمان کا بلند کرنے والا حضرت مولانا احمد رضا خانؒ۔"

ادبیات

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہ و نصلی علیٰ رسولہ الکریم

۱۹- ذی القعدہ ۳۸ھ کو یہ خط آیا اسی دن اعلیٰحضرت مدظلہ الاقدس کے درد شدید تھا نصف شب کے وقت سکون میں تاریخ و اشعار خیال میں آئے کہ صبح روانہ کیے گئے

نقل کارڈ بطلب تاریخ وفات

بحضور فیض گنجور سراپا رحمت یزدانی رئیس العلماء والفضلا مجدد مائۃ حاضرہ دام ظلکم و فیوضکم علیٰ رؤس المسلمین۔

السلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہ۔ پیشتر ازیں عالیجاہا میں نے اطلاع دی تھی کہ جناب حضرت حامی سنت حاجی الحرمین الشریفین حافظ مولانا مولوی پیر محمد عبد الغنی صاحب بدار البقار رحلت فرما ہوئے ۱۴ شوال کو۔ اب ثانیاً نہایت ادب احترام کے ساتھ آپ سے میں عرض کرتا ہوں کہ آپ ایک قطعہ تاریخ جناب مولانا کے لیے تصنیف فرما کر برائے عنایت و مہربانی میرے نام روانہ فرما دیں کہ وہی قطعہ تاریخ آپ کے مقبرہ شریف پر چھاپاں کیا جائیگا تبرکاً۔ میں امید کرتا ہوں کہ حضور انور ضرور میری عرض کو قبول فرما کر مجھ عاجز خاطی کو ممنون فرما دیں گے۔ بر کریماں کارہا دشوار نیست۔ بہت سے شعراء و علماء نے آپکی تاریخیں لکھکر بھیجیں ہیں مگر میں چاہتا ہوں کہ اگر آنجناب قطعہ تاریخ تحریر فرما کر روانہ فرما دیں تو وہی آپ کے مرقد پر تبرکاً چھاپاں کیجائے خداوند احکم الحاکمین آپکا سایۂ عاطفت ہم گنہگاروں کے سروں پر قائم دائم رکھے اور میری مراد قلبی بر لائے آمین ثم آمین۔

امرتسر۔ از کٹڑہ گرباسنگھ ہمدانی منزل
فقیر حقیر خاکپائے آنجناب محمد عبد السلام ہمدانی
یازدہم مبارک ذیقعدہ ۱۳۳۸ھ
یوم چہار شنبہ

تاریخ وفات

اَلْمَوْتُ حَقٌّ یَالَہٗ مِنْ جَاءٍ — مُتَیَقَّنٌ وَالنَّاسُ فِیْ اِنْسَاءٍ

موت حق ہے عجب اوس آنے والے — جو یقینی ہے اور لوگ اوس سے بھلاوے میں ہیں

اَنْسَاهُمُ الْاِنْسَاءُ فِیْ آجَالِهِمْ — مَعَ مَا یَرَوْنَ مِنْ آیَةٍ بِوِلَاءٍ

اون کی موت میں ڈھیل نے اونھیں بھلایا — حالانکہ پے در پے اوسکی نشانیاں دیکھ رہے ہیں

اَلنَّقْصُ مِنْ اَمْوَالِهِمْ وَثِمَارِهِمْ — وَالْاَخْذُ بِالْبَاسَاءِ وَالضَّرَّاءِ

اون کے مالوں اور پھلوں میں کمی — اور سختی و آزار کی گرفت

عَجَبًا لِخَافِیَةٍ غَدَتْ مَخْفِیَّةً — وَبَدَتْ مِنَ الْخَضْرَاءِ وَالْغَبْرَاءِ

عجب اوس نہاں یا عیاں سے کہ پوشیدہ رہی — حالانکہ آسمان و زمین سے ظاہر ہو رہی ہے

اَلطِّفْلُ شَبَّ وَشَابَ وَهُوَ كَمَا بَدَا — یَلْهُوْ وَیَلْعَبُ نَاسِیًا لِلْقَضَاءِ

بچہ جوان ہوا بوڑھا ہوا اور وہ روز اول کی طرح — کھیل کود میں ہے قضا کو بھولا ہوا

عَبْدَ الْغَنِیِّ مَضَیْتَ حِیْنَ قَضَیْتَ — اَلْحُبَّ مِنْ نِكَایَةِ فِتْنَةِ الْخُبَثَاءِ

اے عبد الغنی تم اوس وقت گئے جب اپنی سنت — فتنہ خبیثاں کو زخم پہونچانے کی پوری کر چکے

قَدْ كُنْتَ صَاعِقَةً عَلٰی نَجْدِیِّهِمْ — وَرَزِیَّةَ الْمُرْزَا مَعَ الْمِرْزَائِیْ

تم وہابیوں پر بجلی تھے — اور مرزا اور مرزائی پر مصیبت

بِنَدَا رَسُوْلِ اللّٰهِ فُزْ بِشَفَاعَةٍ — وَجَزَاءُ رَبِّ الْعَرْشِ خَیْرُ جَزَاءٍ

رسول اللہ کے فضل سے شفاعت پاؤ — اور مالک عرش کی جزا سب سے بہتر جزا

یَا مَالِكَ النَّاسِ النَّبِیَّ الْمُصْطَفٰی — اِشْفَعْ لِعَبْدِكَ دَافِعًا لِلْبَلَاءِ

اے تمام آدمیوں کے مالک نبی مصطفےٰ (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) — اپنے بندے کی شفاعت فرمایئے دفع بلا کرتے ہوئے

رَقَمَ الرِّضَا تَارِیْخَهٗ مُتَفَائِلًا

رضا نے فال کے طور پر اوسکی تاریخ لکھی

عَبْدُ الْغَنِیِّ بِجَنَّةٍ عَلْیَاءٍ

عبد الغنی بہشت بریں میں ہیں

۳۸ ھ ۱۳

ڈاکٹر غلام مصطفےٰ خان (سابق صدر شعبۂ اردو سندھ یونیورسٹی جام شورو)

اعلیحضرت مولانا شاہ احمد رضا خاں رح
کی
اردو شاعری

اعلیحضرت مولانا شاہ احمد رضا خان صاحب علیہ الرحمۃ اپنے دور کے بے مثل علماء میں شمار ہوتے ہیں۔ ان کے فضل و کمالات، ذہانت و فطانت طباعی اور دراکی کے سامنے بڑے بڑے علماء، فضلاء، یونیورسٹیوں کے اساتذہ، محققین اور مستشرقین نظروں میں نہیں جچتے۔ مختصر یہ ہے کہ وہ کون سا علم ہے جو انہیں نہیں آتا تھا؟ وہ کون سا فن ہے جس سے وہ واقف نہیں تھے۔ شعر و ادب میں بھی ان کا لوہا ماننا پڑتا ہے اور میرا تو ہمیشہ سے یہ خیال رہا ہے کہ اگر صرف محاورات، مصطلحات، ضرب الامثال میں بھی اور بیان و بدیع کے متعلق تمام الفاظ ان کی جملہ تصانیف کے یکجا کر لیئے جائیں تو ایک ضخیم لغت تیار ہو سکتی ہے ہم یہاں اجمالی طور پر ان کی اردو شاعری کا ذکر کرتے ہیں۔ اعلیحضرت چونکہ عالم متبحر اور فاضل کامل و مکمل تھے اس لیئے ان کی اردو شاعری میں بکثرت قرآنی آیات کے حوالے آتے ہیں مثلاً:-

ورفعنا لک ذکرک کا ہے سایہ تجھ پر
بول بالا ہے ترا ذکر ہے اونچا تیرا

انتم فیہم نے عدو کو بھی لیا دامن میں
عیش جاوید مبارک تجھے شیدائی دوست

وہ خدا نے ہے مرتبہ تجھ کو دیا جو کسی کو ملے نہ کسی کو ملا
کہ کلامِ مجید نے کھائی شہا تیرے شہر و کلام و بقا کی قسم

مجرم بلائے جاتے ہیں جاؤک ہے گواہ
پھر رد ہو کب؟ یہ شان کریموں کے در کی ہے

مومن ہوں، مومنوں پہ رؤف الرحیم ہو
سائل ہوں سائلوں کو خوشی لانہر کی ہے

سَوْفَ يُعْطِيكَ رَبُّكَ فَتَرْضٰى
حق نمودت چہ پاسداریہا

لیلۃ القدر میں مطلع الفجر حق
مانگ کی استقامت پہ لاکھوں سلام

معنی قد رائ مقصد ما طغیٰ
نرگس باغ قدرت پہ لاکھوں سلام

فَاِذَا فَرَغْتَ فَانْصَبْ یہ ملا ہے تجھ کو منصب
جو گدا بنا چکے اب اٹھو وقت بخشش آیا، کرو قسمت عطایا

يُعْجِبُ الزُّرَّاعَ کا لماء المعین
کہ يَغِيظَ الْكُفَّارِيْنَ الظّٰالِمِيْنَ

غنچے ما اوحیٰ کے جو چٹکے دنیٰ کے باغ میں
بلبل سدرہ تک انکی بو سے بھی محرم نہیں

ایسا امّی کس لیئے منّت کشِ استاد ہو
کیا کفایت اسکو اِقْرَاْ رَبُّكَ الْاَكْرَمُ نہیں

رحمۃ للعالمین تیری دہائی دب گیا
اب تو مولیٰ بے طرح سر پر گنہ کا بار ہے

قرآنی آیات کی طرح احادیثِ مبارکہ بھی بہت آتی ہیں مثلاً

ان کے قدم سے سلعۂ غالی ہوئی جناں
واللہ میرے گل سے ہے جاہ و جلالِ گل

نہ عرشِ ایمن نہ اِنّی ذاہبٌ میں مہمانی ہے
نہ لطف اُدنُ یا احمد نصیب لن ترانی ہے

کھُلے کیا رازِ محبوب و محب مستانِ غفلت پر
شراب قد رائی الحق زیبِ جامِ من رّانی ہے

اب ایک ہی زمین کے اشعار میں احادیثِ مبارکہ کا استعمال دیکھئے۔ مثلاً:-

من زار تربتی وجبت لہٗ شفاعتی
ان پر درود جن سے نویدانِ بشر کی ہے

بے ان کے واسطے کے خدا کچھ عطا کرے
حاشا غلط غلط یہ ہوس بے بصر کی ہے

ان کی نبوت ان کی ابوت ہے سبکو عام
اُمّ البشر عروس انہیں کے پسر کی ہے

ظاہر میں میرے پھول حقیقت میں میرے نخل
اس گل کی یاد میں یہ صدا ابو البشر کی ہے

یہ پیاری پیاری کیاری تیرے خانہ باغ کی
سرد اس کی آب و تاب سے آتش سقر کی ہے

کہنا نہ کہنے والے تھے جب سے تو اطلاع
مولیٰ کو قول و قائل و ہر خشک و تر کی ہے

ان پر کتاب اتری بیاناً لکُلِّ شیٔ
تفصیل جس میں ما عبر و ما غبر کی ہے

ہم گردِ کعبہ پھرتے تھے کل تک اور آج وہ
ہم پر نثار ہے یہ ارادت کدھر کی ہے

چھائے ملائکہ ہیں لگاتار ہے درود
بدلے ہیں پہرے بدلی میں بارش دُرُر کی ہے

طیبہ میں مر کے ٹھنڈے چلے جاؤ آنکھیں بند
سیدھی سڑک یہ شہرِ شفاعت نگر کی ہے

ماؤ شما تو کیا کہ خلیلِ جلیل کو
کل دیکھنا کہ ان سے تمنا نظر کی ہے

اعلیحضرت نے تلمیحات بھی بہت استعمال کی ہیں۔ مثلاً ایک ہی غزل میں یہ تلمیحات ملاحظہ ہوں:۔

بندہ ملنے کو قریبِ حضرتِ قادر گیا
لمعۂ باطن میں گمنے جلوۂ ظاہر گیا

تیری مرضی پا گیا سورج پھرا الٹے قدم
تیری انگلی اٹھ گئی مہ کا کلیجا چر گیا

بندھ گئی تیری ہوا ساوہ میں خاک اڑنے لگی
بڑھ چلی تیری ضیاء، آتش پہ پانی پھر گیا

تیری رحمت سے صفی اللہ کا بیڑہ پار تھا
تیرے صدقے سے نجی اللہ کا بجرا تر گیا

تیری آمد تھی کہ بیت اللہ مجرے کو جھکا
تیری ہیبت تھی کہ ہر بُت تھرتھرا کر گر گیا

رحمۃ للعالمین، آفت میں ہوں، کیسی کروں
میرے مولا میں تو اس دل سے بلا میں گھر گیا

ہیں تیرے ہاتھوں کے صدقے کیسی کنکریاں تھیں وہ
جن سے اتنے کافروں کا دفعتہً منہ پھر گیا

کیوں جناب بو ہریرہؓ تھا وہ کیسا جامِ شیر
جس سے ستّر صاحبوں کا دودھ سے منہ پھر گیا

پھر اعلیحضرتؒ کے تبحّر علمی کا تقاضا بھی یہی تھا کہ وہ کوئی ایسی نعت لکھتے جو بے مثل ہوتی۔ چنانچہ ایک نعت انہوں نے صنعتِ ملمع میں لکھی۔ دراصل ملمع اس صنعت کو کہتے ہیں کہ ایک مصرع یا ایک شعر عربی کا ہو اور دوسرا مصرع یا دوسرا شعر فارسی کا ہو۔ اس میں زیادہ سے زیادہ بیں اشعار ہوا کرتے ہیں۔ اس کی دو قسمیں ہیں :-

(۱) ملمع مکشوف یعنی جب ایک مصرع عربی میں اور ایک فارسی میں۔ (۲) ملمع محجوب یعنی جب ایک شعر عربی میں ہو اور دوسرا فارسی میں۔ لیکن اعلیحضرت نے ایسے ملمع میں اشعار لکھے ہیں جن میں عربی، فارسی، ہندی (بھاشا) اور اردو چار زبانوں کے الفاظ ہیں

لم یات نظیرک فی نظرٍ مثل تو نہ شد پیدا جانا
جگ راج کو تاج تورے سر سو ہے تجھ کو شہِ دوسرا جانا

البحر علا والموج طغیٰ من بیکس و طوفاں ہوش ربا
منجدھار میں ہوں بگڑی ہے ہوا موری نیّا پار لگا جانا

یا شمس نظرتِ الیٰ لیلی چو بطیبہ رسی عرضے بکنی
توری جوت کی جھلجھل جگ میں رچی مری شب نے نہ دن ہونا جانا

لک بدرٌ فی الوجہ الاجمل خط ہالۂ مہ زلفِ ابرِ اجل
تورے چندن چندر پرو کنڈل رحمت کی بھرن برسا جانا

انا فی عطش و سخاک اتم اے گیسوئے پاک اے ابرِ کرم
برسن ہارے رم جھم رم جھم دو بوند ادھر بھی گرا جانا

سبحان اللہ کیسے پیارے اشعار ہیں کہ پڑھنے والا جھومنے لگتا ہے۔ یہ کل دس اشعار ہیں اور مقطع یہ ہے :-

بس خامۂ خام نوائے رضؔا نہ یہ طرز مری نہ یہ رنگ مرا
ارشادِ احبّا ناطق تھا ۔ ناچار اس راہ پڑا جانا

اس شعر سے ظاہر ہے کہ عقیدت مندوں کی درخواست پر اعلیٰ حضرت نے یہ ملمع لکھا ہوگا ۔
پھر ایک غزل محاسبۂ نفس کے لیئے ہے اور ایسی مرصع ہے کہ جدید اردو شاعری بھی اس پر ناز کرے گی ۔ اس کے چند اشعار یہ ہیں :۔

سونا جنگل رات اندھیری، چھائی بدلی کالی ہے
سونے والو جاگتے رہیو، چوروں کی رکھوالی ہے

آنکھ سے کاجل صاف اڑا لیں، یاں وہ چور بلا کے ہیں
تیری گٹھری تاکی ہے اور تو نے نیند نکالی ہے

یہ جو تجھ کو بلاتا ہے، یہ ٹھگ ہے مار ہی رکھے گا
ہائے مسافر دم میں نہ آنا مت کیسی متوالی ہے

سونا پاس ہے، سونا بن ہے سونا زہر ہے اٹھ پیارے
تو کہتا ہے نیند ہے میٹھی، تیری مت ہی نرالی ہے

جگنو چمکے، پتا کھڑکے، مجھ تنہا کا دل دھڑکے
ڈر سمجھائے کون پون ہے، یا اگیا بیتالی ہے

بادل گرجے بجلی تڑپے، دھک سے کلیجا ہو جائے
بن میں گھٹا کی بھیانک صورت کیسی کالی کالی ہے

ساتھی ساتھی کہہ کے پکاروں ساتھی ہو تو جواب آئے
پھر جھنجھلا کے سر دے پٹکوں، چل رے مولیٰ والی ہے

پھر پھر کر ہر جانب دیکھوں کوئی آس نہ پاس کوئی
ہاں اک ٹوٹی آس نے ہارے جی سے رفاقت پالی ہے

تم تو عرب کے چاند ہو پیارے، تم تو عجم کے سورج ہو
دیکھو مجھ بیکس پر شب نے کیسی آفت ڈالی ہے

پھر ایک قصیدہ مرصّع بھی ہے جس کے ہر پہلے مصرع کے آخر میں بالترتیب حروف تہجی آتے ہیں۔ مطلع یہ ہے :۔

کعبے کے بدر الدجیٰ تم پہ کروروں درود
طیبہ کے شمس الضحیٰ تم پر کروروں درود

یعنی یہاں پہلے مصرع میں ردلیف سے پہلے الف ہے۔ چند اشعار کے بعد پہلے مصرع کا آخری حرف "ب" آتا ہے۔

ذات ہوئی انتخاب، وصف ہوئے لاجواب
نام ہوا مصطفیٰ تم پر کروروں درود

ایسے دو شعر ہیں۔ پھر "ت" آخری حرف پہلے مصرع میں آتا ہے۔

تم سے جہاں کی حیات تم سے جہاں کا ثبات
اصل سے ہے ظل بندھا تم پر کروروں درود

اسی ترتیب سے اشعار آخر تک آتے ہیں۔

ان کے علاوہ صنعتِ اتصالِ تربیعی، صنعتِ سوال وجواب وغیرہ کا استعمال بھی ہے۔ اور فارسی کی رباعیوں کے قوافی میں بھی حروفِ تہجی کی ترتیب ملحوظ رکھی ہے۔

اعلیٰ حضرتؒ کے شعری محاسن میں زبان و بیان کی بکثرت خصوصیات ہیں۔ یہاں چند خصوصیات اجمالاً عرض کی جاتی ہیں۔ دوسرے مجموعۂ کلام میں تجنیسِ مماثل، تجنیس مستوفی، تجنیس زائد وغیرہ کی بکثرت مثالیں پائی جاتی ہیں۔ ہم آسانی کے لیئے ان مصطلحات کو ترک کر کے صرف اسقدر عرض کریں گے کہ اعلیٰ حضرتؒ الفاظ کی تکرار سے بات سے بات پیدا کر دیتے ہیں۔ مثلاً :۔

واہ کیا جود و کرم ہے شہِ بطحا تیرا
نہیں سنتا ہی نہیں مانگنے والا تیرا

تو ہے سایہ نور کا، ہر عضو ٹکڑا نور کا
سایہ کا سایہ نہ ہوتا ہے نہ سایہ نور کا

جو گدا دیکھو لیئے جاتا ہے توڑا نور کا
نور کی سرکار ہے کیا اس میں توڑا نور کا

مٹ گئے، مٹتے ہیں، مٹ جائیں گے اعداء تیرے
نہ مٹا ہے نہ مٹے گا کبھی چرچا تیرا

میں تو کہا ہی چاہوں کہ بندہ ہوں شاہ کا
پر لطف جب ہے کہہ دیں اگر وہ "جناب" ہوں

ہوئے کم خوابیٔ ہجراں میں ساتوں پردے کمخوابی
تصوّر خوب باندھا آنکھوں نے استادِ تربت کا

بدکار رضا خوش ہو، بد کام بھلے ہوں گے
وہ اچھے میاں پیارا اچھوں کا میاں آیا

تاج والوں کا یہاں خاک پہ ماتھا دیکھا
سارے داراؤں کی دارا ہوئی دارائی دوست

طور پہ کوئی، کوئی چرخ پہ، یہ عرش سے پار
سارے بالاؤں پہ بالا رہی بالائی دوست

محمد صلی اللہ علیہ وسلم برائے جناب الٰہی
جناب الٰہی برائے محمد صلی اللہ علیہ وسلّم

دمِ نزع جاری ہو میری زباں پہ
محمد محمد صلی اللہ علیہ وسلم خدائے محمد صلی اللہ علیہ وسلّم

میں قربان کیا پیاری پیاری ہے نسبت
یہ آنِ خدا وہ خدائے محمد صلی اللہ علیہ وسلم

سرتابقدم ہے تنِ سلطان زمن پھول
لب پھول، دہن پھول، ذقن پھول، بدن پھول

زندان کا نعت خواں ہوں نہ پایاب ہو گی آب
ندی گلے گلے مرے آب گہر کی ہے

اس میں زمزم ہے کہ تھم تھم اس میں جم جم ہے کہ بیش
کثرتِ کوثر میں زمزم کی طرح کم کم نہیں

جنت ہے ان کے جلوے سے جو یائے رنگ و بو
اے گل ہمارے گل سے ہے گل کو سوالِ گل

تیرے بے دام کے بندے ہیں رئیسانِ عجم
تیرے بے دام کے بندی ہیں ہزارانِ عرب (بے قیمت) (غلام)
(بے جال) (قیدی)

دیکھ کے حضرت غنی پھیل پڑے فقیر بھی
چھائی ہے اب تو چھاؤنی حشر ہی آ نہ جائے کیوں

ہے تو رضا نرا ستم جرم پہ گر لجائیں ہم
کوئی بجائے سوزِ غم، سازِ طرب بجائے کیوں

میرے کریم سے گر قطرہ کسی نے مانگا
دریا بہا دیئے ہیں دُر بے بہا دیئے ہیں

پھر اشفاق شبہ اشتقاق، تجنیس مسطرف، تجنیسِ محرف وغیرہ کی بکثرت مثالیں ہیں ہم رعایت لفظی کے ذیل میں انکا ذکر محض سہولت کے لیئے کر دیتے ہیں:۔

یہ کتاب کن میں آیا طرفہ آیۂ نور کا
غیر قائل کچھ نہ سمجھا کوئی معنی نور کا

ابنِ زہرا سے ترے دل میں ہیں یہ زہر بھرے
بل بے او منکرِ ناپاک یہ زہرا تیرا

بڑھا یہ سلسلہ رحمت کا دورِ زلف والا میں
تسلسل کالے کوسوں رہ گیا عصیاں کی ظلمت کا

یہاں پھٹر کا نمکداں مرہم کا نور ہاتھ آیا

دل زخمی نمک پرورہ ہے کس کی ملاحت کا

مشکبو کوچہ یہ کس پھول کا جھاڑا اِن سے

حوریو عنبر سارا ہوئے سارے گیسو!

سونا پاس ہے سونا بن ہے سونا زہر ہے اٹھ پیارے

تو کہتا نیند ہے میٹھی تیری مت ہی نرالی ہے

تف بجذبیت، نہ کفر نہ اسلام سب پہ حرف

کافر ادھر کی ہے نہ اُدھر کی، اِدھر کی ہے

مدینہ جانِ جہاں و جہاں ہے وہ سُن لیں

جنہیں جنونِ جناں سوئے داغ لے کے چلے

پھر ایک جگہ تو لفظ کی رعایت سے کتنے مضامین تیار کیے ہیں۔ فرماتے ہیں:۔

ہم خاک ہیں اور خاک ہی ماوا ہے ہمارا

خاکی تو وہ آدم جدِّ اعلیٰ ہے ہمارا

اللہ ہمیں خاک کرے اپنی طلب میں

یہ خاک تو سرکار سے تمغہ ہے ہمارا

جس خاک پہ رکھتے تھے قدم سیدِ عالم

اس خاک پہ قرباں دلِ شیدا ہے ہمارا

اس نے لقب خاک شہنشاہ سے پایا

جو حیدرِ کرار کہ مولیٰ ہے ہمارا

اے مدعیو! خاک کو تم خاک نہ سمجھے

اس خاک میں مدفون شہِ بطحا ہے ہمارا

ہے خاک سے تعمیر مزارِ شہِ کونین

معمور اسی خاک سے قبلہ ہے ہمارا

ہم خاک اڑائیں گے جو وہ خاک نہ پائی
آباد رضا جس پہ مدینہ ہے ہمارا

حسن تعلیل کی بڑی نادر مثالیں ملتی ہیں مثلاً :-

نہ ہو آقا کو سجدہ، آدم و یوسف کو سجدہ ہو
مگر سدِّ ذرائع داب ہے اپنی شریعت کا

مہر کس منہ سے جلو داریٔ جاناں کرتا
سایہ کے نام سے بیزار ہے یکتائی دوست

ڈوبا ہوا ہے شوق میں زمزم اور آنکھ سے
جھالے برس رہے ہیں یہ حسرت کدھر کی ہے

دیکھو قرآن میں شبِ قدر ہے مطلعِ فجر
یعنی نزدیک ہیں عارض کے وہ پیارے گیسو

چور حاکم سے چھپا کرتے ہیں، یاں اسکے خلاف
تیرے دامن میں چھپے چور انوکھا تیرا

شرم سے جھکتی ہے محراب کہ ساجد ہیں حضورؐ
سجدہ کرواتی ہے کعبہ سے جبینِ سائی دوست

یہ ان کے جلوے نے کیں گرمیاں شبِ اسریٰ
کہ جب سے چرخ میں ہیں نقرہ و طلائے فلک

لف ونشر کی عمدہ مثالیں بھی پائی جاتی ہیں مثلاً :-

دل بستہ، بے قرار، جگر چاک، اشکبار
غنچہ ہوں، گل ہوں، برقِ تپاں ہوں، سحاب ہوں

دنداں و لب و زلف و رخِ شہ کے فدائی
ہیں درِّ عدن، لعلِ یمن، مشکِ ختن، پھول

ہیں چتر و تخت، سایۂ دیوار و خاکِ در
شاہوں کو کب نصیب یہ دھج کر و فر کی ہے

آپ نے اس کثرت سے محاورات اور استعارات استعمال کیئے ہیں کہ ان سب کو جمع کیا جائے تو ایک لغت تیار ہو سکتی ہے۔ دیکھیئے صرف قصیدے کے اشعار میں کتنے محاورات ہیں:-

دھارے چلتے ہیں عطا کے وہ ہے قطرہ تیرا
تارے کھلتے ہیں سخا کے وہ ہے ذرّہ تیرا

اغنیا پلتے ہیں در سے وہ ہے باڑا تیرا
اصفیا چلتے ہیں سر سے وہ ہے رستہ تیرا

فرش والے تیری شوکت کا علو کیا جانیں
خسروا عرش پہ اڑتا ہے پھریرا تیرا

تیرے قدموں میں جو ہیں غیر کا منہ کیا دیکھیں
کون نظروں پہ چڑھے دیکھ کے تلوا تیرا

آنکھیں ٹھنڈی ہوں جگر تازے ہوں جانیں سیراب
سچے سورج وہ دل آرا ہے اجالا تیرا

دل عبث خوف سے پتّا سا اڑا جاتا ہے
پلّہ ہلکا سہی بھاری ہے بھروسہ تیرا

ایک میں کیا، میرے عصیاں کی حقیقت کتنی
مجھ سے سو لاکھ کو کافی ہے اشارہ تیرا

مفت پالا تھا کبھی کام کی عادت نہ پڑی
اب عمل پوچھتے ہیں ہائے نکما تیرا

تیرے ٹکڑوں سے پلے غیر کی ٹھوکر پہ نہ ڈال
جھڑکیاں کھائیں کہاں چھوڑ کے صدقہ تیرا

میری تقدیر بُری ہو تو بھلی کر دے کہ ہے
محو و اثبات کے دفتر پہ کرڑا تیرا

تو جو چاہے تو ابھی میل میرے دل کے دھلیں
کہ خدا دل نہیں کرتا کبھی میلا تیرا

کس کا منہ تکئے، کہاں جائیے، کس سے کہیئے
تیرے ہی قدموں پہ مٹ جائے یہ پالا تیرا

تو نے اسلام دیا، تو نے جماعت میں لیا
تو کریم، اب کوئی پھرتا ہے عطیہ تیرا

موت سنتا ہوں ستم، تلخ ہے زہرابۂ ناب
کون لادے مجھے تلووں کا غسالہ تیرا

تیرے صدقے مجھے اک بوند بہت ہے تیری
جس دن اچھوں کو ملے جام چھلکتا تیرا

حرم و طیبہ و بغداد جدھر کیجئے نگاہ
جوت پڑتی ہے تری، نور ہے چھنتا تیرا

اس کے بعد حضرت غوث اعظم رضی اللہ تعالے عنہ کو خطاب ہے اور اس منقبت میں بکثرت محاورات ہیں۔ ایک اور مشہور قصیدہ ہے جس میں بکثرت محاورات مستعمل ہیں کچھ اشعار یہ ہیں:۔

صبح طیبہ میں ہوئی بٹتا ہے باڑا نور کا
صدقہ لینے نور کا آیا ہے تارا نور کا

باغِ طیبہ میں سہانا پھول پھولا نور کا
مست بو ہیں بلبلیں پڑھتی ہیں کلمہ نور کا

تیرے ہی ماتھے رہا اے جان سہرا نور کا
بخت جاگا نور کا چمکا ستارہ نور کا

تاج والے دیکھ کر تیرا عمامہ نور کا
سر جھکاتے ہیں الٰہی بول بالا نور کا
بینیٔ پُر نور پر رخشاں ہے بُکہ نور کا
ہے لواء الحمد پر اڑتا پھریرا نور کا
مصحفِ عارض پہ ہے خط شفیعا نور کا
لو سیہ کارو مبارک ہو قبالہ نور کا
آبِ زر بنتا ہے عارض پر پسینا نور کا
مصحفِ اعجاز پر چڑھتا ہے سونا نور کا
تیرے آگے خاک پر جھکتا ہے ماتھا نور کا
نور نے پایا تیرے سجدے سے سیما نور کا
تو ہے سایہ نور کا ہر عضو ٹکڑا نور کا
سایہ کا سایہ نہ ہوتا ہے نہ سایہ نور کا
کیا بنا نام خدا اسریٰ کا دولہا نور کا
سر پہ سہرا نور کا، بر میں شہانہ نور کا
صبح کردی کفر کی، سچّا تھا مژدہ نور کا
شام ہی سے تھا شبِ تیرہ کو دھڑکا نور کا
نسخ ادیاں کر کے خود قبضہ بٹھایا نور کا
تاجور نے کرلیا کچا علاقہ نور کا
بھیک لے سرکار سے لا جلد کاسہ نور کا
ماہِ نو، طیبہ میں بٹتا ہے مہینہ نور کا
یاں بھی داغِ سجدۂ طیبہ ہے تمغا نور کا
اے قمر! کیا تیرے ہی ماتھے ہے ٹیکا نور کا

شمع ماہ ایک ایک پہ دانہ ہے اس بالنور کا
نورِ حق سے لَو لگائے . دلمیں رشتہ نور کا

کس کے پردے نے کیا آئینہ اندھا نور کا
مانگتا پھرتا ہے آنکھیں ہر نگینہ نور کا

آنکھ مل سکتی نہیں در پر ہے پہرہ نور کا
تاب ہے بے حکم پر مارے پرندہ نور کا

سبزہ گردوں جھکا تھا بہر پا بوسِ براق
پھر نہ سیدھا ہو سکا کھایا وہ کوڑا نور کا

تابِ سم سے چندھیا کر چاند انہیں قدموں پھرا
ہنس کے بجلی نے کہا دیکھا چھلاوا نور کا

عکسِ سم نے چاند سورج کو لگائے چار چاند
پڑ گیا سیم و زرِ گردوں پہ سکّہ نور کا

چاند جھک جاتا جدھر انگلی اٹھاتے مہد میں
کیا ہی چلتا تھا اشاروں پر کھلونا نور کا

محاورات کی چند اور مثالیں ملاحظہ ہوں:۔
گردنیں جھک گئیں، سر بچھ گئے، دل ٹوٹ گئے
کشف ساق آج کہاں، یہ تو قدم تھا تیرا

شاخ پر بیٹھ کے جڑ کاٹنے کی فکر میں ہے
کہیں نیچا نہ دکھائے تجھے شجرہ تیرا

گنہ مغفور، دل روشن، خنک آنکھیں، جگر ٹھنڈا
تعالیٰ اللہ ماہِ طیبہ عالم تیری طلعت کا

بندھ گئی تیری ہوا، ساوہ میں خاک اڑنے لگی
خضر کی جاں ہو، جلا دو ماہیانِ سوختہ

شب بھر سونے کی غرض تھی

تاروں نے ہزار دانت پیسے

اے عشق! تیرے صدقے، جلنے سے چھٹے کیسے

جو آگ بجھا دے گی، وہ آگ لگائی ہے

آنسو بہا کے بہہ گئے کالے گنہ کے ڈھیر

ہاتھی ڈباؤ جھیل یہاں چشم تر کی ہے

بھینی سہانی صبح میں ٹھنڈک جگر کی ہے

کلیاں کھلیں دلوں کی، ہوا یہ کدھر کی ہے

اے دل! یہ سلگنا کیا؟ جلنا ہے تو جل بھی اُٹھ

دم گھٹنے لگا ظالم، کیا دھونی رمائی ہے

اعلیٰ حضرت کی شاعری کی یہ چند خصوصیات عرض کی گئیں۔ اگر مزید غور کیا جائے تو اور بھی محاسن نظر آئیں گے لیکن ان تمام محاسن پر غالب ایک چیز ہے اور وہ عشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم۔ ان کی تعلیم اور ان کا پیام بھی صرف یہی ہے:۔

ٹھوکریں کھاتے پھرو گے ان کے در پر پڑ رہو

قافلہ تو اے رضاؔ اوّل گیا آخر گیا

پھر کس بے قراری سے یہ شعر صفحہ قرطاس پر آیا ہے:۔

جان و دل، ہوش و خرد، سب تو مدینہ پہنچے

تم نہیں چلتے رضاؔ سارا تو سامان گیا

قطعہ تاریخ انطباع کتاب مستطاب (دولت مکیہ)

مؤلفہ:- عالیجناب مجدد لاثانی مولوی احمد رضا خانصاحب دام اللہ دافتہ

درصنعت توشیح کہ دو دو حرف از اوّل و آخر ہر مصرع سنین مختلفہ مے برآیند و مصرعۂ آخر سنہ ہجریہ

از فقیر احقر غلام حیدر غفرلہٗ مہاجر و خادم بجوار (یعنے سمت و فصلی عیسوی و بنگلہ)

روضۂ اطہر حضرت حبیب خدا صلی اللہ علیہ وسلم

۴۶	مولوی احمد رضا خان قدوۂ ارباب علم	۷۰	۷۱	عاشقِ ذاتِ محمد عارفِ نورِ خدا	۵
۳۰۱	شاہِ اقلیمِ کمال و ماہِ گردونِ جمال	۳۱	۴۵	مہرِ گردونِ شریعت قطبِ اوجِ اصطفا	۸۱
۹۴۰	مظہرِ علمِ رسولؐ و مخزنِ فرع و اصول	۳۶	۶۶۰	خسروِ ملکِ ہدایت سالکِ راہِ بقا	۱۰۱
۸۱	آفتابِ دین و ملت ماہِ اوجِ مرحمت	۴۴	۲۱	کامیاب از فیضِ احمد مصدرِ جود و سخا	۶۰۱
۴۰	مرجع اہلِ بصیرت منبعِ جوی شرف	۸۰	۴۶	موردِ اسرارِ مولا مخزنِ نقد و وفا	۸۱
۲۴۰	کرد ثابت علمِ غیب صاحبِ لولاک را	۲۰۱	۱۰۰۱	غالب آمد بر گروہِ منکرِ خیر الوریٰ	۲۰۱
۵	داد اہلِ سنت حق را فیوضش سروری	۲۱۰	۱۱	زہدِ او در دین و دنیا فیض بخش آمد مرا	۲۰۱
۳۵	ہیچ ہای این رسالہ دیدم و گفتم بہ کہ	۴۲	۴۷	مزد چون خواہی نشد چون سالِ طبعش از تو وا	۷
۱۰۰	گفت ہاتف سالِ زیبا حیدرِ قربان بگو	۲۶	۱۰	دولت مکیہ سانہ دولتِ دارین ما	۴۱
سمت ۱۹۶۸		۱۳۱۸ ف	۱۹۱۱ ع	۲۹ ۲۵ ۱۳	۱۳۱۹ بنگلہ

سید ریاست علی قادری

امام احمد رضاؒ

اردو کے صاحبِ طرز انشاء پرداز

امام احمد رضا قدس سرہٗ چودھویں صدی کے جلیل القدر عالم، عظیم المرتبت مفتی، بلند پایہ مصنف، دیدہ ور سیاستدان، صاحبِ بصیرت سائنس دان، لائق دقائق نکتہ داں، باکمال شاعر اور ایک صاحبِ طرز انشاپرداز ادیب تھے۔ انہیں اردو، ہندی، فارسی اور عربی نظم و نثر پر یکساں عبور تھا۔ بلاشبہ علم و فن میں ان کے معاصرین میں ان کا کوئی ہم پلّہ نہ تھا اور کثرتِ علوم پر اُن کو جو مہارت حاصل تھی اس کی نظیر اُن کے عہد میں تو کیا ماضی میں بھی شاذ ہی نظر آتی ہے۔

امام احمد رضا جیسی نابغۂ روزگار ہستیاں صدیوں بعد منصّۂ شہود پر جلوہ آرا ہوتی ہیں۔ ان کی شخصیت جامع علوم و جامع صفات تھی۔ وہ دنیائے اسلام کے ایک فقید المثال محقق اور عدیم المثال فقیہہ تھے۔ ان کی ذات علم و فن کا ایک ایسا منارۂ نور تھی جس کی ہر شعاع ظلمتوں میں گھرے ہوئے اور راہِ حق سے بھٹکے ہوئے انسانوں کے لیئے تسکینِ قلب و جاں تھی۔

امام احمد رضاؒ پچپن علوم و فنون پر نہ صرف عبور رکھتے تھے بلکہ انھوں نے علم و فن کی ہر صنف پر بے شمار کتابیں تحریر فرمائیں۔ اُن کی کتب کا مطالعہ کرنے سے اندازہ ہوتا ہے کہ وہ ہر موضوع پر ادیبانہ اسلوبِ نگارش اختیار کرنے پر کتنی قدرت رکھتے تھے۔ ادب و شاعری میں اُن کا مقام صفِ اوّل کے شہ سواروں میں ہوتا ہے۔ ان کی ادبی خدمات سے کسی طرح صرفِ نظر نہیں کیا جاسکتا۔ وہ ایک کہنہ مشق ادیب اور بے باک قلمکار تھے۔ ان کی تحریروں میں بلا کی سلاست اور روانی پائی جاتی ہے۔ ان میں جگہ جگہ ایسے ادبی شہ پارے نظر آتے ہیں

کہ طبیعت جھوم جھوم اٹھتی ہے۔ اُن کا حسین اندازِ بیاں، زبان کی چستگی و ٹھہراؤ۔ برمحل شیریں الفاظ کا در و لبست، استعارات کی جودت، طرزِ ادا میں نفاست، جذبات میں خلوص، ادائیگیٔ بیان میں مہارت، فکر میں گہرائی، اظہار میں بے ساختگی اور رفعت، خیالوں میں شادابی و طہارت، ان ہی عناصر کے امتزاج سے وہ اپنی تحریروں کے چہرہ کا غازہ تیار کرتے تھے۔ سرعتِ نگارش کا یہ عالم تھا کہ ایک ہی نشست میں پورا رسالہ قلمبند کر لیتے۔ نفسِ موضوع اور بندشِ الفاظ پر ایسی قدرت کہ ایک دفعہ کے لکھے ہوئے جملے کو قلمزد کرنے کی نوبت نہ آتی۔ امام احمد رضا کی تصانیف کا اگر بنظرِ غائر مطالعہ کیا جائے تو بے شمار ادبی شہ پارے مل جائیں گے جن سے ایک ضخیم کتاب مدوّن ہو سکتی ہے۔ اس مضمون میں امام احمد رضاؒ کی چند کتب سے مختلف موضوع پر چیدہ ادبی شہ پارے پیش کیے جا رہے ہیں تاکہ ناظرین امام احمد رضا کے بیان و زبان اور اُن کے ادیبانہ فیوض سے بہرہ ور ہو سکیں۔ یہ ادبی شہ پارے اردو ادب میں قابلِ قدر اضافہ ہی نہیں بلکہ اس کا ایک انمول سرمایہ بھی ہیں۔

(۱)

مولانا احمد رضا خاں نے ان لوگوں کے خلاف رسالہ "مقال العرفاء باعزاز شرع و علماء" (۱۳۲۷ھ) تحریر فرمایا جو شریعت اور طریقت کو علیحدہ تصوّر کرتے ہیں۔ اور جن کے نزدیک اہلِ طریقت کو شریعت کی حاجت نہیں۔ اس رسالے میں ایک جگہ تحریر فرماتے ہیں:۔

(الف)

"شریعت اصل ہے اور طریقت اس کی فرع، شریعت منبع ہے اور طریقت اُس سے نکلا ہوا دریا۔ طریقت کی جدائی شریعت سے محال و دشوار ہے۔ شریعت پر ہی طریقت کا دار و مدار ہے، شریعت ہی اصل کار ہے، شریعت ہی مناط و مدار ہے، شریعت ہی محک و معیار ہے۔"

"مقال العرفاء" میں ایک اور جگہ فرماتے ہیں:۔

(ب)

"شریعت عمارت ہے۔ اس کا اعتقاد بنیاد اور عمل چنائی۔ پھر اعمالِ ظاہر وہ دیوار ہیں

کہ اس بنیاد پر ہوائیں چُننے گئے، اور جب تعمیر بڑھکر آسمانوں تک پہنچی وہ طریقت ہے۔ دیوار جتنی اونچی ہوگی نیو کی زیادہ محتاج ہوگی اور نہ صرف نیو بلکہ اعلیٰ حصّہ اسفل حصے کا بھی محتاج ہے اگر دیوار نیچے سے خالی کردی جائے اوپر سے بھی گر پڑے گی۔ احمق وہ جس پر شیطان نے نظر بندی کرکے اس کی چُنائی آسمانوں تک دکھائی اور دل میں ڈالا کہ اب ہم تو زمین کے دائرے سے اونچے گزر گئے، ہمیں اس سے تعلق کی کیا حاجت ہے؟ نیو سے دیوار جدا کرلی اور نتیجہ وہ ہوا جو قرآنِ عظیم نے فرمایا۔" فانھاربہ فی نارِ جھنّم"۔

(۲)

مولانا احمد رضا خاں نے سرورِ دوعالم صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم یعنی کشتیٔ اُمت کے ناخدا، وہ مَا کَانَ وَمَا یَکُوْنُ کے عالم ہیں اور انہیں مصیبت میں پکارنا، مشکل کشا و حاجت روا جاننا درست ہے، اس پر ایک رسالہ" انباء المصطفےٰ بحال سرّ واخفیٰ" (۱۳۲۰ھ) تحریر فرمایا۔ کتاب کے آخری صفحہ پر تحریر فرماتے ہیں:۔

(الف)

حضرات مخالفین سے بھی گزارش ہے کہ اگر توفیقِ الٰہی مساعدت کرے، یہی حرفِ مختصر ہدایت کرے۔ تو ازیں چہ بہتر۔ ورنہ اگر بوجہ کوتاہی فہم وغلبۂ وہم وقلتِ تدرّب وشدّتِ تعصّب اپنی تمام جہالاتِ فاحشہ کی پردہ دری ان مختصر سطور میں نہ دیکھ سکیں۔ تو اسی مہرِ جہانتاب کا انتظار رکھیں جو بعنایتِ الٰہی و اعانتِ رسالت پناہی صلی اللہ علیہ وسلم ان تمام ظلمتوں کی صبح کردے گا، ان کا ہر کاسۂ سوال آبِ زلالِ ردو البطال سے بھردے گا۔ کیا فائدہ کہ اس وقت آپ کی خوابِ غفلت کچھ ہذیانات کا رنگ دکھائے اور وہ جب صبحِ ہدایت افقِ سعادت سے طالع ہو تو کھُل جائے کہ:۔ ع

ع   خواب تھا جو کچھ کہ دیکھا جو سُنا افسانہ تھا۔

معہذا طائفۂ ارانب وثعالب کو یہی مناسب کہ جب شیرِ ژیاں کو چہل قدمی کرتا دیکھ لیں۔ سامنے سے ٹل جائیں۔ اپنے اپنے سوراخوں میں جان چھپائیں ——— نہ یہ کہ اُس وقت اُس کے خرامِ نرم پر غرّہ ہوکر غرّائیں ——— اس کی آتشِ غضب بھڑکائیں ———

اپنی موت اپنے منہ بلائیں۔

ع نصیحت گوش کن جاناں کہ از جاں دوستر خواہند
شغالانِ ہنر سمیت مند خشمِ شیر ہیجا را

اس کتاب میں ایک اور موقع پر اُن نامرادوں کی خبر لیتے ہیں جن کا کام ہی حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے علم کو گھٹانا ہے۔

(ب)

"افسوس اسی منہ سے مقامِ مقامِ اعتقادیات بتانا، احادیثِ صحاح بھی نامقبول ٹھہرانا، اسی منہ سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے علمِ عظیم گھٹا کر ایسی بے اصل حکایت سے سند لانا اور ملمع کاری کے لیے شیخ کا نام لکھ جانا جو صراحۃً فرما رہے ہیں کہ اس حکایت کی جڑ نہ بنیاد، اب اس کے سوا کیا کہیئے کہ ایسوں کی داد نہ فریاد ——— اللہ اللہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے مناقب عظیمہ اور باب فضائل سے نکلوا کر اس تنگنائے میں داخل کرائیں ——— تاکہ صحیحین بخاری و مُسلم کی حدیثیں بھی مردود بنائیں ——— اور حضور کی تنقیص شان میں یہ فراخی دکھائیں ——— کہ بے اصل بے سند مقولے سب سما جائیں ——— ع حال ایمان کا معلوم ہے بس جانے دو۔

(۳)

"الامن والعلیٰ" ۱۳۱۱ھ مولانا احمد رضا خان کی بہت ہی بلند پایہ تصنیف ہے جس کے حوالے انہوں نے جا بجا اپنی کتابوں میں تحریر فرمائے ہیں۔ ذیل کی ایک مختصر تحریر جامع اور دلنشیں ہونے کے ساتھ ساتھ مدلّل بھی ہے۔ فرماتے ہیں۔

(الف)

"اللہ اللہ اس حدیثِ صحیح کے پچھلے جُملے نے پھر وصلِ اوّل احادیثِ متعلقہ محبوب اجمل صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی آتشِ شوق سینے میں بھڑکا دی۔ کتّا اپنے پیارے آقا و مہربان مولیٰ کا دروازہ چھوڑ کر کہاں جائے۔ ہر پھر کر دہیں کا رہا چاہے بلکہ واللہ یہ کتّا اپنے پیارے کریم مالک کے در سے ہٹا ہی نہیں۔ انبیاء کے دروازے پر جائے تو انہیں کا گھر ہے ——— اولیاء کے یہاں آئے تو

انہیں کا در ہے ـــــــ ملائکہ کی منزلوں پر گزرے تو انہیں کا نگر ہے

"کوئی اور اُن کے سوا کہاں، وہ اگر نہیں تو جہاں نہیں۔"

اسی کتاب میں ایک اور موقع پر مسلمانانِ اہلسنت کو تلقین فرماتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:۔

(ب)

"زید بقید کے ایسے کلمات کچھ محلِ تعجب نہیں کہ مذہب وہابیہ کی تباہی حتی الامکان حضور سیدالانس والجان علیہ وعلیٰ آلہ افضل الصلوٰۃ والسلام کے ذکر شریف مٹانے اور محبوبانِ خدا جل وعلا وعلیہم الصلوٰۃ والثناء کی تعظیم قلوبِ مسلمین سے گھٹانے پر ہے۔ وَسَیَعْلَمُ الَّذِیْنَ ظَلَمُوْٓا اَیَّ مُنْقَلَبٍ یَّنْقَلِبُوْنَ۔ مگر تعجب ان مسلمانانِ اہلسنت سے ہے کہ ایسے ناپاک اقوال پر کان دھریں۔ بہت کان کھانے والے دنیا میں ہوئے اور ہوتے رہیں گے۔ مسلمان صحیح العقیدہ اُن کی طرف التفات ہی کیوں کریں۔ ایسوں کا علاج حضور میں خاموشی ـــــــ اور غیبت میں فراموشی ـــــــ اور اٹھتے بیٹھتے ہر وقت ہر حال اپنے محبوبِ بے مثال صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم کے ذکرِ پاک کی زیادہ گرم جوشی ـــــــ کہ مخالف خود ہی اپنی آگ میں جل بجھیں گے۔"

(۴)

مولانا احمد رضا خاںؒ نے "الکوکبتہ الشہابیہ علیٰ کفریات ابی الوہابیہ" (۱۳۱۲ھ) مولانا مولوی محمد فضل المجید صاحب قادری فاروقی بدایونی کے لیئے تحریر فرمائی۔ مولانا مولوی محمد فضل المجید صاحب نے دریافت کیا کہ وہابیہ غیر مقلدین جو تقلید ائمہ اربعہ کو شرک کہتے ہیں۔ جس مسلمان کو مقلد دیکھیں مشرک بتاتے ہیں۔ اس کے جواب میں فاضل بریلویؒ نے ۷۰ صفحات پہ مشتمل جواب تحریر فرمایا۔ مندرجہ ذیل پیراگراف مذکورہ کتاب سے نقل ہے جو یقیناً ایک ادبی شہ پارہ کہلانے کا مستحق ہے۔

"وائے بے انصافی! اگر کوئی تمہارے باپ کو گالی دے اس کے خون کے پیاسے رہو، صورت دیکھنے کے روادار نہ ہو۔ بس پاؤ تو کچا نگل جاؤ ـــــــ وہاں نہ تاویلیں نکالو، نہ سیدھی بات ہیر پھیر میں ڈالو ـــــــ اور محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم کی نسبت وہ کچھ سنو اور آنکھ میلی نہ کرو بلکہ اس کی امامت پیشوائی کا دم بھرو، ولی جانو، امام مانو ـــــــ جو اسے برا کہے الٹی

اُس سے دشمنی ٹھالو ـــــ بدلگام کی بات میں سو سو طرح کے پیچ نکالو ـــــ رنگ رنگ کی تاویلیں ڈھالو ـــــ جیسے بنے اُس کی بگڑی سنبھالو ـــــ اس کی حمایت میں عظمتِ مصطفٰے صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم کو پسِ پشت ڈالو۔ یہ کیسا ایمان ہے؟ کیسا اسلام ہے؟ کیسا اسلام اسی کا نام ہے؟

(۵)

مولانا احمد رضا خاںؒ نے "تمہید ایمان" (۱۳۲۶ھ) نامی رسالے میں قرآن و احادیث و تصریحاتِ ائمۂ دین کی روشنی میں کفر اور اسلام کی حدوں کو متعین فرما دیا ہے اور بتا دیا ہے کہ جو لوگ سرے سے عقائد کے معاملے میں آزاد خیالی کو رواج دینا چاہتے ہیں وہ حقیقت میں دین کے دشمن ہیں۔ زیرِ نظر تحریر "تمہیدِ ایمان" سے لی گئی ہے۔

(الف)

حاشا۔ للہ! مسلمانوں کا علاقہ محبت و عداوت صرف محبت و عداوتِ خدا و رسول ہے۔ جب تک ان دشنام دہوں سے دشنام صادر نہ ہوئی یا اللہ و رسول کی جناب میں ان کی دشنام نہ دیکھی سنی تھی اُس وقت تک کلمہ گوئی کا پاس لازم تھا۔ غایت احتیاط سے کام لیا۔ حتیٰ کہ فقہائے کرام کے حکم سے طرح طرح اُن پر کفر لازم تھا مگر احتیاطاً اُن کا ساتھ نہ دیا اور متکلمین عظام کا مسلک اختیار کیا۔ جب صاف صریح انکار ضروریاتِ دین و دشنام دہی ربُّ العالمین و سیّدالمرسلین صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم اجمعین آنکھ سے دیکھی تو اب بے تکفیر چارہ نہ تھا کہ اکابر ائمۂ دین کی تصریحیں سُن چکے کہ "من شك فی عذابه وکفره فقد کفر" جو ایسے کے معذب و کافر ہونے میں شک کرے خود کافر ہے۔" اپنا اور اپنے دینی بھائیوں، عوام اہلِ سنّت کا ایمان بچانا ضروری تھا۔ لاجرم حکمِ کفر دیا اور شائع کیا۔ وَذٰلِكَ جَزٰٓؤُا الظّٰلِمِیْنَ ۞"

اسی "تمہیدِ ایمان" میں ایک اور موقع پر تحریر فرماتے ہیں:۔

(ب)

"ابھی قرآن و حدیث ارشاد فرما چکے ہیں کہ ایمان کے حقیقی و واقعی ہونے کو دو باتیں ضرور ہیں۔ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت تمام جہانوں پر تقدیم۔ تو اس کی آزمائش کا یہ صریح طریقہ ہے کہ تم جن لوگوں سے کیسی ہی تعظیم، کتنی ہی عقیدت، کتنی ہی دوستی، کیسی ہی محبت کا علاقہ ہو، جیسے تمہارے باپ۔ تمہارے استاد، تمہارے پیر، تمہاری اولاد، تمہارے بھائی، تمہارے احباب، تمہارے بڑے، تمہارے اصحاب، تمہارے مولوی، تمہارے حافظ، تمہارے مفتی، تمہارے واعظ وغیرہ وغیرہ کسے باشد جب وہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شانِ اقدس میں گستاخی کریں اصلاً تمہارے قلب میں اُن کی عظمت، اُن کی محبت کا نام و نشان نہ رہے۔ فوراً اُن سے الگ ہو جاؤ ـــــ دودھ سے مکھی کی طرح نکال کر پھینک دو، اُن کی صورت۔ ان کے نام سے نفرت کھاؤ ـــــ پھر نہ تم اپنے رشتے، علاقے، دوستی، الفت کا پاس کرو، نہ اس کی مولویت، مشیخت، بزرگی، فضیلت کو خاطر میں لاؤ ـــــ کہ آخر یہ جو کچھ تھا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی غلامی کی بناء پر تھا۔

(۶)

مولانا احمد رضا خان نے علم و فن کا شاید ہی کوئی شعبہ ایسا ہو جس پر نہ لکھا ہو۔ "تقدیر اور تدبیر" کے موضوع پر آپ کا رسالہ "تجلیّ الصدر الایمان القدر" (۱۳۲۵ھ) اپنی نظیر آپ ہے اس میں ایک جگہ فرماتے ہیں:۔

"اسی تحریر میں کہ فقیر نے پندرہ آیتیں اور پینتیس حدیثیں جملہ پچاس نصوص ذکر کیے اور صدہا بلکہ ہزارہا کے پتے دیئے۔ یہ کیا تھوڑے ہیں؟ انہیں سے ثابت ہے کہ انکارِ تدبیر کس قدر اعلیٰ درجہ کی حماقت، اخبث الامراض ـــــ اور قرآن و حدیث سے صریح اعراض ـــــ اور خدا و رسول پر کھلا اعتراض ـــــ ولا حول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم۔

۳

(۷)

"تجلی الیقین" (۱۳۰۵ھ) مولانا احمد رضا خاں کی ایک نادرہ روزگار تصنیف ہے۔ پیش نظر شہ پارہ اسی میں سے لیا گیا ہے :-

"حضور پر نور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا افضل المرسلین و سید الاولین و الآخرین ہونا قطعی ایمانی، یقینی، اذعانی، اجماعی، ایقانی مسئلہ ہے جس میں خلاف نہ کریگا مگر گمراہ و بد دین، بندۂ شیطان والعیاذ باللہ رب العالمین۔ کلمہ پڑھ کر اس میں شک عجب ہے ــــــ آج نہ کھلا تو کل قریب ہے جس دن تمام مخلوق کو جمع فرمائیں گے ــــــ سارے مجمع کا دولہا حضور کو بنائیں گے۔ انبیائے جلیل تا حضرت خلیل سب حضور ہی کے نیازمند ہوں گے ــــــ موافق و مخالف کی حاجتوں کے ہاتھ انہیں کی جانب بلند ہوں گے۔ انہیں کی حمد کا ڈنکا ہو گا جو آج بیاں ہے ــــــ کل عیاں ہے۔ اس دن جو مومن و مقر ہیں نور بار عشرتوں سے شادیاں رچائیں گے ــــــ اور جو مبطل و منکر ہیں دلفگار حسرتوں سے ہاتھ چبائیں گے۔

(۸)

مولانا احمد رضا خاں نے اپنے ایک رسالے "منیر العین" (۱۳۰۱ھ) میں تقویۃ الایمان پر تنقید کرتے ہوئے تحریر فرمایا :-

(الف)

"وہابیت کا پھاگ، نجدیت کی ہولی، شرک کا رنگ، تقویۃ الایمان کی پچکاری ہے ــــــ زور گھنگھور، شترئوں کا شور، سارا جہاں شرابور، پر نوکی تیدنہ اماوس پہ چھور، یہ انوکھا پھاگن بارہ ماس جاری ہے۔

ع اشراک بمذہبی کہ تاحق برسد
مذہب معلوم و اہل مذہب معلوم

"منیر العین" ہی میں ایک جگہ تحریر فرماتے ہیں :-

(ب)

"شاہ صاحب اور اُن کے والدِ ماجد و فرزندِ ارجمند و اساتذہ و مشائخ معاذ اللہ بدعتی کیوں نہ قرار پائے۔ یہ سب تو بے سند ضلال و نقائص اعمال مگر اذان میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا نامِ پاک سُن کر انگوٹھے چومنا، آنکھوں سے لگانا، اُس سے روشنیٔ بصر کی امید رکھنا کہ اکابرِ سلف سے ماثور ـــــ علماء و صلحاء کا دستور ـــــ کتبِ فقہ میں مسطور۔ یہ معاذ اللہ! حرام و وبال و موجبِ ضلال تو کیا بات۔ یہاں نامِ پاک حضور سید المحبوبین صلی اللہ علیہ وسلم درمیان ہے۔ لہٰذا وہ دلوں کی دبی آگ کو بحیلۂ بدعت شعلہ فشاں ہے۔

ع بہر رنگے کہ خواہی جامہ مے پوش

من اندازِ قدرت را مے شناسم

(۹)

رسالہ "اعتقاد الاحباب فی الجمیل والمصطفٰے والآل والاصحاب" ۱۲۹۸ھ مولانا احمد رضا خان کی نادر روزگار تصنیفِ لطیف ہے۔ وہ ایک عاشقِ رسول تھے۔ ایک عاشقِ صادق کہ جنہوں نے ہمیں صحابۂ کرام کے اس عقیدے اور ایمان سے روشناس کرایا جو یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت و محبت کے بغیر ہم خدا کی بندگی کا حق ادا نہیں کر سکتے اور عشق و عظمت، تعظیم و توقیرِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہی اصل ایمان ہے اور ایمان کی جان ہے۔ پیشِ نظر شہ پارہ اسی رسالے سے لیا گیا ہے :۔

(الف)

"محل لیلٰی کروڑوں منزل سے کروڑوں منزل خرد خردہ میں ونگ ہے بینا سماں ہے پیارنگ ہے ـــــ قرب میں بُعد، بُعد میں قرب، وصل میں ہجر، ہجر میں وصل کو ہر شناور دریا مگر صدف نے پردہ ڈال رکھا ہے کہ تم سے آشنا نہیں۔ اے جاہلِ ناداں علم کو علم والے پر چھوڑ اور اس میدانِ دشوار جولاں سے سمندِ بیان کی عنان موڑ ـــــ زبان بند ہے پر اتنا کہتے ہیں کہ خلق کے آقا ہیں خالق کے بندے، عبادت ان کی کفر اور بے ان کی تعظیم کے حبط، ایمان

ان کی محبت و عظمت کا نام ——— اور مسلمان وہ ہے جس کا کام ہے نام
خدا کے ساتھ ان کے نام پر تمام ——— والسلام علیٰ خیر الانام ———
والاصحاب علی الدّوام۔"
اسی رسالے میں ایک اور جگہ تحریر فرماتے ہیں ملاحظہ فرمایئے :-

(ب)

"علم وہ وسیع عطا فرمایا کہ علوم اوّلین و آخرین اس کے بحر علوم کی نہریں یا جوشش فیوض کے چھینٹے قرار پائے۔ ازل سے ابد تک تمام غیب و شہادت پر اطلاع تمام حاصل۔ اِلا ماشاء اللہ بصر و محیط کہ شش جہت اس کے حضور جہت۔ مقابلِ دنیا ان کے سامنے اٹھائی کہ تمام کائنات تا بروزِ قیامت آن واحد میں پیشِ نظر۔ سمع والا کے نزدیک پانچ سو برس کی راہ کی صدا جیسے کان پڑی آواز ہے اور قدرت کا تو کیا پوچھنا کہ قدرت قدیر علی الاطلاق جلّ جلالہ کی نمونہ و آئینہ ہے۔ علوم علوی و سفلی میں اسی کا حکم جاری، فرمانروائی کُن کو اس کے زبان کی پاسداری، مردہ کو تم کہیں زندہ اور چاند کو اشارہ کریں فوراً دو پارہ ہو۔ جو چاہتے ہیں خدا وہی چاہتا ہے کہ یہ وہی چاہتے ہیں جو خدا چاہتا ہے۔"

اور اسی رسالے میں یہ شہ پارہ ملاحظہ ہو۔ زبان و بیان کی چاشنی کیسا حُسن پیدا کرتی ہے کہ واہ واہ کا نعرہ بے اختیار نکل جاتا ہے۔

(ج)

"ان کے بعد اصحاب سیّد المرسلین صلی اللہ علیہ علیہم اجمعین ہیں اور انہیں میں حضرت بتول جگر پارۂ رسول خاتونِ جہاں بانوئی جناب سیّدۃ النساء فاطمہ زہرہ اور اس دو جہاں کی آقازادی کے دونوں شاہزادے، عرش کی آنکھ کے تارے چرخِ سیادت کے مہ پارے، باغِ تطہیر کے پیارے پھول، دونوں قرۃ العین رسولؐ امامین، کریمین، سعیدین، شہیدین، تقیین، نقیین، نیّرین، طاہرین، ابو محمد حسن و ابو عبداللہ حسین.....

(۱۰)

وصایا شریف مولانا احمد رضا خان ۱۳۴۰ھ جن کو مولانا حسنین رضا خان صاحب نے جمع کیا۔ وصال سے کچھ عرصہ قبل اپنے پیر و مرشد سیدنا و مخدوم نا مولانا شاہ آلِ رسول صاحب قدس سرہٗ کا عرس جو ذی الحجہ میں ہوتا ہے، اس دفعہ محرم الحرام میں کیا۔ لوگوں کو مکان میں طلب فرمایا اور وعظ و نصیحت فرمائی۔

"مجھے معلوم نہیں کہ میں کتنے دن تمہارے پاس ٹھہروں۔ تین ہی وقت ہوتے ہیں بچپن، جوانی اور بڑھاپا۔ بچپن گیا۔ جوانی گئی، بڑھاپا آیا۔ اب کون سا چوتھا وقت آنے والا ہے جس کا انتظار کیا جائے۔ ایک موت ہی باقی ہے۔"

اس کے بعد دو وصیتیں کیں اور پھر اسطرح فرمایا:۔

"حضور اقدس صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم ربُّ العزت جلّ جلالہ کے نور ہیں۔ حضور سے صحابہؓ روشن ہوئے، صحابہؓ سے تابعین روشن ہوئے، تابعین سے تبع تابعین روشن ہوئے، اُن سے ائمہ مجتہدین روشن ہوئے، اُن سے ہم روشن ہوئے۔ اب ہم تم سے کہتے ہیں یہ نور ہم سے لے لو۔ ہمیں اس کی ضرورت ہے کہ تم ہم سے روشن رہو۔ وہ نور یہ ہے کہ اللہ و رسول کی سچی محبّت، اُن کی تعظیم اور اُن کے دوستوں کی خدمت اور ان کی تکریم اور اُن کے دشمنوں سے سچّی عداوت۔ جس سے اللہ و رسولؐ کی شان میں ادنیٰ توہین پاؤ ——— پھر وہ تمہارا کیسا ہی پیارا کیوں نہ ہو فوراً اس سے جدا ہو جاؤ۔ جس کو بارگاہِ رسالت میں ذرا بھی گستاخ دیکھو پھر وہ تمہارا کیسا ہی بزرگ معظم کیوں نہ ہو اپنے اندر سے اسے دودھ سے مکھی کی طرح نکال کر پھینک دو۔ میں ہمیشہ تمہیں یہی بتاتا رہا اور اس وقت بھی یہی عرض کرتا ہوں۔"

(۱۱)

"خالص الاعتقاد" ۱۳۲۸ھ مولانا احمد رضا خاں کی ایک عظیم تصنیف ہے جس میں آپ نے فرقہ وہابیہ کی خوب خبر لی ہے۔ مندرجہ ذیل تحریر ملاحظہ فرمائیے:۔

"بھلا جس خدا کی توحید بنی رکھنے کے لیئے نبیؐ سے بگاڑی، رسولوں سے بگاڑی
سب کے علم پر دولتی جھاڑی۔ غضب ہے کہ وہی خدا وہابیہ کو چھوڑ
کر رسولؐ کا ہو جائے ـــــ الٹا وہابیہ پر حکم کفر لگائے۔ سچ ہے اب کسی سے
دوستی کا دھرم نہ رہا۔ معلوم نہیں کہ اب مخالفین اپنے سرگروہوں کا فتویٰ مانتے
ہیں یا اللہ واحد قہار کا۔"

(۱۱)

مولانا احمد رضا خان قدس سرہٗ نے مولانا مولوی شاہ محمد ابراہیم قادری، برکاتی۔ مدراسی حیدرآبادی کے مراسلے کے جواب میں "الزمزمۃ القمریۃ فی الذب عن الخمریۃ" ۱۳۰۶ھ تحریر فرماکر مولوی محمد وکیل احمد صاحب سکندرپوری کے لیئے ارسال کیا تاکہ وہ قصیدۂ غوثیہ کی اردو شرح میں اس کو شامل کرلیں جو وہ مخالفین کے لیئے تحریر فرمارہے ہیں۔ بعض لوگ قصیدۂ غوثیہ کی عربیت کے پیچھے پڑے ہیں۔ لہٰذا مولانا احمد رضا خاں قدس سرہٗ نے مذکورہ رسالہ لکھ کر مولوی صاحب سکندرپوری کو اجازت مرحمت فرمائی کہ وہ اس کو اپنی شرح میں شامل کرلیں تاکہ مخالفین کا منہ بند ہوسکے۔ اس رسالے سے ایک پیرا ہم ناظرین کی دلچسپی کے لیئے پیش کرتے ہیں:۔

"الحمدللہ! کلام اپنے منتہی کو پہنچا اور ارتیاتِ مرتاب اپنی سزا کو۔ اب مجھے اتنا ظاہر کرنا اور رہا ہے کہ اوّل تا آخر یہ سارا کلام میں نے اس تسلیم پر مبتنی کیا ہے کہ قصیدۂ مبارکہ میں قوانینِ عربیت سے مخالفات ہیں۔ معترض دیکھے کہ اس تسلیم پر بھی بحمداللہ سرکارِ قادریت نے ہم پر کیا کچھ لطف فرمایا اور کن کن وجوہ قاہرہ سے انکار منکر کو ہبا و منشور کر دکھایا مگر ابھی تو ہمیں حضرت معترض کی مزاج پرسی کرنی ہے۔ ذرا مہربانی فرماکر اپنے اعتراضاتِ تفصیلی سے اطلاع دیں اور اُس وقت جوابِ تفصیلی کے مرتبے میں ہم پر ہمارے آقا کا فیضان دیکھیں۔ ہاں! ہاں! اصلا نہ شرمائیں ـــــ جہاں تک اعتراض خاطر میں آئیں ـــــ سب ایک ایک کرکے بیان فرمائیں ـــــ کچھ اٹھا رکھنے کی تکلیف ہرگز نہ

اٹھائیں ـــــــ ہم بھی تو جانیں کہ قصیدۂ مبارکہ میں ایسے کیا کچھ اغلاط دیکھ پائے ہیں ـــــــ جن کی بناء پر یہ شور اٹھائے ہیں ـــــــ امید کرتا ہُوں کہ انشاء اللہ القادر بیان کرتے وقت کھل جائے گا۔"

(۱۲)

مولانا احمد رضا خان قدس سرہٗ کی مشہورِ زمانہ تصنیف " المحجۃ المؤتمنۃ فی آیۃ الممتحنہ" (۱۳۳۹ھ) وصال سے ایک سال قبل کی تحریر ہے جس کو آپ نے مولوی حاکم علی صاحب بی۔ اے حنفی نقشبندی، مجددی، پروفیسر سائنس اسلامیہ کالج لاہور کے ۴ صفر ۱۳۳۹ھ کے مراسلے کے جواب میں تحریر فرمایا۔ اسی رسالے میں آئمہ حنفیہ کا مسلک اور یہ کہ موالات مطلقاً کسی کافر سے جائز نہیں اور یہ کہ وداد و اتحاد جو ہنود سے منایا جاتا ہے اور اُن سے بہ استعانت اور انہیں معاہد و حلیف بنانا اور اُن کا مساجد میں لے جانا خصوصاً واعظ بنا کر، یہ سب حرام قطعی ہیں۔ استعانت کی وہ تحقیق جلیل کہ جس کی نظیر ملنا محال ہے۔ نیز ترکِ تعاون وامدادِ مدارس پر اجمالی کافی بحث ہے۔ اس رسالے میں مولانا احمد رضا خان قدس سرہٗ نے اُن مسلمانوں کی خبر لی ہے جنہوں نے گاندھی کو اپنا ہادی و رہبر بنایا اور ہندوؤں کی خوشنودی کی خاطر شعائرِ اسلامی سے منہ موڑا۔

ذیل میں اس رسالے میں سے کچھ تراشے پیش کیے جا رہے ہیں:۔

(الف)

"مگر للہ انصاف! وہ غلامی ادھوری تھی۔ سیّد احمد خاں نے کسی پادری یا نصرانی کو امورِ دین میں صراحتہً" اپنا امام و پیشوا نہ لکھا تھا۔ آیات و احادیث کی تمام عمر کو چرچ یا صلیب پر نثار کرنا نہ کہا تھا کسی پادری کو مساجد میں مسلمانوں کا واعظ و ہادی نہ بنایا تھا ـــــــ نصرانیت کی رضا کو خدا کی رضا یا کسی پادری کو نبی بالقوہ نہ بنایا تھا ـــــــ اور اب مشرکین کی پوری غلامی ہو رہی ہے۔ اُن کے ساتھ یہ سب کچھ اور اُن سے بہت زائد کیا جا رہا ہے۔ یہ کون سا دین ہے؟ نصاریٰ کی ادھوری سے اجتناب اور مشرکین کی پوری میں غرقاب۔ چلتے پرنالے

کے نیچے ٹھہرے منہ سے بھاگ کر۔"

تحریکِ ترکِ موالات کے زمانے میں گاندھی اور ہندوؤں کا کچھ ایسا سحر مسلمان علماء و اکابر پر طاری تھا کہ بیشتر ان کے جال میں اس طرح جکڑ گئے تھے کہ بعض کی عقلوں پر بھی پردہ پڑ گیا تھا۔ "ہندو مسلم بھائی بھائی" کا نعرہ اور ہندوؤں کے ساتھ مل کر انگریزوں سے سوراج حاصل کرنے کی تمنّا نے اُن کو اندھا کر دیا تھا۔ ملاحظہ فرمایئے اعلیٰحضرت کیا فرماتے ہیں :-

(ب)

"مسجد میں کسی دبے ہوئے ذمی کے ذلّت و خواری کے ساتھ آنے کا جواز کا اختلافی مسئلہ نکالیں ـــــــ اور مشرک کو بروجہ استعلا مسجد میں لے جانا اور مسلمانوں کا واعظ و ہادی بنانا، مسندِ سیدِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم پر جانا اُس پر ڈھالیں ـــــــ دبے ہوئے ملتجی بے قابو کافر سے کوئی بالائی خدمت یا نذ بکتر عاریت لینے کے جواز کا مسئلہ دکھائیں ـــــــ اور اس سے خود سر خود غرض زبردست خونخوار مشرکوں کے دامن پکڑنا، اُن کے سایہ میں پناہ لینا، ان صریح بدخواہوں کی رائے پر اپنے آپ کو سپرد کر دینا منائیں ـــــــ کفار معاہدین یا بعض کے نزدیک قتال سے بالذات عاجزین کے ساتھ کچھ مالی سلوک کی رخصت والی آیت سُنائیں ـــــــ اور اسے خونخوار مشرکین سخت اعدائے اسلام و مسلمین کے ساتھ اتحاد و وداد بلکہ غلامی و انقیاد کی نہ صرف رخصت بلکہ اعظم فرضیت کی دلیل بنائیں ـــــــ اُن سب کا بیان بعونہٖ تعالےٰ ابھی آتا ہے آپ انصاف کریں گے کس نے کھینچ تان کی، حاشا نہ کھینچ تان بلکہ کمالِ جسارت سے احکامِ الٰہیہ کی کایا پلٹ کر کے قرآن حدیث کی عُمر بُت پرستی پر قربان کی۔ وسیعلم الذین ظلموا ای منقلب ینقلبون۔"

(ج)

"تو وہ سب محاربین بالفعل ہیں۔ خواہ ہاتھ سے ہوں یا زبان سے یا دل سے یہ قربانیٔ گاؤ کا مسئلہ ایسا ہی ہے۔ کون سا ہندو ہے جس کے دل میں اس کا نام سُن کر آگ نہیں لگتی ـــــــ کون سی ہندو زبان ہے جو گئو رکھشا کی مالا نہیں جپتی۔ کون سا شہر ہے جہاں اُس کی سبھا یا اُس کے ارکان یا اُن میں چندہ

دینے والے نہیں۔ کیا یہ مقدس بے گناہوں کے خون، یہ پاک مساجد کی شہادتیں، یہ قرآنِ عظیم کی آئتیں، انہیں ناپاک رکھشاؤں، انہیں مجوعی سفاک سبھاؤں کے نتائج نہیں؟ نہ سہی ہاتھ کنگن کو آرسی کیا ہے۔ اب جس شہر، جس قصبے، جس گاؤں میں چاہو آزما دیکھو۔ اپنی مذہبی قربانی کے لیئے گائے پچھاڑو اس وقت یہی تمہاری بائیں پسلی کے نکلے، یہی تمہارے سگے بھائی، یہی تمہارے منہ بولے بزرگ، یہی تمہارے آقا، یہی تمہارے پیشوا، تمہاری ہڈی پسلی توڑنے کو تیار ہوتے ہیں یا نہیں؟ ان متفرقات کا جمع کرنا بھی جہنم میں ڈالیئے۔ وہ جو آج تمام ہندوؤں اور نہ صرف ہندوؤں تم سب ہندو پرستوں کا امامِ ظاہر و بادشاہِ باطن ہے یعنی گاندھی صاف نہ کہہ چکا کہ مسلمان اگر قربانی گاؤ نہ چھوڑیں گے تو ہم تلوار کے زور سے چھڑادیں گے۔"

(د)

"کیا تم ہی نہیں ہو کہ جب وہ محاربین، قاتلین، ظالمین، کافرین گرفتار ہوئے ان پر ثبوتِ اشد جرائم کے انبار ہوئے، تمہاری چھاتی دھڑکی، تمہاری مامتا پھڑکی گھبرائے، تلملائے، سپٹپائے جیسے اکلوتے کی پھانسی سن کر ماں کو درد آئے فوراً گرماگرم دھواں دھار ریزولیوشن پاس کیا کہ ہے، ہے یہ ہمارے پیارے ہیں ——— یہ ہماری آنکھ کے تارے ہیں ——— انہوں نے مسلمانوں کو ذبح کیا، جلایا، پھونکا، مسجدیں ڈھائیں، قرآن پھاڑے۔ یہ ہماری ان کی خانگی شکر رنجی تھی۔ ہمیں اس کے متعلق پرواہ نہیں۔ یہ ہمارے سگے ہیں کوئی سوتیا ڈاہ نہیں۔ ماں بیٹی کی لڑائی۔ دودھ کی ملائی۔ برتن ایک دوسرے سے کھڑک ہی جاتا ہے ——— ان کے درد سے ہمیں غش پہ غش آتا ہے۔ ان کا بال بیکا ہوا اور ہمارا کلیجہ پھٹا اللہ ان کو معافی دی جائے ——— فوراً ان سے درگزر کی جائے۔ یہ ہے آیت ممتحنہ پر تمہارا عمل، یہ ہے الذین قاتلوکم فی الدین سے تمہاری جنگ وجدل، یہ ہے واعدِ قہار کو تمہارا پیٹھ دینا، یہ ہے کلامِ جبار سے تمہارا مٹھیا لینا۔ ان تمہارے سگوں نے قرآن مجید پھاڑا تم نے اس کے احکام پاؤں

تلے مل ڈالے۔ انہوں نے مسجدیں ڈھائیں تم نے رب المسجد کے ارشاد دولتیوں سے کچل ڈالے۔ قرآن چھوڑا، ایمان چھوڑا، محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم سے منہ موڑا اور اُن کے دشمنوں، اُن کے اعداء سے رشتہ جوڑا۔"

(س)

"واقعہ تم ہوا وہ کریہ لا یتنہکم نے کچھ نیک برتاؤ مالی مواسات ہی کی تو رخصت دی یا یہ فرمایا کہ انہیں اپنا انصار بناؤ، اُن کے گہرے یارِ غار ہو جاؤ، اُن کے طاغوت کو اپنے دین کا امام ٹھہراؤ ـــــــ اُن کی جے پکارو، اُن کی حمد کے نعرے مارو، انہیں مساجدِ مسلمین میں باادب تعظیم پہنچا کر مسندِ مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم پر لے جا کر مسلمانوں سے اونچا اٹھا کر واعظ وہادیٔ مسلمین بناؤ، اُن کے مردار جیفہ اٹھاؤ، کندھے پر ٹکٹکی، زباں پر جے یوں مرگھٹ پہنچاؤ، مساجد کو ان کا ماتم گاہ بناؤ۔ ان کے لیئے دعائے مغفرت و نمازِ جنازہ کا اعلان کراؤ۔ اُن کی موت پر بازار بند کرو، سوگ مناؤ، اُن سے اپنے ماتھے پر قشقے لگواؤ، اُن کی خوشی کو شعارِ اسلام بند کراؤ، گائے کا گوشت کھانا گناہ ٹھہراؤ، کھانے والوں کو کمینہ بتاؤ، اسے مثلِ سوئر کے گناؤ۔ خدا کی قسم کی جگہ رام دہائی گاؤ، واحدِ قہار کے اسماء میں الحاد رچاؤ، اُسے معاذ اللہ رام یعنی ہر چیز میں رما ہوا، ہر شے میں حلول کیئے ہوئے ٹھہراؤ، قرآن مجید کو رامائن کے ساتھ ڈولے میں رکھ کر مندر میں لے جاؤ، دونوں کی پوجا کراؤ، اُن کے سرغنہ کو خدا نے اُن کو تمہارے پاس مذکر بنا کر بھیجا ہے، یوں معنیٔ نبوت جماؤ۔"

"واقعی بندگی بیچارگی جب ہندوں کی غلامی ٹھہری پھر کہاں کی غیرت اور کہاں کی خودداری۔ وہ تمہیں ملیچھ جانیں، بھنگی مانیں، تمہارا پاک ہاتھ جس چیز کو لگ جائے گندی ہو جائے سودا بیچیں تو دُور سے ہاتھ میں ڈال دیں، پیسے لیں تو دُور سے یا پنکھا وغیرہ پیش کرکے اس پر رکھوالیں۔ حالانکہ بحکم قرآن خود ہی نجس ہیں اور تم ان نجسوں کو مقدس مطہر بیت اللہ میں لے جاؤ۔ جو تمہارے ماتھا رکھنے کی جگہ ہے وہاں اُن کے گندے پاؤں رکھواؤ مگر تم کو اسلامی حس ہی نہ رہا

محبتِ مشرکین نے اندھا بہرا کر دیا۔

(ص)

"مسلمانو! تم نے دیکھا یہ حالت ہے اُن لیڈر بننے والوں کی دین کی کیسا کیسا شریعت کو بدلتے، مسلتے، پاؤں کے نیچے کچلتے اور خیر خواہِ اسلام بن کر مسلمانوں کو چھلتے ہیں۔ موالاتِ مشرکین۔ ایک ———— معاہدہ مشرکین۔ دو ———— استعانت بمشرکین۔ تین ———— مسجد میں اعلائے مشرکین۔ چار ———— ان سب میں بلا مبالغہ یقیناً قطعاً لیڈروں نے خنزیر کو دبنے کی کھال پہنا کر حلال کیا ہے ———— دینِ الٰہی کو دیدہ و دانستہ پائمال کیا ہے اور پھر لیڈر ہیں، ریفارمر ہیں، مسلمانوں کے بڑے راہبر ہیں جو اُن کی ہاں میں ہاں نہ ملائے مسلمان ہی نہیں۔ یعنی جب تک اسلام کو کند چھری سے ذبح نہ کرے ایمان ہی نہیں۔"

(۱۳)

مولانا احمد رضا خان قدس سرہٗ نے رسالہ "تابع النور علیٰ سوال جبلپور" ۱۳۳۹ھ میں تحریر فرمایا۔ یہ وہ زمانہ تھا جب مغربی تعلیم کے ساتھ ساتھ مغربی تہذیب کو بھی لوگ گلے لگا رہے تھے مولانا احمد رضا خانؒ مغربی تعلیم اور علومِ عقلیہ کے خلاف نہ تھے بلکہ انہوں نے اپنے ایک فتوے میں سائنسی اور تکنیکی نیز مختلف علومِ جدیدہ حاصل کرنے کے سلسلے میں بڑا مثبت پہلو پیشِ نظر رکھتے ہوئے ان کے سیکھنے پر زور دیا ہے۔ لیکن وہ ایسی تعلیم کے سخت مخالف تھے جس سے دین پر ضرب پڑتی ہو اور مسلمان اسلام اور اسلامی شعار ہی سے متنفر ہو جائیں۔ انہوں نے ایسی مغربی تعلیم اور علومِ جدیدہ کے سیکھنے پر کڑی تنقید کی جس سے مسلمانوں کی انفرادیت اور اُن کا قومی وملّی تشخص ختم ہو۔ اس رسالے میں سے ایک تراشا قارئین کے لیے یہاں پیش کیا جاتا ہے۔ مولانا احمد رضا خانؒ فرماتے ہیں:۔

"مسلمان کہلانے والو! لِلّٰہ اپنا ایمان سنبھالو، واحد قہار کے قہر سے ڈرو، حُبِّ لِلّٰہ و بُغضِ لِلّٰہ کے سامان درست کرو، نیچری تہذیب اور ساختہ تادیب کے

خوابِ غفلت سے جاگو، جس سے کلمۂ تکذیب و توہینِ خدا و رسول سنو تمہارا کیسا ہی معظم یا پیارا ہو، دور کرو، دور بھاگو، خدا کے دشمن کو دشمن مانو، اس سے تعلق آگ جانو ورنہ عنقریب دیکھ لوگے کہ تمہارے قلوب مسخ ہو گئے ـــــــ تمہارے ایمان نسخ ہو گئے ـــــــ تمہارے نکاح فسخ ہو گئے ـــــــ"

(۱۴)

مولانا احمد رضا خان قدس سرہٗ کی پوری زندگی عشق و اتباعِ رسول میں گزری۔ وہ ایک سچے عاشقِ رسول تھے جس کی جھلک اُن کی تحریروں میں جا بجا نظر آتی ہے۔ رسالہ "قمر التمام فی نفی الظلّ عن سیّد الانام"، کا یہ تراشہ ملاحظہ ہو جس کا ایک ایک حرف حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی محبّت میں ڈوبا ہوا دکھائی دیتا ہے۔ تراشے کے آخر میں آپ نے ان اُن لوگوں کی سختی سے مذمّت کی ہے جو حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی شان گھٹانے کی فکر میں دُبلے ہوئے جاتے ہیں:۔

"اور محبوب بھی کیسا جانِ ایمان وکانِ احسان، جس کے جمالِ جہاں آراء کا نظیر کہیں نہ ملے گا اور خامہ قدرت نے اس کی تصویر بنا کر ہاتھ کھینچ لیا کہ پھر کبھی ایسا نہ لکھے گا۔ کیسا محبوب جسے اُس کے مالک نے تمام جہالوں کے لیئے رحمت بھیجا۔ کیسا محبوب جس نے اپنے تن پر ایک عالم کا بار اٹھالیا، کیسا محبوب جس نے تمہارے غم میں دن کا کھانا، رات کا سونا ترک کردیا۔ تم رات دن اُس کی نافرمانیوں میں منہمک اور لہو ولعب میں مشغول ہو اور وہ تمہاری بخشش کے لیئے شب و روز گریاں وملول۔ شب کہ اللہ جلّ شانہ، نے آسائش کے لیئے بنائی۔ اپنے تسکین بخش پردے چھوڑے ہوئے چھپلیں موقوف میں صبح قریب ہے۔ ٹھنڈی نسیموں کا پنکھا ہو رہا ہے، ہر ایک کا جی اُس وقت آرام کی طرف جُھکتا ہے۔ بادشاہ اپنے گرم بستروں، نرم تکیوں میں مست خوابِ ناز ہے اور جو محتاجِ بے نوا ہے اُس کے بھی پاؤں دو گز کی کملی میں دراز۔ ایسے سہانے وقت، ٹھنڈے زمانہ بس وہ معصوم، بے گناہ، پاک ۔۔۔ اں عصمت پناہ اپنے

راحت و آسائش چھوڑ کر، خواب اور آرام سے منہ موڑ، جبینِ نیاز آستانہ عزت پر رکھے ہے کہ الٰہی میری امّت سیاہ کار ہے درگذر فرما اور ان کے تمام جسموں کو آتشِ دوزخ سے بچا ——— جب وہ جانِ راحت، کانِ راحت پیدا ہوا بارگاہِ الٰہی میں سجدہ کیا اور رَبِّ هَبْ لِی اُمَّتِی فرمایا ——— جب قبر شریف میں اتارا لبِ جاں بخش کو جنبش دی، بعض صحابہؓ نے کان لگا کر سُنا آہستہ آہستہ اُمّتی فرماتے تھے۔ قیامت کے روز کہ عجب سختی کا دن ہے تانبے کی زمین، ننگے پاؤں، زبانیں پیاس سے باہر، آفتاب سروں پر، سائے کا پتہ نہیں، حساب کا دغدغہ، ملک قہار کا سامنا۔ عالم اپنی فکر میں گرفتار ہوگا مجرمان بے یار دامِ آفت کے گرفتار جدھر جائیں گے سوا نفسی نفسی اذھبوا الی غیری کچھ جواب نہ پائیں گے۔ اُس وقت یہی محبوب غمگسار کام آئے گا ——— قفلِ شفاعت اُس کے بازو سے کھُل جائے گا، عمامہ سرِ اقدس سے اتاریں گے اور سربسجود ہو کر اُمّتی فرمائیں گے۔ وائے بے انصافی! ایسے غمخوار پیارے کے نام پر جاں نثار کرنا اور اُس کی مدح وستائش ونشر وفضائل سے اپنی آنکھوں کو روشن اور دل کو ٹھنڈک دینا واجب یا یہ کہ حتی الوسع چاند پر خاک ڈالے اور اس روشن خوبیوں میں انکار کی شاخیں نکالے۔“

(۱۵)

کتاب ”احسن الوعا لاداب الدّعا“ مولانا نقی علی خاںؒ والدِ ماجد مولانا احمد رضا خاںؒ قدس سرہٗ کی تصنیفِ لطیف ہے۔ اس تصنیف میں مولانا احمد رضا خاںؒ نے بنام ”ذیل المدعا لاحسن الوعا“ میں جگہ جگہ اپنے زرین خیالات کا اظہار فرمایا ہے۔ مندرجہ ذیل تراشے میں ”تدبیر منافی توکل نہیں“ پر بحث فرماتے ہوئے لکھتے ہیں:۔

(الف)

” ہاں پس ثابت ہوا کہ تدبیر ہرگز منافی توکل نہیں، بلکہ صلاح نیت کے ساتھ عین توکل ہے۔ ہاں بے شک ممنوع و مذموم ہے کہ آدمی ہمہ تن تدبیر

میں منہمک ہو جائے اور اس کی دستی میں جا و بے جا، نیک و بد، حلال و حرام کا خیال نہ رکھے۔ یہ بات بے شک اسی سے صادر ہو گی جو تقدیر کو بھول کر تدبیر پر اعتماد کر بیٹھا۔ شیطان اسے ابھارتا ہے کہ اگر یہ بن پڑی تجب تو کار بر آری ہے ورنہ مایوسی و ناکامی۔ ناچار سب این و آں سے غافل ہو کر اس کی تحصیل میں لہو پانی ایک کر دیتا ہے اور ذلت و خواری، خوشامد و چاپلوسی، مکر و دغا بازی جس طرح بن پڑے اس کی راہ لیتا ہے۔ حالانکہ اس حرص سے کچھ نہ ہوگا۔ ہونا وہی ہے جو قسمت میں لکھا ہے۔ اگر یہ علو ہمت و صدق نیت و پاس عزت و لحاظ شریعت ہاتھ سے نہ دیتا رزق اللہ عزوجل نے اپنے ذمہ لیا جب بھی پہنچتا۔ اس کی طمع نے آپ اس کے پاؤں میں تیشہ مارا اور حرص و گناہ کی شامت نے خیر الدنیا والاخرہ کا مصداق بنایا اور بالفرض آبرو کھو کر گنہگار ہو کر دو پیسے پائے بھی تو ایسے مال پر ہزار تف۔"

(۱۰ ب)

"وعظ کا پیشہ کہ آجکل نہ کم علم بلکہ نرے جاہلوں نے کچھ الٹی سیدھی اردو دیکھ بھال کر حافظہ کی قوت ــــــ دماغ کی طاقت ــــــ زبان کی طلاقت کو شکار مردم کا جال بنایا ہے۔ عقائد سے غافل، مسائل سے جاہل اور وعظ گوئی کے لیے آندھی۔ ہر جامع۔ ہر مجمع، ہر میلہ میں غلط حدیثیں، جھوٹی روائتیں، الٹے مسئلے بیان کرنے کو کھڑے ہو جائیں گے اور طرح طرح کے حیلوں سے جو مل سکا کمائیں گے۔"

(۱۶)

مولانا احمد رضا خان قدس سرہ نے رسالہ "صفائح اللجین" (۱۳۰۶ھ) میں تحریر فرمایا جس میں احادیث سے دونوں ہاتھ سے مصافحہ کا اثبات پیش کیا۔ اس رسالہ سے ایک تراشہ ہدیۂ قارئین ہے:۔

"یہاں مقصود اسقدر کہ مدعی آنکھیں کھول کر دیکھے کہ کس بضاعت پر کمال علم و

احاطۂ نظر کا دعویٰ ہے۔ کیا ان ائمہ سے غفلت ہوئی اور تم معصوم ہو؟ کیا نہیں
ممکن کہ حدیث انہیں کتابوں میں ہو اور تمہاری نظر سے غائب رہے؟ مانا کہ ان
کتابوں میں نہیں پھر کیا سب کتابیں تمہارے پاس ہیں؟ ممکن ہے کہ ان کتابوں
میں جو اور بندگانِ خدا کے پاس دیگر بلاد میں موجود ہیں، مانا کہ ان میں بھی نہیں
پھر کیا اسی قدر کتابیں تصنیف ہوئی تھیں؟ ممکن ہے کہ اُن کتابوں میں ہو جو
معدوم ہوگئیں۔ مانا کہ ان میں بھی نہیں۔ پھر کیا تمام احادیث کتابوں میں مندرج
ہوگئی تھیں؟ ممکن ہے کہ اُن احادیث میں ہو جو علماء اپنے سینوں میں لے گئے۔
پھر ہلدی کی گرہ پر پنساری بننا کس نے مانا، اپنے نہ پانے کو نہ ہونے کی دلیل
سمجھنا اور عدمِ علم کو علمِ بالعدم ٹھہرا لینا کیسی سخت سفاہت ہے۔ خاص نظیر
اس کی یہ ہے کہ کوئی شخص ایک چیز کو اپنی کوٹھڑی کی چار دیواری میں ڈھونڈ
کر بیٹھ رہے اور کہہ دے کہ ہم تلاش کر چکے تمام جہان میں کہیں نشان نہیں۔
کیا اس بات پر عقلا اسے مجنوں نہ جانیں گے؟"

(۱۷)

مولانا احمد رضا خان بریلوی قدس سرہٗ نے رسالہ "اقامۃ القیامۃ" ۱۲۹۹ھ میں
تحریر فرمایا۔ اس رسالے میں آپ نے حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر کھڑے ہو کر صلوٰۃ وسلام پڑھنا
اور ادب واحترام کو ملحوظِ خاطر رکھنے کا دلائل قاہرہ سے ثبوت دیا۔ اس رسالے سے ایک
تراشہ پیشِ خدمت ہے۔ ملاحظہ فرمایئے کہ مولانا موصوف کس عمدہ پیرائے میں ان لوگوں کا رد
فرما رہے ہیں جو ہر نیک کام کرنے کو شرک وبدعت ٹھہراتے ہیں:۔

(الف)

"جس مسلمان نے کسی نئے طریقہ سے حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ادب کیا اس
ایجاد کو علماء نے اس کے مواقع میں شمار کیا نہ یہ کہ معاذ اللہ بدعتی گمراہ ٹھہرایا
یہ بلا انہیں مدعیانِ دین وادب میں پھیلی کہ ہر بات پر پوچھتے ہیں کہ فلاں نے
کب کیں، فلاں نے کب کیں؟ حالانکہ خود ہزاروں باتیں کرتے ہیں جو نہ فلاں نے

کیں نہ فلاں نے کیں۔ مگر یہ بھی طرق تعظیم نبی اکرم صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والتسلیم کے گھٹانے مٹانے کے لیئے ایک حیلہ نکال کر زبان سے کہتے جائیں:۔

ع بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر

اور بلطائف حیل جہاں تک بن پڑے امورِ محبت وتعظیم میں کلام کرتے جائیں۔ آخر ان کا امامِ اکبر "تقویۃ الایمان" میں تصریح کر چکا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی تعریف ایسے کرو جیسے آپس میں ایک دوسرے کی کرتے ہو بلکہ اس میں سے کمی کرو۔ یہ ایمان ہے، یہ دین اور یہ دعویٰ۔ لاحول ولاقوۃ الا باللہ العلی العظیم۔"

اسی رسالے میں ایک اور مقام پر تحریر فرماتے ہیں:۔

(ب)

"ہم نے مانا کہ جو کچھ قرون ثلثہ میں نہ تھا سب منع ہے۔ اب ذرا حضرات مانعین اپنی خبر لیں۔ یہ مدرسے جاری کرنا اور لوگوں سے ماہوار چندہ لینا اور طلبہ کے لیئے مطبع نولکشور سے فیصدی دس روپیہ کمیشن لے کر کتابیں منگانا اور تخصیص روزِ جمعہ بعد از نمازِ جمعہ وعظ کا التزام کرنا۔ جہاں وعظ کہنے جائیں نذرانہ لینا دعوتیں اڑانا، مناظروں کے لیئے پنچ اور جلسے مقرر کرنا، مخالفین کے رد میں کتابیں لکھوانا، چھپوانا، واعظوں کا شہر بشہر گشت لگانا، صحاح کے دو دو ورق پڑھ کر محدثی کی سند لینا اور ان کے سوا ہزاروں باتیں کہ سب اکابر و اصاغر طائفہ میں بلانکیر رائج ہیں قرون ثلثہ میں کب تھیں؟ اور ان پیشوایانِ فرقۂ جدیدہ کا تو ذکر ہی کیا جو دو دو روپے نذرانہ لے کر مسلوں پر مہر کریں، مدعی مدعا علیہ دونوں کے ہاتھ میں حضرت کا فتویٰ، حج کو جائیں تو حمایت کے لیئے کمشنر دہلی و کمشنر بمبئی کی چھٹیاں ضرور ہوں۔ شاید یہ باتیں قرونِ ثلثہ میں تھیں یا تمہارے لیئے پروانۂ معافی آگیا ہے کہ جو چاہو کرو تم پر کچھ مواخذہ نہیں یا یہ نکتہ چینیاں انہیں باتوں میں ہیں جنہیں تعظیم ومحبتِ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے علاقہ ہو باقی سب حلال وشیرِ مادر۔ لاحول ولاقوۃ الا باللہ العلی العظیم۔"

(۱۸)

مولوی حاکم علی نقشبندی مجددی پروفیسر اسلامیہ سائنس کالج لاہور مولانا احمد رضا خان بریلوی قدس سرہٗ سے والہانہ عقیدت رکھتے تھے۔ مولوی حاکم علی صاحب کئی دفعہ مولانا احمد رضا خانؒ سے ملنے بریلی بھی گئے۔ بریلی میں اپنے قیام کے دوران وہ اکثر مولانا احمد رضا خانؒ سے سائنسی علوم وفنون پر تبادلۂ خیال کرتے تھے۔ وہ مولانا احمد رضا خانؒ کے تبحّر اور علمیت کے بڑے مدّاح تھے اور اکثر اوقات اُن سے بریلی میں مذہبیات، فقہیات، سیاسیات اور سائنسی علوم پر تبادلۂ خیالات کرتے تھے۔ مولوی حاکم علی مشرباً نقشبندی تھے اور مولانا احمد رضا خانؒ مشرباً قادری۔ لیکن وہ مولانا کو اس صدی کا مجدّد قرار دیتے تھے۔ تحریک ترکِ موالات کے زمانے میں جب مولانا احمد رضا خانؒ نے مسلمانوں کو بیداری کا پیغام دے کر مسٹر گاندھی کی چالوں اور بعض مسلم علماء کی ناعاقبت اندیشانہ روش پر اُن کا پردہ چاک کیا تو مولوی حاکم علی بے ساختہ پکار اٹھے "الاماں یا مجدّد مآتہ حاضرہ"۔

رسالہ "نزولِ آیاتِ فرقان بسکونِ زمین و آسمان" (مطبوعہ لکھنو) مولوی حاکم علی کے ایک استفسار کے جواب میں لکھا تھا۔ مولوی حاکم علی صاحب نے ۱۴ رجمادی الاوّل ۱۳۳۹ھ کو مولانا احمد رضا خانؒ بزبانِ عربی وفارسی ایک خط ارسال کیا اس میں حرکتِ زمین کی تائید میں بعض قرآنی آیات کے ساتھ تفسیر جلالین اور تفسیر حسینی سے بعض عبارات پیش کیں۔ اس کے علاوہ سائنس کی کتابوں سے بھی حوالے درج کیے اور مولانا احمد رضا خانؒ سے درخواست کی کہ وہ حرکتِ زمین کے قائل ہوجائیں۔ مولوی صاحب نے مولانا احمد رضا خانؒ سے اپنے خط کے اختتام پر التجا کی تھی "غریب نواز! کرم فرماکر میرے ساتھ متفق ہوجاؤ تو پھر انشاء اللہ العزیز سائنس کو اور سائنس والوں کو مسلمان کیا ہوا پائیں گے"۔ مولانا احمد رضا خانؒ نے بعنوانِ مذکورہ ۳۲ صفحات پر مشتمل رسالہ قلمبند کیا۔ اس کتابچہ میں انہوں نے ردِ حرکتِ زمین پر اپنے دلائل پیش کرتے ہوئے مذکورہ بالا تفاسیر کے علاوہ ۲۸ دیگر تفاسیر سے حوالے پیش کیئے اور مولوی حاکم علی صاحب کے دلائل کو ضعیف قرار دیتے ہوئے جدید سائنس دانوں مثلاً نیوٹن، آئن اسٹائن اور البرٹ ایف پورٹا پر شدید

تنقید کی اور آخر میں لکھا :۔

"محبِ فقیر سائنس یوں مسلمان نہ ہوگی کہ اسلامی مسائل کو آیات و نصوص میں تاویلات دور از کار کرکے سائنس کے مطابق کر لیا جائے۔ یوں تو معاذ اللہ اسلام نے سائنس قبول کی نہ کہ سائنس نے اسلام۔ وہ مسلمان ہوگی تو یوں کہ جتنے اسلامی مسائل سے اُسے خلاف ہے سب میں مسئلہ اسلامی کو روشن کیا جائے، دلائل سائنس کو مردود و پامال کر دیا جائے۔ جا بجا سائنس ہی کے اقوال سے اسلامی مسئلہ کا اثبات ہو۔ سائنس کا ابطال و اسکات ہو، یوں قابو میں آئے گی۔ اور یہ آپ جیسے فہیم سائنس داں کو باذنہ تعالےٰ دشوار نہیں۔ آپ اُسے بچشمِ پسند دیکھتے ہیں۔"

(۱۹)

مولانا احمد رضا خاں قدس سرہٗ کی نادر کتاب "الدولۃ المکیہ بالمادۃ الغیبیہ" اسلام کے ایک نہایت ہی اہم اور دشوار گزار موضوع علم غیب اور اس کی ماہیت و حقیقت پر مشتمل ہے۔ اس موضوع پر ہر کس و ناکس قلم اٹھانے کی ہمت نہیں رکھتا "ہر کارے و ہر مردے" کے مصداق مولانا جیسے بلند پایہ جلیل القدر عالم ہی اس اہم اور باریک موضوع پر قلم اٹھا سکتے ہیں۔ چنانچہ یہ کتاب اُن کی علمیت و فاضلانہ بصیرت کا ایک نادر شاہکار ہے۔ کتاب عربی زبان میں ہے جس کا ترجمہ مولانا احمد رضا خاں قدس سرہٗ کے خلفِ اکبر حضرت مولانا حامد رضا خاں علیہ الرحمۃ نے نہایت ہی عرق ریزی و جانفشانی سے کیا ہے۔

اس کتاب کے آخری صفحہ کا ایک تراشہ (اردو ترجمہ) ہدیۂ قارئین ہے :۔

"مگر حسد ایک گھوکھرو ہے کہ جسے لپٹ جاتا ہے وہ تباہ و ہلاک ہو جاتا ہے تو بچ اور بچ ہلاکت کی جگہوں سے! اور اللہ ہماری اور تیری ہدایت کا والی ہو الحمد للہ جواب پورا ہوا اور صواب کھل گیا اور جب کہ جلد لکھا ہوا ایک رسالہ کی صورت میں نکلا تو مناسب ہے کہ اس کا نام "الدولۃ المکیہ بالمادۃ الغیبیہ" رکھوں تاکہ یہ نام بھی ہو اور مقصودِ تالیف اور مکانِ تصنیف کا اشعار و اعلام

بھی اور ابجد کے حساب سے سالِ تالیف کی علامت اور نشانی بھی ہو"

الحمدللہ بندہ ضعیف نے پہلا حصہ پہلے دن سات گھنٹے میں پورا کر دیا تھا پھر اس میں فائدے کے لئے نظرِ ششم بڑھائی اور آج باوصف کثرتِ اشغال کے دوسرا حصہ بعد ظہر کے لکھا اور اسے ایک گھنٹے سے زائد میں تمام کر دیا تو بحمداللہ ۲۰ ذی الحجہ روز چہار شنبہ کو عصر سے پہلے پورا ہوگیا اور سب سے افضل درود اور سب سے کامل تر سلام اُن مولیٰ پر جو مہکتی خوشبو سے مخصوص اور اپنے احسان سے حشر کے دن ہمارے شفیع ہیں اور اُن کی عزت والی آل اور عظمت والے صحابہؓ پر جب کہ صبح اور دن راتیں دورہ کریں اور سب خوبیاں اللہ کو جو مالک ہے سارے جہان کا"

~~~~~~ ∴ ~~~~~~

السیّد احمد بن السیّد اسمٰعیل الحسینی البرزنجی (مفتی شافعیہ۔ مدینہ منورہ)

امام احمد رضا کے متعلق ان الفاظ میں اظہارِ خیال فرماتے ہیں۔

"اے علامہ کامل، شہیر و مشہور، صاحبِ تحقیق و تنقیح، صاحبِ تدقیق و تزئین، عالم اہلِ سنت و جماعت شیخ احمد رضا خاں بریلویؒ (اللہ تعالےٰ اس کی نیک تمناؤں کو پورا کرے اور اس کی بلندیوں کو باقی اور دائم رکھے) میں نے آپ کی کتاب موسومہ المعتمد المستند کے خلاصے کا مطالعہ کیا تو میں نے اس کو قوت و نقد کی انتہائی بلندیوں پر پایا"
~~~~~~

شخصیات

ریئر ایڈمرل ایم۔ آئی ارشد

حضرت احمد رضا خاں بریلویؒ

دنیائے اسلام ایسی عظیم شخصیتوں سے بھری پڑی ہے جنہوں نے اپنے علم و بصیرت سے ساری دنیا کو سیراب کیا اور جریدۂ عالم پر اپنا دوام ثبت کیا۔ حکیم بو علی سینا، امام رازیؒ، امام غزالیؒ، عمر خیام، البیرونی، الفارابی اور ابن رشد کے نام روشنی کے ایسے مینار ہیں جو رہتی دنیا تک مشہور رہیں گے۔ جن کے علمی کارناموں پر رہتی دنیا تک فخر کیا جائے گا۔ ان میں کوئی فلسفہ و حکمت کا امام ہے تو کوئی ریاضی اور طب کا۔ اور کوئی علوم ہیئت اور فلسفے کا۔ پھر کسی نے فلسفۂ اخلاق میں نام پیدا کیا تو کسی نے فلسفۂ یونان کی شرحیں لکھیں۔ لیکن ان میں سب سے زیادہ حیرت انگیز شخصیت سرزمینِ ہند میں پیدا ہوئی اور موجودہ صدی ہی میں اس دنیا سے رخصت ہو گئی۔

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خاں صاحب بریلوی کی شخصیت ایسی پہلو دار اور جامع کمالات ہے کہ آپ کی شخصیت کے کسی پہلو پر سیر حاصل بحث کے لیئے اس فن کا ماہر ہی کلام کا حق ادا کر سکتا ہے۔ آپ نے پچاس سے زیادہ علوم و فنون میں ہزار سے زیادہ تصانیف چھوڑی ہیں۔ یہ تنوع اور یہ کثرت نہ ان کے دور میں نظر آتی ہے نہ ان کے بعد۔ انہوں نے قرآن کریم کا نادر و بے مثال اردو ترجمہ کیا۔ حدیث و فقہ پر ان کی ایک فاضلانہ تصنیف بارہ جلدوں پر محیط ہے۔ بکثرت کتب و رسائل اس کے علاوہ ہیں۔ ان کے فقیہانہ کمال کا اعتراف کرتے ہوئے حکیم الامت شاعرِ مشرق حضرت علامہ اقبال نے لکھا ہے کہ:۔

"ہندوستان کے دورِ آخر میں ان جیسا طباع اور ذہین فقیہہ پیدا نہیں ہوا۔"

اعلیٰ حضرت امام احمد رضاؒ کی فقہی اور علمی تحقیقات نے علمائے عرب کو ان کی طرف متوجہ کیا۔ ان کے تبحر علمی کو جس جس طرح خراجِ عقیدت پیش کیا گیا شاید اُن سے قبل کسی مذہبی عالم کی اس طرح پذیرائی نہ ہوئی ہو گی۔ جامعہ ریاض سعودی عرب کے ایک عالم، شیخ

عبدالفتاح ابوغدہ لکھتے ہیں کہ :۔

میرے ایک دوست کہیں سفر پہ جا رہے تھے ان کے پاس فتاویٰ رضویہ کی ایک جلد موجود تھی۔ میں نے جلدی جلدی میں ایک عربی فتوے کا مطالعہ کیا۔ عبارت کی روانی اور کتاب وسنت و اقوالِ سلف سے دلائل کے انبار دیکھ کر میں حیران و ششدر رہ گیا۔ اس ایک ہی فتوے کے مطالعے کے بعد میں نے یہ رائے قائم کرلی کہ صاحبِ کتاب کوئی بڑا عالم اور اپنے وقت کا زبردست فقیہہ ہے۔"

ایک اہل زبان عالم کا یہ خراجِ تحسین ان بے شمار آراء میں سے ایک ہے جو امام احمد رضا کے بارے میں یکجا کی جائیں تو ایک دفتر ترتیب پا جائے۔

اردو، فارسی، عربی نظم و نثر پر انہیں جو قدرت حاصل تھی اس کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ داغ دہلوی جیسے استاد اور حسرت موہانی جیسے کامل فن ان کے معترف ہیں فنِ شعرگوئی میں سب سے نازک شعبہ نعت گوئی کا شعبہ ہے اس لیئے کہ بقول علامہ :۔

ع ادب گاہیست زیرِ آسماں از عرش نازک تر

حضور رسالتمآب کے بارے میں لب کشائی کرنا گویا ایک بڑے امتحان سے گزرنا ہے یہاں بھی امام احمد رضاؒ اعلی اللہ مقامہٗ نے ایک منفرد مرتبہ حاصل کیا۔ بقولِ شاعر :۔

ہے نواسنجانِ طیبہ میں بہت اعلیٰ مقام
بلبلِ باغِ مدینہ حضرتِ احمد رضاؒ

اعلیٰ حضرت کی نعتیہ شاعری سادگی و پرکاری کا ایک جہانِ حیرت ہے۔ برِصغیر کے مسلمانوں کی کتنی ہی نسلیں اس بے مثال سلام کو پڑھ اور سن کر پروان چڑھی ہوں گی کہ :۔

مصطفیٰ جانِ رحمت پہ لاکھوں سلام
شمعِ بزمِ رسالت پہ لاکھوں سلام

شاید ہی کوئی ایسا باذوق مسلمان ہوگا جس کو ان نعتوں کے دو چار شعر یاد نہ ہوں گے کہ :۔

واہ کیا جود وکرم ہے شہِ بطحا تیرا
نہیں سنتا ہی نہیں مانگنے والا تیرا
لم یات نظیرک فی نظرِ مثلِ تو نہ شد پیدا جانا
جگ راج کو تاج تورے سر سو ہے تجھکو شہِ دوسرا جانا

یا یہ نعت کہ :۔

حاجیو آؤ شہنشاہ کا روضہ دیکھو
کعبہ تو دیکھ چکے کعبے کا کعبہ دیکھو

اور :۔

چمک تجھ سے پاتے ہیں سب پانے والے
مرا دل بھی چمکا دے چمکانے والے

ایک ایسا قلب جو عشقِ رسول میں بلند مرتبے پر فائز ہو وہی ایسے اثر انگیز مضامین نعتوں میں باندھ سکتا ہے۔ برصغیر کے ایک ایسے جیّد عالم کا تصوّر کیجیے جن کا اثر دوسرے علماء کے مقابلے میں سب سے زیادہ ہو تو اعلیٰ حضرت کا نام ہی ذہن میں آتا ہے۔ ہر مقبولیت اللہ تعالےٰ کے فضل سے ہی ہوتی ہے۔ پروردگار کی عطا کی ہوئی بصیرت، فطری ذہانت و فطانت کے ساتھ ساتھ امام احمد رضاؒ کی ریاضت اور استغراق نے انہیں ایک جیّد عالم متبحّر فقیہہ اور ایک صاحبِ نظر عبقری کا مقام عطا کیا ہے۔ اُن جیسا واقفِ اسرارِ طریقت علومِ دینیہ کے پیاسوں کے لیئے سرچشمۂ فیض کا درجہ رکھتا ہے۔ میرے نزدیک اعلیٰ حضرت کا مقام ایک مجتہد کے ساتھ ساتھ ایک مجاہد کا بھی ہے۔ اس لیئے کہ جب دین کی قدروں کو پامال کیا جا رہا تھا اور فرنگی سازشوں کا جال پھیلا ہوا تھا اس وقت امام احمد رضاؒ نے آگے بڑھ کر دینِ مُبین کی قدروں کو ثبات بخشا۔

ہم پاکستانیوں کے لیئے تو حضرت بریلویؒ کا ایک احسانِ عظیم بلکہ احسانِ مزید کہ ان کے وصال کے بعد بھی گویا ایک فیضِ جاریہ کا درجہ رکھتا ہے۔ اگرچہ آپ کا وصال ۱۹۲۱ء ؁ میں ہوا لیکن یہ اُن کی مساعئ جمیلہ تھیں کہ ۱۹۴۰ء میں برگ و بار لائیں۔ جب قراردادِ پاکستان منظور

ہوئی تو آپ کے اتباع کرنے والے علماء اور صوفیاء تحریکِ پاکستان کی حمایت میں فردِ واحد کی طرح اٹھ کھڑے ہوئے۔

امام احمد رضا صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی پوری زندگی کتاب و سنت کی تبلیغ اور شرک و بدعت کی بیخ کنی میں گزری۔ لامذہب عناصر اور باطل پرستوں کے رد میں آپ نے جس یکسوئی، پامردی اور مجاہدانہ عزم کے ساتھ جہاد فی القلم کیا اس کی مثال اگر دیکھنی ہو تو قرونِ اولیٰ کے بزرگوں میں، اکابر ائمہ کی مبارک زندگیوں میں مل سکتی ہے۔

اللہ کا یہ سپاہی، رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ عاشقِ صادق آج ہمارے درمیان موجود نہیں لیکن اس کی جلائی ہوئی علم کی شمعیں تصانیف اور فتاویٰ کی صورت میں موجود ہیں۔ ہم اور ہماری آنے والی نسلیں ان علمی کارناموں سے استفادہ کریں تو دینِ مبین کو زیادہ بہتر طور پر سمجھ سکتے ہیں اور اپنی دنیا و آخرت سنوار سکتے ہیں۔

آخر میں حضرت احمد رضا بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں ایک اور خوبصورت بات یہ بھی عرض کرتا چلوں کہ آپ نے ساری زندگی کوئی بھی صبح ایسی آغاز نہ کی جو نامِ الٰہی سے شروع نہ ہوتی ہو اور کسی بھی دن کی آخری تحریر درود شریف کے سوا کسی اور لفظ پر ختم نہیں فرمائی۔ سب سے آخری تحریر ۲۵ صفر ۱۳۴۰ھ یوم جمعۃ المبارک کو وصال سے چند لمحے بیشتر سپردِ قرطاس کی۔ وہ یہ تھی:۔

"صَلَّی اللّٰہُ عَلٰی سَیِّدِنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدٍ وَّاٰلِہٖ وَصَحْبِہٖ وَسَلَّمْ اَجْمَعِیْنَ"

گویا ایک مطہر زندگی نبیٔ اطہر صلی اللہ علیہ وسلم کے پاک نام کے ساتھ زندگی دینے والے کے سپرد کر دی۔ ؎

خدا رحمت کند ایں عاشقانِ پاک طینت را

~~~~~ ❖ ~~~~~
~~~~~

ڈاکٹر باربرا مٹکاف امریکہ
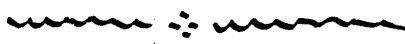
مولانا احمد رضا خاں بریلویؒ

احمد رضاؒ ۱۸۵۶ء میں پیدا ہوئے۔ وہ ابتدا ہی سے غیر معمولی ذہانت اور قوتِ حافظ کی وجہ سے نہایت ممتاز تھے۔ کہا جاتا ہے کہ انہوں نے علی گڑھ کے ضیاء الدین احمد کے ریاضی کے ایک سوال کو حل کر دیا۔ ضیاء الدّین احمد اس کے لیئے جرمنی جانے والے تھے۔ احمد رضاؒ کے قوتِ حافظ کا یہ عالم تھا کہ ان کو قانون کی کتابیں حفظ یاد تھیں۔ اُن کا پہلا استاد اُن کی ذہانت سے اتنا متاثر ہوا کہ ایک دن اُن سے پوچھا کہ تم آدمی ہو یا جن؟ تقریباً چودہ برس کی عمر میں ان کے والد نے فتویٰ لکھنے کی ذمّہ داری ان کو تفویض کی۔ تیس برس کی عمر میں انہوں نے اپنے والد کے ساتھ حج کیا۔ اس موقع پر کعبۃ اللہ کے امام شافعی نے ان کا ہاتھ پکڑا۔ دیر تک ان کو دیکھتے رہے اور پھر کہا کہ وہ احمد رضاؒ کے چہرے پر اللہ کا نور دیکھ رہے ہیں اور اس کے ساتھ ساتھ انہوں نے سلسلۂ قادریہ میں بیعت کی اجازت دی۔ جوانی کے اس زمانے میں ان کو نواب رام پور نے یاد کیا اور جب وہ دربار میں حاضر ہوئے اور نواب نے بیٹھنے کے لیئے چاندی کی کرسی پیش کی تو آپ نے بیٹھنے سے انکار کر دیا۔

احمد رضاؒ پیغمبرؐ اسلام کی عظمت پر بہت زور دیا کرتے تھے۔ انہوں نے حضورؐ کی زندگی پر تقریباً سولہ کتابیں لکھیں اور آپ کی تعریف میں بہت سی اردو نعتیں لکھیں۔ انہوں نے حدیث پر بھی کتابیں لکھیں اور اہلِ بیت پر بھی کتابیں لکھیں۔ احمد رضاؒ اپنی تصانیف اور اپنے مواعظ سے نورِ محمدی پر زور دیتے ہیں۔ جس کے متعلق ان کا دعویٰ ہے کہ اُن کے مخالفین انکار کرتے ہیں۔ احمد رضاؒ یہ بھی یقین رکھتے تھے کہ پیغمبرِ اسلام کو علمِ غیب حاصل تھا۔ احمد رضاؒ نے مختلف طریقوں سے اپنی محبت کا اظہار کیا ہے۔ وہ مولود کی تقریب کو بڑی اہمیت دیتے تھے۔ یہ وہی تقریب ہے

جس کی احمد رضاؒ کے مخالف مخالفت کرتے ہیں۔ احمد رضاؒ مولود کی محفلوں میں تقریر بھی کرتے تھے۔ احمد رضاؒ کو پیغمبرؐ اسلام سے اتنی محبت تھی کہ ایک دن انہوں نے کہا کہ اگر کوئی میرے دل کے دو ٹکڑے کرے تو وہ دیکھے گا کہ ایک پر "لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰه" لکھا ہوا ہے اور دوسرے پر "مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰه"۔ پیغمبرؐ اسلام سے احمد رضاؒ کو اتنی محبت تھی کہ وہ تمام سیّدوں اور اُن کی اولاد کی بے انتہا عزت کرتے تھے۔ ان کا معمول تھا کہ وہ عید کے دن سب سے پہلے ایک سیّد کا ہاتھ چوم کر مبارک باد پیش کرتے تھے۔ احمد رضاؒ اور ان کے خاندان والے مولود کی محفلوں میں سیّدوں کو دوہرا حصّہ دیا کرتے تھے۔

احمد رضاؒ صوفیا کی اہمیت پر بھی زور دیا کرتے تھے۔ مسئلہ "سماعِ موتی" کے متعلق احمد رضاؒ کا خیال یہ تھا کہ نہ صرف یہ کہ اولیاء اللہ قبروں میں سنتے ہیں بلکہ مرنے کے بعد اُن کے تصرفات اور کرامات بھی جاری رہتے ہیں۔ احمد رضاؒ نے اپنی کتاب "حیات الموات" میں وضاحت کی ہے کہ اولیاء اللہ، اللہ کے نور سے دیکھ سکتے ہیں۔ وہ نہ صرف اپنی قبروں کے قریب بلکہ ہر جگہ اللہ کی قدرت سے مدد کر سکتے ہیں۔

احمد رضاؒ نہایت ہی عقیدت سے اولیاء اللہ کا عرس کرتے تھے۔ شاہ عبدالقادر بدایونی برکاتیہ سلسلے کے بزرگ اور عبدالقادر جیلانیؒ کا عرس بڑے اہتمام سے کرتے تھے۔ وہ کہتے تھے کہ علماء کا یہ فرض ہے کہ وہ مسلمانوں کو شریعت کے مطابق زندگی گزارنے کی تلقین کریں۔ مختلف نکات اور مسائل پر احمد رضاؒ کا موقف اُن کی فضیلتِ علمی پر منحصر ہے۔ ان کے متبعین ان کو فقہ کا ایک ممتاز فاضل قرار دیتے ہیں اور ان کے فتاوی کے حوالے پیش کرتے ہیں۔ احمد رضاؒ نے بے شمار سوالات کے جوابات خود بھی دیئے اور اپنے صاحبزادوں اور معاونین سے بھی لکھوائے۔ یہ سوالات اور استفتے ڈاک سے بھی آتے تھے اور سامنے بھی پیش کیے جاتے تھے۔ ان کے فتاوی بارہ جلدوں پر مشتمل ہیں۔ ہر جلد تقریباً ایک ہزار صفحات کی ہوگی۔ استفتے کے ایک ایک نکتے کا جواب سو سو صفحات پر پھیلا ہوا ہے جس میں بے شمار حوالے اور اقتباسات ہیں۔

احمد رضاؒ کا اسلوبِ تحریر امتیازی نشان رکھتا ہے۔ وہ خلوت کو پسند کرتے تھے اور

جب وہ باہر آتے تھے تو لوگ ان کو ہاتھ لگانے کے لیئے لپکتے تھے۔ کوئی اُن کا ہاتھ چومتا تھا اور کوئی پیر۔ احمد رضاؒ نے ایک سرپرست کی حیثیت سے اپنا کردار ادا کیا۔

احمد رضاؒ عید پر اپنے طلباء کو تحفے دیا کرتے تھے۔ نجی تقاریب میں ان کی دعوتیں کرتے تھے۔ ان کے ارد گرد ہندوستان کے بہت سے طلباء جمع تھے اور وہ دعوت میں ہر ایک کے ذوق کا خیال کرتے تھے۔ مثلاً بنگالیوں کے لیئے مچھلی، بہاریوں کے لیئے بریانی زردہ، فرنی اور کباب۔ پنجابی اور افغانیوں کے لیئے تندور کی روٹیاں اور بھنا ہوا گوشت۔ احمد رضاؒ گھریلو تقاریب میں اپنے دوستوں اور رشتہ داروں کو ہر طرح کے ساز و سامان سے نوازتے تھے۔ یہ تمام اخراجات وہ اپنی خاندانی آمدنی اور نذرانوں اور ہدیوں سے پوری کرتے تھے۔ وہ غریبوں پر بہت مہربان تھے۔ حجام کو اپنے پاس بٹھایا کرتے تھے۔ مسکین لوگوں کی دعوت قبول کرتے تھے اور ایسے موقعوں پر اگرچہ وہ گائے کا گوشت نہیں کھاتے تھے لیکن مسکینوں کی دلداری کے لیئے کھالیا کرتے تھے۔ احمد رضاؒ نے ہندوؤں کی عسکری تنظیم آریہ سماج کیخلاف سُنی اسلام کی خدمت کی۔ مثلاً ایک موقع پر ایک آریہ سماج ان کے جوابات سے اتنا متاثر ہوا کہ وہ اُسی وقت مسلمان ہوگیا۔ آریہ سماج والوں نے اسلام پر جو اعتراضات کیئے تھے احمد رضاؒ نے اُن کے جوابات دیئے تھے۔

احمد رضاؒ کی نگارشات کا انداز مدلّل تھا جس میں بے شمار حوالوں کے ڈھیر ہوتے تھے۔ جس سے ان کی علمی اور عقلی فضیلت کا اندازہ ہوتا ہے۔

~~~~~~ ⁘ ~~~~~~
~~~~~~

الحاج محمد زبیر

مولانا شاہ احمد رضا خاں بریلویؒ

جن علمائے کرام نے اپنے قلم، عمل اور قول و فعل سے اسلام کی گرانقدر خدمات انجام دیں ان میں حضرت فاضل بریلوی ایک خاص امتیاز کے مالک تھے۔ آپ مفسّر، محدّث، فقیہہ اور عالم دین ہی نہ تھے بلکہ اس مقدس اور برگزیدہ جماعت کے معزز ترین رکن بھی تھے جس کی نشاندہی قرآن کریم میں یوں کی گئی ہے:۔

"تم میں کچھ لوگ ایسے ضرور رہنے چاہیئں جو نیکی کی طرف بلائیں۔ بھلائی کا حکم دیں اور برائیوں سے روکتے رہیں۔ جو لوگ یہ کام کریں گے وہی فلاح پائیں گے۔"

(۳/۱۰۴)

آپ کی جامع علوم شخصیت کے اوصافِ حمیدہ پر تفصیل سے لکھنا میرے لیے ممکن نہیں ہے البتہ مختصر طور پر اتنا عرض کردوں گا کہ قدرت نے انہیں ذہانت، علمیت، صداقت امانت اور حق گوئی جیسی خوبیوں سے نوازا تھا۔ اہلِ نظر جانتے ہیں کہ انہیں داعئ اسلام سے کتنا گہرا شغف اور کیسی والہانہ محبت تھی۔ وہ چاہتے تھے کہ مسلمان رسولِ خدا کی سچی پیروی کریں اور اس آیتِ مقدسہ کی زندہ صداقت بن کر دنیا کے سامنے آئیں:۔

"اے نبی! لوگوں سے کہہ دیجیئے کہ اگر تم اللہ سے محبت رکھتے ہو تو میری پیروی اختیار کرو۔ اللہ تم سے محبت کرے گا۔ وہ بڑا معاف کرنے والا اور رحیم ہے۔" (۳/۳۱)

یاد رہے کہ حضرت کی زندگی کا ہر گوشہ شریعت اور طریقت کا مکمل نمونہ تھا۔ آپ نے کبھی حدِ شرع سے قدم باہر نہیں رکھا۔ تمام عمر کتاب و سنت کا اتباع و احیاء اور شرک و بدعت کی بیخ کنی کرتے رہے۔ مثلاً سجدۂ تعظیمی سے روکا اور حرمت سجدۂ تعظیمی کا فتویٰ دیا۔ عورتوں

کا زیارت مزارات کے لیئے جانا ناجائز قرار دیا اور شادی غمی کی بے جا رسموں، قرض و سود کی آفتوں سے بچنے کے طریقے بتائے۔

حضرت عظیم المرتبت عالم اور مصنف ہونے کے ساتھ ساتھ شاعر بھی تھے۔ عشق رسولؐ آپ کی شاعری کا خاص موضوع ہے۔ نعت کے خاکوں میں اپنے خون جگر سے ایسے اعلیٰ و پائدار رنگ بھرے کہ وہ سوز و گداز اور درد و اثر کا مجموعہ بن گئی۔ زبان کی لطافت اور پاکیزگی ایک ایک لفظ سے ظاہر ہوتی ہے۔ ان کے کلام کی سادگی، شگفتگی و نغمگی اپنا جواب نہیں رکھتی۔

حضرت کی ان صفاتِ عالیہ کی بدولت آپ کے وطن بریلی شریف کی خاک "گل نوبہارِ عشق" بن گئی اور اس خطۂ پاک سے مخصوص افکار کا چشمہ پھوٹا جو "بریلوی" کہلایا۔ اس کی جاذبیت کا یہ عالم ہے کہ بریلوی مسلک کا نام زبان پر آتے ہی حضرت کی واجب الاحترام شخصیت سامنے آجاتی ہے۔

یہ راقم الحروف کی خوش نصیبی ہے کہ حضرتؒ کا روحانی وطن مارہرہ ہی راقم کا آبائی وطن ہے جو ایک زمانہ میں بڑے بڑے مشائخ اور علماء و فضلا کا مسکن تھا۔ میرے لیئے یہ بھی مقام فخر ہے کہ حضرت کے پیر و مرشد سیدنا شاہ آلِ رسول مارہروی کے مقدس خاندان کے ایک چشم و چراغ حضرت شاہ اسمٰعیل حسنؒ کو خاکسار سے شرف بیعت حاصل تھا۔ آپ کے عالم و فاضل صاحبزادے سیدنا محمد میاں مارہروی بڑے پایہ کے شیخ طریقت اور مصنف تھے۔ انہیں حضرت بریلویؒ سے اتنی گہری عقیدت و وابستگی تھی کہ مارہرہ بھی بریلوی مسلک کا ایک اہم مرکز بن گیا تھا۔ اس کی سرزمین سے بزرگ اٹھے ان میں حضرت آلِ رسول کے علاوہ ان کے بھتیجے حضرت شاہ آل احمدؒ اچھے میاں (متوفی ۱۸۱۹ء) اور اُن کے پوتے حضرت شاہ ابوالحسن نوری میاں بھی دنیائے تصوف کے روشن چراغ تھے۔

شاہ نوری میاں (متوفی ۱۹۰۶ء) کے مریدوں کا حلقہ بھی بہت وسیع تھا۔ حضرت علامہ بریلویؒ کو بھی آپ سے اجازت و خلافت حاصل تھی۔ اس تعلق سے ابھرنے والی عقیدت و محبت کا عکس آپ کے ایک قصیدہ کے اس مطلع میں نظر آتا ہے۔

؎ ہر زرقیاس سے ہے مقامِ ابوالحسینؒ
سدرۃ سے پوچھو رفعتِ بامِ ابوالحسینؒ

حضرت کی ایک مشہور نعت کا یہ مصرعہ بھی اسی عقیدت و محبت کا مظہر ہے :۔

؎ اے رضاؔ یہ احمدِ نوری کا فیضِ نور ہے

آپ کی مایہ ناز تصنیفات و تالیفات آپ کے تبحرِ علمی کی عکاسی کر رہی ہیں۔ ۵۱ علوم میں کتابیں تصنیف کیں۔ علمِ ریاضی، علمِ ہیئت و نجوم میں کمال حاصل کیا۔ تصانیف کی تعداد ایک ہزار سے زائد بتائی جاتی ہے۔ آپ کی ذہانت اور علمیت کا یہ عالم رہا کہ ابھی چار سال کے تھے کہ قرآن مجید کا ناظرہ ختم کر لیا۔ چھ سال کی عمر میں ربیع الاوّل کی ایک تقریب میں میلاد شریف پڑھا۔ آٹھ سال کی عمر میں آپ کی پہلی تصنیف شرح ہدایۃ النحو ظہور پذیر ہوئی۔

کہا جاتا ہے کہ تیرہ برس دس مہینے ہی کی عمر میں تفسیر، حدیث، کلام، فقہ، اصولِ معانی، بیان، تاریخ، جغرافیہ، حساب، منطق اور فلسفہ وغیرہ وعلومِ دینیہ و عقلیہ کی تکمیل کر کے ۱۴ شعبان ۱۲۸۶ھ سندِ فراغت حاصل کی اور اسی دن مسئلہ رضاعت کے متعلق فتویٰ لکھ کر اپنے والدِ ماجد (مولانا نقی علی خاںؒ) کی خدمت میں پیش کیا جو بالکل صحیح تھا۔ والدِ ماجد نے ذہن نقاد و طبع و ناد دیکھ کر اسی وقت سے فتویٰ نویسی کا کام آپ کے سپرد کر دیا۔ حقیقت یہ ہے کہ آپ کے وہبی علوم کسبی علوم پر غالب تھے۔[۲]

---

[۱] حضرت کے مدارجِ عالیہ کا اندازہ اس واقعہ سے لگتا ہے کہ جب مولوی عبد المجید بدایونی (ف ۱۸۲۶ء) کے دل میں مرشدِ کامل سے بیعت ہونے کی آرزو پیدا ہوئی تو عالمِ رویا میں یہ دیکھا کہ آنحضرتؐ کی مجلس میں حضرت شیخ عبد القادر جیلانیؒ، حضرت شیخ فرید الدین گنج شکر اور دیگر اولیائے کرام موجود ہیں۔ حضورؐ کے اشارے سے حضرت شیخ عبد القادر جیلانیؒ نے مولوی عبد المجید بدایونی کا ہاتھ شاہ آلِ احمد مارہروی کے ہاتھ میں دے دیا۔ مولوی صاحب صبح بیدار ہو کر مارہرہ روانہ ہو گئے اور حضرت کی خدمت میں حاضر ہو کر بیعت سے مشرف ہو کر بعدہٗ خلافت سے بھی سرفراز ہوئے (تحقیق کے لیئے دیکھئے تذکرہ علمائے ہند تالیف مولوی رحمان علی۔ مرتبہ و مترجم پروفیسر ڈاکٹر محمد ایوب قادری۔ ص ۳۲۳۔

یہ مخر بھارت کو حاصل ہوا کہ آپ وہاں کے ایک مشہور شہر بریلی میں ۱۸۵۶ء کو پیدا ہوئے اور وہیں ۱۹۲۱ء میں رحلت فرمائی۔ آپ کی ولادت کے وقت ہی قرآن کریم نے یہ بشارت دے دی تھی کہ یہ نومولود مبداء فیاض سے خاص ودیعتیں لے کر آیا ہے اسی فیض ربّانی کی بدولت انہوں نے کسی مصلحت کی خاطر سچائی کا علم کبھی سرنگوں نہیں ہونے دیا۔ انفرادیت ان کی شخصیت کے ہر پہلو کا جوہر رہی۔ مذہبی زندگی میں بھی ان کے مزاج کی انفرادی کیفیت نمایاں تھی مختصر یہ کہ ان کی دینی خدمت، ذہنی جودت اور بے باک صداقت کے جلوے ان کی سیرت کے آئینے میں دیکھے جا سکتے ہیں۔

حضرات ہماری اس دنیا میں لوگ آتے جاتے رہے ہیں۔ پیدائش اور موت کا سلسلہ جاری وساری ہے لیکن فاضل بریلوی جیسے سچے متقی قانون فنا سے محفوظ و مامون رہتے ہیں۔ علامہ اقبال نے سچ کہا ہے کہ :-

"جاں مرتی نہیں مرگ بدن سے"

آخر میں ایک تجویز پیش کرنے کی اجازت چاہتا ہوں۔ اس میں کوئی شک نہیں کیا جا سکتا کہ حضرت ایسے اعلیٰ کتب خانے کے مالک ہوں گے جو بیش بہا قلمی اور مطبوعہ کتابوں سے معمور ہوگا۔ ان قیمتی ذخائر کا جدید طرز پر توضیحی کیٹلاگ مرتب کر دیجئے تاکہ ان کی روشنی میں قارئین حضرت کا حجرۂ الورہ دیکھنے کی سعادتیں حاصل کر لیں۔

---

۲ تذکرۂ نوری۔ مولفہ مولوی غلام شبیر قادری، نوری، بدایونی۔ مرتبہ پروفیسر ڈاکٹر محمد ایوب قادری۔ ص ۱۵-۱۶

۳ تذکرہ نوری میں ہے کہ خود اعلیحضرت نے اپنی ولادت کا سن ہجری اس آیت سے نکالا ہے:-

أُولٰٓئِكَ كَتَبَ فِي قُلُوبِهِمُ الْإِيمَانَ وَأَيَّدَهُم بِرُوحٍ مِّنْهُ

(یہ ہیں وہ لوگ جن کے دلوں میں اللہ نے ایمان نقش فرما دیا ہے اور اپنی طرف کی روح سے ان کی مدد فرمائی ہے۔

حضرت فاضل بریلوی یہ بھی فرمایا کرتے تھے کہ اگر میرے دل کے دو ٹکڑے کر دیئے جائیں تو خدا کی قسم ایک پر لکھا ہوگا "لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ" اور دوسرے پر لکھا ہوگا "مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ"۔

پروفیسر سیّد محمد عارف
(صدر شعبۂ اردو۔ صادق ایجرٹن کالج، بہاول پور)

مولانا احمد رضا خاں بریلویؒ

اور

سرزمینِ سندھ

مولانا احمد رضا خاں بریلویؒ (۱۸۵۶ء۔ ۱۹۲۱ء) اپنے زمانے کے ایسے زبردست فقیہہ تھے کہ جن کی شہرت پاک وہند سے نکل کر دنیا کے دور دراز ممالک تک پہنچ چکی تھی۔ چنانچہ روس، چین، افریقہ، امریکہ، مدینہ منورّہ، مکہ معظمہ، مصر، شام اور افغانستان وغیرہ سے ان کے پاس استفتاء آتے رہے جو فتاویٰ رضویہ کی قلمی اور مطبوعہ مجلدات میں محفوظ ہیں۔ پاکستان اور ہندوستان کے بکثرت مسلمان ان سے مستفید ہوتے رہے اور ہو رہے ہیں۔ ڈاکٹر شیخ محمد اکرام نے بجا طور پر اس امر کا اظہار کیا ہے کہ پاک وہند کے مسلمانوں کی اکثریت پر مولانا بریلویؒ کے گہرے اثرات مرتب ہوئے ہیں۔

اگر صرف پاکستان کے مختلف صوبوں میں مولانا احمد رضا خاںؒ کے اثرات پر تحقیق کی جائے تو ایک کتاب مرتب ہو سکتی ہے۔ سرِدست سرزمینِ سندھ سے مولانا بریلویؒ کے تعلق اور ان کے اثرات کا سرسری جائزہ پیش کیا جاتا ہے۔

۱۹۰۵ء میں مولانا بریلویؒ جب دوسری بار حج سے واپس ہوئے تو کراچی میں سندھ کے مشہور عالمِ دین مولانا عبدالکریم درس (مدرسہ درسیہ کراچی) کے ہاں قیام فرمایا اور یہیں سے واپس بمبئی گئے۔ مولانا درس کا مولانا بریلویؒ سے قلمی اور قلبی رابطہ پہلے سے تھا۔ چنانچہ ان کے خاندانی کتب خانے میں اب بھی مولانا بریلویؒ کے خطوط موجود ہیں

مولانا بریلویؒ کا جب ۱۹۲۱ء میں انتقال ہوا تو مولانا درس نے یہ مادۂ تاریخ نکالا۔

(مقبولِ حق احمد رضا ۱۳۴۰ھ)

اسی طرح سندھ کے ایک بزرگ عالم شیخ ہدایت اللہ بن محمود بن محمد سعید السندی البکری نے ۱۳۳۰ھ میں مدینہ منورہ میں مولانا بریلوی کی عربی تصنیف "الدولۃ المکیۃ" پر عربی میں فاضلانہ تقریظ لکھی جو سات صفحات پر پھیلی ہوئی ہے اس میں مولانا بریلویؒ کے لئے جو القاب انہوں نے تحریر کیئے ہیں ان میں یہ بھی ہیں:-

مجدد المائۃ الحاضرۃ مؤید الملۃ الطاہرۃ

ان الفاظ سے اہلِ سندھ میں مولانا بریلوی کے مقام و مرتبہ کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ اس تقریظ میں شیخ مذکور نے اپنے تاثرات کا اظہار کرتے ہوئے تحریر فرمایا:-

(ترجمہ عربی) "مجھے یقین ہوا کہ جو کچھ حضرت علامہ کے مخالفین نے پروپیگنڈہ کیا تھا کہ مولف علامہ، حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے علم کو اللہ تعالےٰ کے علم کے برابر سمجھتے ہیں، جھوٹ ہے۔ بے ایمان لوگ ہی جھوٹ گھڑا کرتے ہیں، ان لوگوں کی گھٹیا حرکتوں میں یہ ہے کہ اپنی گھڑی ہوئی باتوں کو مشہور کرنے میں کوئی کسر اٹھا نہیں رکھتے۔"

سندھ کے ایک اور عالم اللہ بخش عقیلی ــــــ پاکستان کے سابق وزیر خزانہ ایم۔ ایم عقیلی کے برادر بزرگ ــــــ نے ۱۹۲۲ء میں ٹھٹھ سے اردو میں مولانا بریلویؒ پر ایک مقالہ لاہور بھیجا جو وہاں کے ماہنامہ تصوّف (ستمبر ۱۹۲۲ء) میں شائع ہوا ــــــ اس مقالے کے آخیر میں وہ ایک جگہ لکھتے ہیں:-

"اس مختصر مضمون میں آپ کے اتنے ہی اوصاف بیان ہو سکے اور ان سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ آپ کس پائے کے عالم اور مجدّد تھے۔ مجھے سیدی و مخدومی حضرت پیر شاہ محمد صاحب قادری علیہ الرحمہ کے وہ الفاظ یاد ہیں کہ آپ نے ایک دفعہ وعظ میں فرمایا تھا کہ اعلیحضرت قدس سرہٗ کے نام نامی اسم گرامی احمد رضا سے بذریعہ علم الحروف "مجدد مائۃ حاضرۃ" ثابت کیا جا سکتا ہے۔

نہیں محتاج زیور کا جسے خوبی خدا نے دی
کہ دیکھو خوشنما لگتا ہے کیسا چاند بن گہنے "

(ص ۱۹)

مولانا بریلوی کے صاحبزادگان اور خلفاء بھی سندھ میں آتے رہے۔ چنانچہ مولانا بریلوی کے صاحبزادے مولانا حامد رضا خان کے مولانا ظہور حسین درس سے بڑے گہرے مراسم تھے۔ یہ حضرات سندھ کے دور دراز علاقوں میں بھی جاتے رہے۔ ضلع تھرپارکر کے تعلقہ مٹھی کے ایک ریٹائرڈ ہیڈ ماسٹر کا کہنا یہ ہے کہ ۱۹۳۲ء کے لگ بھگ وہ وہاں خود ایسی مجالس میں شریک ہوئے جس میں بریلی سے علماء کرام تشریف لائے اور اپنی تقاریر سے اہل تھل کو مستفیض فرمایا۔

تحریک پاکستان کے زمانے میں مولانا بریلوی کے خلفاء سندھ میں آتے رہے۔ مولانا بریلوی کے ایک خلیفہ مولانا برہان الحق جبلپوری (جو ہنوز بقید حیات، جبل پور بھارت میں مقیم ہیں) یہاں تشریف لائے ـــــ اس ضمن میں وہ اپنی کتاب "اکرام امام احمد رضا" (مطبوعہ لاہور ۱۹۸۱ء ص ۱۸) میں تحریر فرماتے ہیں:۔

"فقیر نے تعمیر پاکستان میں جو نمایاں حصہ لیا اور مسٹر جناح کے مشن کو تقویت دینے کے لیئے صوبہ پنجاب، صوبہ سرحد اور صوبۂ سندھ کا پورا دورہ کیا اور اس سلسلے میں جو فقیر کی تقریریں ہیں وہ ایک علیحدہ موضوع ہے جو بعونہٖ تعالٰے قلمبند ہے مگر فقیر اپنی شہرت کا نہ کبھی طالب ہوا نہ اس کی اشاعت ضروری سمجھی۔ مسٹر جناح کے ایک شکریئے کا خط بھی محفوظ ہے۔ اللہ تعالٰے میری کوششوں کو قبول فرمائے اور پاکستان کو ہر قسم کے شر و فساد سے محفوظ رکھے۔ آمین۔"

ان حضرات سے تعلق خاطر کا نتیجہ ہے کہ سندھ کے دور دراز علاقوں میں حتیٰ کہ بھارت کی سرحد سے متصل سندھ کے دیہاتوں میں مولانا بریلوی کے عقیدت مند موجود ہیں۔ ایسے ہی ایک عالم کے پاس مولانا بریلوی کی تقریباً تمام مطبوعہ کتابیں اور رسالے موجود ہیں ـــــ سندھ کے بعض مقامی علماء کو دیکھا گیا کہ وارفتگی کی حد تک مولانا بریلوی

سے عقیدت رکھتے ہیں ـــــــ اس کی سب سے بڑی وجہ یہی نظر آتی ہے کہ دونوں کا مرکزی نقطہ ایک ہے یعنی عشقِ رسول ﷺ ـــــــ مولانا بریلویؒ عاشقِ رسول ﷺ تھے اور سندھ کے لوگ بھی طبعاً نیک دل مسلمان اور عشقِ رسول سے سرشار نظر آتے ہیں۔

سندھ سے مولانا بریلویؒ کے تعلق کا بین ثبوت سندھ کے مختلف علاقوں سے بھیجے جانے والے وہ استفتاء ہیں جو فتاویٰ رضویہ میں موجود ہیں۔ مولانا بریلویؒ نے ان کے نہایت فاضلانہ جواب عطا فرمائے ہیں۔

پاکستان کے معرضِ وجود میں آنے کے بعد مولانا بریلویؒ کے ایک خلیفہ مولانا محمد عبد العلیم صدیقی کراچی میں بس گئے اور یہاں نہایت اہم تعلیمی اور تبلیغی خدمات سر انجام دیں۔ نہ صرف سندھ میں بلکہ بیرونی ممالک میں بھی۔ ان کے وصال کے بعد ان کے صاحبزادے مولانا شاہ احمد نورانی اور داماد ڈاکٹر فضل الرحمٰن انصاری نے بھی یہ خدمات جاری رکھیں اور کراچی میں "المرکز الاسلامی" کے نام سے ایک اہم دینی ادارہ قائم کیا۔ مولانا بریلویؒ کے دوسرے خلیفہ مولانا امجد علی اعظمی کے صاحبزادگان علّامہ عبد المصطفیٰ الازہری (شیخ الحدیث دار العلوم امجدیہ کراچی) اور مولانا رضاء المصطفیٰ اعظمی (خطیب جامع مسجد میمن کراچی) اپنی دینی خدمات سے اہلِ سندھ کو مستفیض فرما رہے ہیں۔

مولانا بریلویؒ کے ایک اور خلیفہ مولانا محمد نعیم الدین مراد آبادی کے شاگرد مولانا محمد عمر نعیمی بھی کراچی آکر بسے اور تدریس و تعلیم میں مشغول رہ کر اہم دینی خدمات انجام دیں۔ سندھ کے مشہور عالم جو حال ہی میں ایک حادثے میں شہید ہوئے ہیں یعنی مولانا عبد اللہ مکرانی نعیمی انہیں کے شاگرد تھے۔

سندھ سے روحانی تعلق کے علاوہ مولانا بریلوی کا تعلق نسبی بھی ہے اور وہ یہ کہ پیر جو گوٹھ (ضلع سکھر) میں جامعہ راشدیہ کے شیخ الجامعہ مولانا تقدس علی خان صاحب سے مولانا بریلویؒ کی پوتی منسوب ہیں۔ موصوف سندھ کے متبحر علماء میں ہیں اور برس ہا برس سے یہاں دینی خدمات انجام دے رہے ہیں۔

سندھ کے بعض دینی مدارس مولانا بریلویؒ یا ان کے خلفاء کے نام پر رکھے گئے ہیں مثلاً سکھر کا جامعہ غوثیہ رضویہ، کراچی کا دارالعلوم حامدیہ رضویہ اور شمس العلوم جامعہ رضویہ وغیرہ مولانا بریلوی کے نام سے منسوب ہیں۔ اسی طرح کراچی کا دارالعلوم امجدیہ، مولانا بریلویؒ کے خلیفہ مولانا امجد علی اعظمی کے نام پر ہے اور دارالعلوم نعیمیہ کی نسبت مولانا محمد نعیم الدین مرادآبادی سے ہے۔

اب مولانا بریلوی کی شخصیت اور ان کے کاموں پر سب سے زیادہ کام سندھ میں ہو رہا ہے۔ سندھ کے ایک فاضل مولوی گلزار حسین نے مولانا بریلویؒ کی کتاب تمہید الایمان کا سندھی میں ترجمہ کیا جو لاہور سے شائع ہو چکا ہے۔ اسی طرح پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد گذشتہ گیارہ برس سے مولانا بریلوی پر تحقیقی کام کر رہے ہیں ان کی بہت سی کتب، مقالات اور مضامین شائع ہو چکے ہیں جنہیں نہ صرف ہند و پاکستان بلکہ دنیا کے دوسرے ممالک میں قدر کی نگاہوں سے دیکھا گیا۔ فاضل بریلوی پر ان کی کتابیں حیاتِ فاضل بریلوی neglected genius of East، فاضل بریلویؒ اور ترکِ موالات، فاضل بریلوی علمائے حجاز کی نظر میں، گناہِ بے گناہی بہت اہمیت کی حامل ہیں ـــــ اسی طرح سید محمد ریاست علی قادری (ادارہ تحقیقات امام احمد رضا، کراچی) مفتی سید شجاعت علی قادری اور مولانا شمس بریلوی بھی مولانا بریلویؒ پر بہت سی اہم کتب شائع کر چکے ہیں مثلاً ـــــ کلامِ اعلیحضرت کا تحقیقی جائزہ ـــــ مجموعہ رسائل (چار جلدیں) ـــــ معارفِ رضا ـــــ مجدد الامۃ ـــــ وغیرہ۔

مکتبہ رضویہ کراچی نے بھی بعض اہم کتب شائع کیں مثلاً۔ ترجمہ قرآن کنز الایمان، الدولۃ المکیہ، امام احمد رضا اربابِ علم و دانش کی نظر میں، فتاویٰ رضویہ وغیرہ۔

پروفیسر شاہ فرید الحق (کراچی) نے ترجمہ قرآن کا انگریزی ترجمہ کیا اور اس پر حواشی لکھے۔ اس کی چند اقساط ورلڈ اسلامک مشن کے انگریزی رسالے The message International میں منظرِ عام پر آ چکی ہیں۔ یہ ترجمہ مع حواشی کراچی سے شائع ہونے والا ہے۔ شاہ تراب الحق نے دیوانِ حدائق بخشش اور بعض دیگر کتب و رسائل شائع کیے۔

سندھ یونیورسٹی کے پروفیسر ڈاکٹر غلام مصطفےٰ خان نے بھی مولانا بریلویؒ پر لکھا ہے
آر۔بی مظہری نے مولانا بریلوی پر سندھ یونیورسٹی سے ایم۔فل کیا ہے۔ آر۔بی صدیقی نے
بھی اہم کام کیا ہے۔ الغرض سندھ میں مولانا بریلوی پر لکھنے والوں کا ایک طویل سلسلہ ہے
جو اس مختصر مضمون میں نہیں سما سکتا۔

اشاعتی میدان میں کراچی کے مشہور ادارے مدینہ پبلشنگ کمپنی اور مکتبہ رضویہ اہم کام
کر رہے ہیں اور مولانا بریلویؒ کی تصانیف اور فتاوے شائع کر رہے ہیں۔ اس کے علاوہ ادارہ
تحقیقات امام احمد رضا اور ادارہ معارفِ رضا بھی اپنی سی کوششوں میں مصروف ہیں۔

المختصر سرزمینِ سندھ میں مولانا احمد رضا خاں بریلویؒ کے اثرات کا جائزہ لینے سے پتہ
چلتا ہے کہ شروع ہی سے سندھ کے علماء اور عوام مولانا بریلویؒ سے مانوس، ان کے عقیدتمند
اور مداح تھے۔ اور خود مولانا بریلوی، ان کے صاحبزادے، خلفاء اور تلامذہ کو بھی اہلِ سندھ
سے بڑی محبت تھی ــــــ اہلِ سندھ کی محبت کا بین ثبوت تو یہ ہے کہ یہاں کے علماء،
دانشور آپ کو چودھویں صدی کا مجدد سمجھتے تھے جیسا کہ شیخ ہدایت اللہ السندی اور اللہ بخش
عقیلی کے مذکورہ بیانات سے ظاہر ہوتا ہے ــــــ اہلِ سندھ سے مولانا بریلویؒ کی
محبت کا تقاضا ہے کہ یہاں کے دانشور زیادہ سے زیادہ ان کے پیغام کو پھیلائیں کہ یہ پیغام
اتحادِ ملتِ اسلامیہ کی اساس ہے۔

پروفیسر محمد صدیق

پروفیسر حاکم علی
کی
امام احمد رضا سے عقیدت

مولوی صاحب حضرت امام احمد رضا[۱۱۴] سے والہانہ عقیدت رکھتے تھے۔ وہ ان کے علم و فضل سے اس حد تک متاثر تھے کہ ان کو اپنا اُستاد مانتے تھے۔ مولوی صاحب ان کو "آقائے نامدار[۱۱۵]" اور "یا سیدی[۱۱۶]" کے الفاظ سے مخاطب کیا کرتے تھے۔ وہ ان سے ملنے کے لئے اکثر بریلی جایا کرتے تھے۔ ان دو بزرگوں کے مابین خطوط کا تبادلہ بھی ہوا کرتا تھا۔ اعلیٰ حضرت نے مولوی صاحب کو "مجاہد اکبر[۱۱۷]" کا خطاب دے رکھا تھا۔ وہ بھی مولوی صاحب کی محبت کے معترف تھے۔ مولوی حاکم علی اُلجھے ہوئے علمی، مذہبی اور سائنسی مسائل کے متعلق بذریعہ مراسلت ان سے تبادلۂ خیال کیا کرتے

---

۱۱۴ حضرت امام احمد رضا بریلوی (۱۰ شوال ۱۲۷۲ھ/۱۴ جون ۱۸۵۶ء — ۲۵ صفر ۱۳۴۰ھ/۲۸ اکتوبر ۱۹۲۱ء) بن مولانا نقی علی خاں بریلوی (م ۱۲۹۷ھ/۱۸۸۰ء) علوم دینیہ، عقلیہ اور نقلیہ میں حیرت انگیز ذکاوت رکھتے تھے۔ — جدید و قدیم فلسفہ پر ان کی گہری نظر تھی وہ علم ریاضی، علم کیمیا، علم فلکیات اور جدید سائنسی رجحانات میں ماہر تھے انہوں نے اپنی علمی بصیرت کی بنا پر بڑے بڑے فلسفہ دانوں اور سائنس دانوں پر تنقید کی۔ وہ اپنے دعوے کے ثبوت میں نظری اور عملی دلائل پیش کیا کرتے تھے، کثیر التصانیف بزرگ تھے۔ انہوں نے ایک ہزار کے قریب تصانیف یادگار چھوڑی ہیں۔

بقول پروفیسر ڈاکٹر محمد ایوب قادری —— "علوم ریاضی و توقیت و تکسیر میں بھی وہ بے مثل تھے —— تا آنکہ یورپ کی یونیورسٹیوں کے بعض ممتاز فاضل بھی اس حقیقت کے معترف تھے"

پیغامات یوم رضا (۱۳۹۱ھ/۱۹۷۱ء) مرتبہ محمد مقبول احمد قادری مطبوعہ لاہور ۱۹۷۲ء، ص ۴۰)

۱۱۵ الحجۃ المؤتمنہ فی آیۃ الممتحنہ، مطبوعہ بریلی ۱۹۲۱ء، حاشیہ ص ۲

۱۱۶ نزول آیات فرقان بسکون زمین و آسمان مطبوعہ نوری کتب خانہ لاہور ص ۲

۱۱۷ نزول آیات فرقان بسکون زمین و آسمان مطبوعہ نوری کتب خانہ لاہور ص ۶

تھے۔ امام احمد رضا کی دو مستقل تصانیف درحقیقت مولوی صاحب کے دو سوالات کے جوابات پر مبنی ہیں، جو مولوی صاحب نے مختلف موقعوں پر امام احمد رضا کی خدمت میں ارسال کئے تھے۔ ان دو کتابوں کا مختصر تعارف پیش کیا جاتا ہے :۔

۱۔ نزولِ آیاتِ فرقان بسکونِ زمین و آسمان ۱۳۳۹ھ

۲۔ الحجۃ المؤتمنہ فی آیات الممتحنہ ۱۳۳۹ھ

۱۔ نزولِ آیاتِ فرقان بسکونِ زمین و آسمان

اِس مختصر مگر جامع کتاب کی وجہِ تحریر بھی مولوی صاحب کی ذات ہے۔ مولوی حاکم علی نے ۱۴ جمادی الاوّل ۱۳۳۹ھ/۲۴ جنوری ۱۹۲۱ء کو بزبانِ عربی و فارسی ایک خط امام احمد رضا کی خدمت میں ارسال کیا۔ اس میں حرکتِ زمین کی تائید میں بعض قرآنی آیات کے ساتھ تفسیرِ جلالین اور تفسیرِ حسینی سے بعض عبارات پیش کیں۔ اس کے علاوہ سائنس کی کتابوں سے بھی حوالے درج کئے اور امام احمد رضا سے درخواست کی کہ وُہ حرکتِ زمین کے قائل ہو جائیں۔ وُہ حرکتِ زمین کے قائل نہ تھے اور نہ ہی ہُوئے۔

اعلیٰ حضرت احمد رضا نے بعنوان مذکورہ بالا ۲۴ صفحات پر مشتمل ایک رسالہ قلم بند کیا۔ اس کتابچہ میں اُنہوں نے ردِّ حرکتِ زمین پر اپنے دلائل پیش کرتے ہُوئے مذکورہ بالا دو تفاسیر کے علاوہ ۲۸ دیگر تفاسیر سے حوالے پیش کئے اور مولوی حاکم علی کے دلائل کو ضعیف قرار دیتے ہوئے جدید سائنس دانوں مثلاً نیوٹن، آئن سٹائن اور البرٹ ایف پورٹا پر شدید تنقید کی۔ وُہ لکھتے ہیں کہ "یُورپ والوں کو طریقہ استدلال اصلاً نہیں ہے، اُنہیں اثباتِ دعویٰ کی تمیز نہیں"[۱۱۸]

مولوی صاحب نے ان سے اپنے خط کے اختتام پر التجا کی تھی: "غریب نواز! کرم فرما کر میرے ساتھ متفق ہو جاؤ تو پھر انشاء اللہ العزیز سائنس کو اور سائنس دانوں کو مُسلمان کیا ہُوا (پائیں گے)"[۱۱۹]

---

۱۱۸ نزولِ آیاتِ فرقان بسکونِ زمین و آسمان، ص ۳۰

۱۱۹ نزولِ آیاتِ فرقان بسکونِ زمین و آسمان، ص ۵

اعلیٰحضرت امام احمد رضا نے مولوی صاحب کی اس التجا کے جواب میں تحریر کیا :-

"محب فقیر! سائنس یُوں مُسلمان نہ ہوگی کہ اسلامی مسائل کو آیات و نصوص میں تاویلات دُور از کار کر کے سائنس کے مُطابق کر لیا جائے۔ یُوں تو معاذ اللہ اسلام نے سائنس قبول کی، نہ کہ سائنس نے اسلام ؟ وُہ مُسلمان ہوگی تو یُوں کہ جتنے مسائل سے اُسے خلاف (اختلاف) ہے، سب میں مسئلۂ اسلامی کو روشن کیا جائے دلائل سائنس کو مردُود و پامال کر دیا جائے۔ جا بجا سائنس ہی کے اقوال سے مسئلۂ اسلامی کا اثبات ہو، سائنس کا ابطال و اسکات ہو، یُوں قابُو میں آئے گی، اور یہ آپ جیسے فہیم سائنس دان کو باذنہٖ تعالیٰ دُشوار نہیں"۔[۱۲۰]

جناب مفتی تقدس[۱۲۱] علی خان بیان کرتے ہیں کہ مَیں نے اپنے زمانۂ طالب علمی میں دیکھا ہے کہ جب کبھی مولوی حاکم علی بریلی شریف آیا کرتے تھے تو مولوی صاحب اور اعلیٰحضرت احمد رضا خاں مختلف سائنسی آلات کو کنوئیں میں معلق کر کے حرکتِ زمین یا ردِّ حرکتِ زمین کے متعلق تجربات کیا کرتے تھے اور اس مسئلہ پر مفصّل و مدلّل بحث ہوا کرتی تھی۔ اگرچہ اس وقت اس بحث و دلائل کی مجھے سمجھ نہیں آتی تھی۔ پھر بھی مَیں بغور اِس دلچسپ کھیل کو دیکھا کرتا تھا۔[۱۲۲]

مولانا حسنین[۱۲۳] رضا خاں اپنی قلمی یادداشتوں میں لکھتے ہیں :-

"لاہور کالج کے پروفیسر حاکم علی صاحب نے جب یہ سُنا کہ اعلیٰحضرت قبلہ سائنس بھی خوب جانتے ہیں۔ وُہ اُس وقت لاہور کالج میں پروفیسر تھے، سائنس کے بعض مسائل میں اُلجھے ہُوئے تھے، وُہ انہی مسائل میں تبادلۂ خیال کے لیے چھٹی لے کر

۱۲۰؎ نزُولِ آیاتِ فرقان بسکونِ زمین و آسمان مطبوعہ نوری کُتب خانہ لاہور، ص ۳۱

۱۲۱؎ مفتی تقدس علی خان، شیخ الجامعہ قادریہ پیر جو گوٹھ، آپ اعلیٰحضرت احمد رضا خان کے ہم جدّ اور شاگرد ہیں اور ان کے بڑے صاحب زادے مولانا حامد رضا خان بریلوی کے داماد ہیں۔

۱۲۲؎ ازافادات حکیم محمد مُوسیٰ صاحب امرتسری ریلوے روڈ لاہور

۱۲۳؎ مولانا حسنین رضا خاں مرحوم، امام احمد رضا بریلوی کے برادرِ اصغر مولانا شاہ حسن رضا خاں (باقی بر صفحہ آئندہ)

بریلی آئے اور ان مسائل کے متعلق روزانہ وہ کسی سائنس کے مسئلے پر تبادلۂ خیال کرتے تھے۔ تقریباً ایک مہینے تک تبادلۂ خیال کیا، واپسی کے وقت اپنے سفر کی کامیابی پر بہت خوش تھے۔ اس مدت میں وہ اعلیٰ حضرت کے مہمان بھی رہے۔"[۱۲۴]

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ)

حسن بریلوی (۲۲ ربیع الآخر ۱۲۷۶ھ — ۳ شوال ۱۳۲۶ھ / ۲۹ اکتوبر ۱۹۰۸ء) کے منجھلے بیٹے تھے۔ ۱۳۱۰ھ میں بریلی میں پیدا ہوئے۔ دار العلوم منظرِ اسلام، بریلی اور مدرسہ ارشاد العلوم، رام پور میں تعلیم حاصل کی۔ امام احمد رضا سے بھی اکتسابِ علم کیا۔ "منظرِ اسلام" بریلی میں تدریسی خدمات کے ساتھ "حسنی پریس" بھی قائم کیا۔ امام احمد رضا خاں کی کتابیں ان کی نگرانی میں اسی پریس میں چھپتی رہی ہیں۔ مولانا احمد رضا خاں کی ایک صاحبزادی آپ سے منسوب تھیں۔ جماعت رضائے مصطفےٰ کے سرگرم رکن تھے اور ماہوار جریدہ "الرضا" کے مدیر تھے۔ بے داغ شعر کہتے تھے۔ ۱۴ دسمبر ۱۹۸۰ء کو بریلی میں فوت ہوئے۔ ان کی معروف تصنیف "دنیائے اسلام کے اسبابِ زوال" کو عظیم پبلی کیشنز، لاہور نے بڑے اہتمام سے شائع کیا ہے۔

ان کی مندرجہ ذیل تصانیف مشہور ہیں :-

۱۔ وحشتِ کربلا (۲) نظامِ شریعت (۳) دعا یا شریف (۴) دنیائے اسلام کے اسباب زوال

[۱۲۴] مراسلہ بنام ظہور الدین خاں مؤرخہ ۲۵ جنوری ۱۹۸۳ء از پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد پرنسپل گورنمنٹ ڈگری کالج ٹھٹھہ، سندھ

بلا شبہ زمین تھمی ہے آسمان پھرتے ہیں وہ تو نہیں اُن چکر کے قائل اہل جہل ہیں

ثبوت چاہو تو دیکھو افادات

اعلیحضرت عظیم البرکۃ مجدد دین وملت رضی اللہ تعالٰے عنہ

مسمٰے بنام تاریخی

نزول آیات فرقان بسکون زمین و آسمان

۱۳۳۹ھ

جس کو مالک مطبع

مولنا محمد حسنین رضا خاں صاحب ابن عاشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم استاد زمن مولنا حسن مرحوم نے

اپنے

حسنی پریس محلہ سوداگران بریلی میں چھپایا اور شائع کیا

بار اول ۱۰۰۰

خورشید رقم

قیمت ۲ر

سرورق رسالہ "نزولِ آیاتِ فرقان بسکونِ زمین و آسمان" از امام احمد رضا مطبوعہ بریلی سنہ ۱۹۲۱ء

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم

مسئلہ از موتی بازار لاہور مسئولہ مولوی حاکم علی صاحب ۲۴ جمادی الاولی ۱۳۳۹ھ

یاسیدی اعلیٰحضرت سلکم اللہ تعالےٰ۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ امابعد ھذا من تفسیر جلالین (ان اللہ یمسک السمٰوٰت والارض ان تزولا) ای یمنعہما من الزوال وایضا (اولم تکونوا اقسمتم) حلفتم (من قبل) فی الدنیا (مالکم من) زائدۃ (زوال) عنہا الی الاٰخرۃ وایضا (وان) ما (کان مکرہم) وان عظم (لتزول منہ الجبال) المعنی لایعبأ بہ ولایضر الا انفسہم والمراد بالجبال ہنا قبل حقیقتہا وقیل شرائع الاسلام المشبھۃ بہا فی القرار والثبات وفی قراءۃ بفتح لام لتزول ورفع الفعل فان مخففۃ والمراد تعظیم مکرہم وقیل المراد بالمکر کفرہم ویناسبہ علی الثانیۃ تکاد السمٰوٰت یتفطرن منہ وتنشق الارض وتخر الجبال ھدا وعلی الاول ماقرئ وماکان۔ دستر دار من دامت برکاتکم واین است از تفسیر حسینی ان اللہ بدرستیکہ خدائے تعالےٰ یمسک السمٰوٰت والارض نگاہ میدارد آسمانہا وزمین را ان تزولا برائے آنکہ زائل نہ شوند از اماکن خود چہ ممکن را در حال بقا ناچار است ازنگاہ دارندہ آوردہ اندکہ چوں یہود ونصاریٰ عزیر وعیسیٰ را بفرزندی حق سبحٰنہ نسبت کردند آسمان و زمین نزدیک بآں رسید کہ شگافتہ گردد حق تعالےٰ فرمود کہ من بقدرت نگاہ می دارم ایشاں را تاازمحل نیابند یعنی ازجائے خود نروند وایضاً اولم تکونوا درجواب ایشاں گویند فرشتگان آیا نبودید شما کہ از روئے مبالغہ اقسمتم من قبل سوگند می خوردید پیش ازیں در دنیا کہ شما پایندہ وخوابیدہ بودید

لہ والمعنی ان کان مکرہم من الشدۃ بحیث تزول منہ الجبال وتنقلع عن اماکنہا ۱۲ منہ

رسالہ "نزول آیات فرقان بسکون زمین وآسمان" کا صفحہ ۲

آپ نے اپنا لقب مجاہد کبیر رکھا ہے مگر میں تو اپنے تجربے سے آپکو مجاہد اکبر کہہ سکتا ہوں حضرت مولٰنا الاسد الاسد الاشد مولوی محمد وصی احمد صاحب محدث سورتی رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ کا لہجہ جلد سے جلد حق قبول کر لینے والا میں نے آپ کی برابر نہ دیکھا اپنے جمے ہوئے خیال سے فوراً حق کی طرف رجوع لے آنا جس کا میں بارہا آپ سے تجربہ کر چکا نفس سے جہاد ہے اور نفس سے جہاد جہاد اکبر ہے تو آپ اس میں مجاہد اکبر ہیں بارک اللہ تعالٰی تقبل آمین۔ امید ہے کہ بعونہ تعالٰی اس مسئلہ میں آپ ایسا ہی جلد از جلد قبول حق فرمائیں گے کہ باطل پر ایک آن کے لیے بھی اصرار میں نے آپ سے نہ دیکھا وللہ الحمد۔
اسلامی مسئلہ یہ ہے کہ زمین و آسمان دونوں ساکن ہیں کواکب چل رہے ہیں کل فی فلک یسبحون ہر ایک ایک فلک میں تیرتا ہے جیسے پانی میں مچھلی۔ اللہ عزوجل کا ارشاد آپ کے پیش نظر ہے ان اللّٰہ یمسک السمٰوٰت والارض ان تزولا ولئن زالتا ان امسکھما من احد من بعدہ انہ کان حلیما غفورا ۝ بیشک اللہ آسمان و زمین کو روکے ہوئے ہے کہ سرکنے نہ پائیں اور اگر وہ سرکیں تو اللہ کے سوا انھیں کون روکے بیشک وہ حلم والا بخشنے والا ہے۔ میں یہاں اولاً اجمالاً چند حرف گزارش کروں کہ ان شاء اللہ تعالٰی آپ کی حق پسندی کو وہی کافی ہوں پھر مفصل تفصیل۔ **اجمال** یہ کہ افقہ الصحابہ بعد الخلفاء الاربعہ سیدنا عبد اللہ ابن مسعود صاحب سر رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم حضرت حذیفہ بن الیمان رضی اللہ تعالٰی عنہم نے اس آیہ کریمہ سے مطلق حرکت کی نفی لی یہاں تک کہ اپنی جگہ قائم رہ کر محور پر گھومنے کو بھی زوال بتایا (دیکھیے نمبر ۲) حضرت امام ابو مالک تابعی ثقہ جلیل تلمیذ حضرت عبد اللہ ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما نے زوال کو مطلق حرکت سے تفسیر کیا (دیکھیے آخر نمبر ۲) ان حضرات سے زائد عربی زبان و معانی قرآن سمجھنے والا کون۔ علامہ نظام الدین حسن نیشاپوری نے تفسیر رغائب الفرقان میں اس آیہ کریمہ کی یہ تفسیر فرمائی (ان تزولا)

رسالہ نزول آیات فرقان بسکون زمین و آسمان کا صفحہ ۵

المحجۃ المؤتمنہ فی آیۃ الممتحنہ[125]

اِس کتاب کے ظہور کا سبب بھی مولوی صاحب کا ایک سوال ہے جو انہوں نے اعلیٰحضرت کی خدمت میں ۲۵ اکتوبر ۱۹۲۰ء کو ارسال کیا تھا آپ لکھتے ہیں "اللہ تعالیٰ نے ہمیں کافروں اور یہود و نصاریٰ کے ساتھ تولّی سے منع فرمایا ہے۔ مگر ابوالکلام زبردستی تولّی کے معنی معاملت اور ترکِ موالات کو ترکِ معاملت "نان کوآپریشن" قرار دیتے ہیں ——— (انہوں) نے ۲۰ اکتوبر ۱۹۲۰ء کی جنرل کونسل کی کمیٹی میں تشریف لا کر اطلاق یہ کر دیا کہ جب تک اسلامیہ کالج لاہور کی سرکاری امداد بند نہ کی جائے۔ اور یونیورسٹی سے اس کا قطع الحاق نہ کیا جاوے تب تک انگریزوں سے ترکِ موالات نہیں ہو سکتی اور اسلامیہ کالج کے لڑکوں کو فتویٰ دے دیا کہ اگر ایسا نہ ہو تو کالج چھوڑ دو، لہٰذا اس طرح سے کالج میں بے چینی پھیلا دی کہ پھر پڑھائی کا سخت نقصان ہونا شروع ہو گیا۔"[126]

مولوی صاحب کے اِس خط کے جواب میں امام احمد رضا نے مذکورہ عنوان کے تحت .. صفحات پر مشتمل ایک کتاب تحریر کی جس میں اس بحث کو قرآن و حدیث کی روشنی میں نہایت خوبصورت انداز میں سمیٹ دیا ہے۔ اس دور میں مولانا ابوالکلام آزاد، مولانا محمد علی جوہر، مولانا ظفر علی خاں، مولانا شوکت علی، حکیم اجمل خاں، ڈاکٹر سیف الدین کچلو، مولانا آزاد سبحانی اور مولوی محمود حسن تحریکِ ترکِ موالات کو کامیاب بنانے کے لیئے علی گڑھ یونیورسٹی اور اسلامیہ کالج لاہور کو اپنا آلۂ کار بنانا چاہتے تھے۔ مگر مولوی حاکم علی مسلمانوں کی تعلیمی اور اقتصادی پسماندگی کے پیشِ نظر مسلمان طلباء کو اس تحریک کا سپاہی بننے سے روک رہے تھے اور کسی حد تک اپنے اس مقصد میں کامیاب تھے کیونکہ طلباء اور والدینِ طلباء کی اکثریت ان کے مخالف تھی۔ وہ تعلیم کے حصول کے حق میں تھے۔

---

[125] ہند وکیا ہے؟ سمجھنے کے لیئے یہ تاریخی کتاب حرفِ آخر کی حیثیت رکھتی ہے، تحریکِ آزادیٔ ہند خصوصاً تحریکِ ترکِ موالات وغیرہ کے باب پہ تحقیقی کام کرنے والوں کو اس کا مطالعہ کرنا چاہیئے مشہور مؤرخ رئیس احمد جعفری نے اپنی کتاب "اوراقِ گم گشتہ" (مطبوعہ لاہور ۱۹۶۸ء) میں مذکورہ پوری کتاب شامل کر دی ہے۔

[126] المحجۃ المؤتمنہ فی آیت الممتحنہ مطبوعہ بریلی ۱۹۲۱ء، ص ۲

مسلمانو! یہ سچے اوراق غور و انصاف سے ایک نگاہ دیکھو کہ تمہارا ایمان جو بچا رہے

بحمدہ تعالیٰ
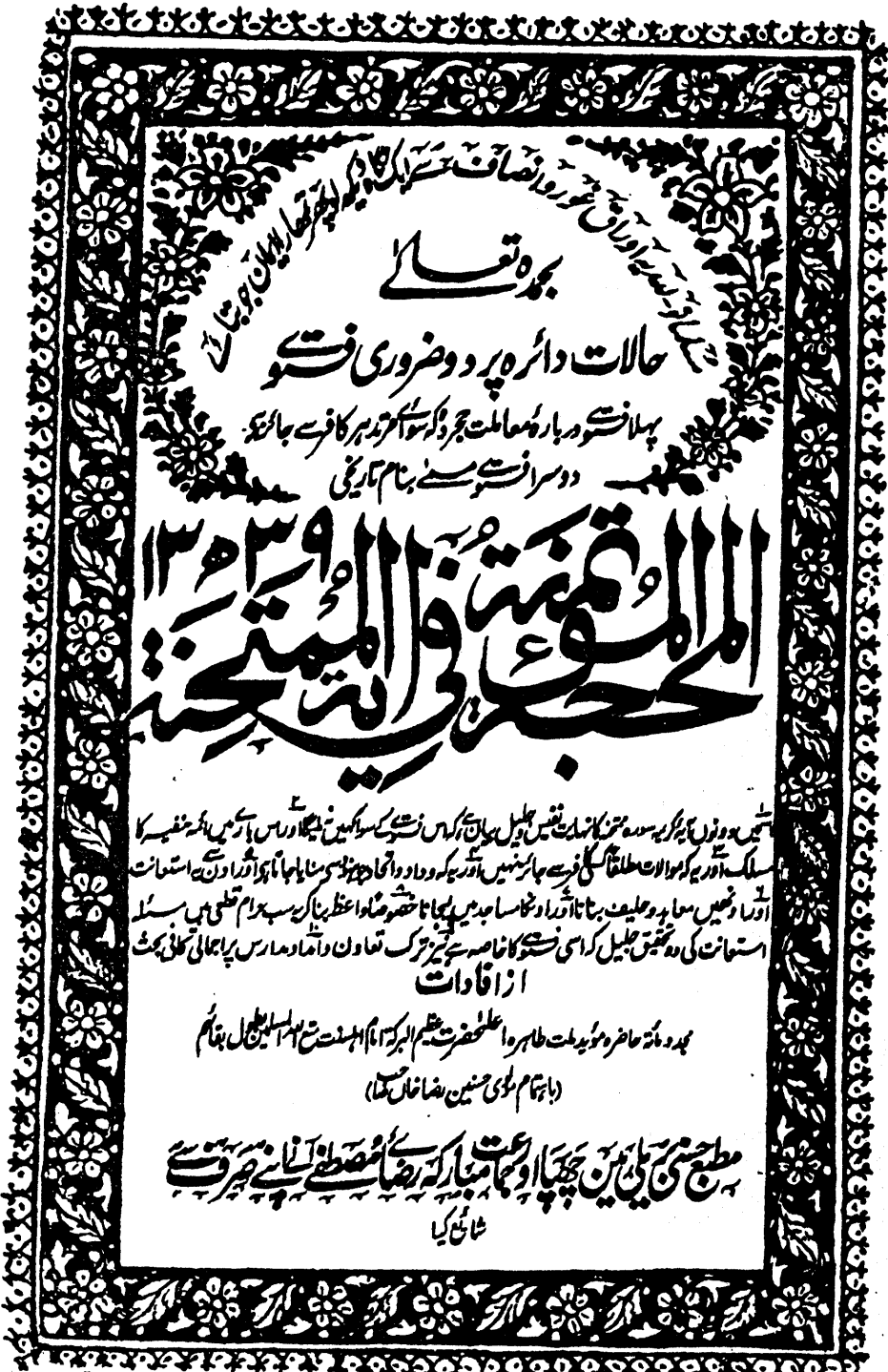
حالات دائرہ پر دو ضروری فتوے

پہلا فتوے دربارۂ معاملت مجرد کہ سوا مرتد ہر کافر سے جائز ہے

دوسرا فتوے مسمّٰی بنام تاریخی

المحجة المؤتمنة فی آیة الممتحنة ۱۳۳۹ھ

جس میں دونوں آیۂ کریمہ سورۂ ممتحنہ کا نہایت نفیس و جلیل بیان ہے کہ اس فتوے کے سوا کہیں نہ ملیگا اور اس بارے میں ائمۂ حنفیہ کا مسلک اور یہ کہ موالات مطلقاً کسی کافر سے جائز نہیں اور یہ کہ وداد و اتحاد ہنود جو منایا جاتا ہے اور ان سے استعانت اور انہیں معاہد و حلیف بنانا اور ان کو مساجد میں لیجانا خصوصاً واعظ بنانا یہ سب حرام قطعی ہیں مسئلہ استعانت کی وہ تحقیق جلیل کہ اسی فتوے کا خاصہ ہے نیز ترک تعاون و امداد مدارس پر اجمالی کافی بحث

از افادات

مجدد مائۃ حاضرہ مؤید ملت طاہرہ اعلیحضرت عظیم البرکۃ امام اہلسنت متع اللہ المسلمین بطول بقائہم

(باہتمام مولوی حسنین رضا خاں صاحب)

مطبع حسنی بریلی میں چھپا و جماعت مبارکہ رضائے مصطفےٰ نے اپنے صرف سے شائع کیا

بار اول ... مجلد

قیمت ۱۲ ر

سرورق: رسالہ "المحجة المؤتمنة" مصنفہ امام احمد رضا مطبوعہ بریلی ۱۹۲۱ء

۲

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم

مسئلہ مرسلہ مولوی حاکم علی صاحب بی۔ اے حنفی نقشبندی مجددی پروفیسر سائنس اسلامیہ کالج لاہور ۱۴ صفر ۱۳۳۹ھ

اللہ تعالےٰ نے ہمیں کافروں اور یہود و نصاریٰ کیساتھ تولی سے منع فرمایا ہے مگر ابوالکلام زبردستی تولّی کے معنی معاملت اور ترک موالات کو ترک معاملت "نان کوآپریشن" قرار دیتے ہیں اور یہ صریح زبردستی ہے جو اللہ تعالےٰ کے کلام پاک کے ساتھ کی جا رہی ہے مذکور نے ۲۰۔ اکتوبر ۱۹۲۰ء کی جنرل کونسل کی کمیٹی میں تشریف لاکر اطلاق یہ کر دیا کہ جبتک اسلامیہ کالج لاہور کی سرکاری امداد بند نہ کیجائے اور یونیورسٹی سے اسکا قطع الحاق نہ کیا جاوے تب تک انگریزوں سے ترک موالات نہیں ہو سکتی اور اسلامیہ کالج کے لڑکوں کو فتوی دیدیا کہ اگر ایسا نہو تو کالج چھوڑ دو لہذا اسطرح سے کالج میں ہیجنی پھیلادی کہ پھر پڑھائی کا سخت نقصان ہونا شروع ہوگیا علامہ مذکور کا یہ فتوےٰ غلط ہے یونیورسٹی کے ساتھ الحاق قائم رہنے سے اور امداد لینے سے معاملت قائم رہتی ہے نہ کہ موالات جنکے معنی محبت کے ہیں نہ کہ کام کے جو کہ معاملت کے معنی ہیں مذکور کی اس زبردستی سے اسلامیہ کالج تباہ ہو رہے ہیں مذکور۔ مولوی محمود الحسن صاحب۔ مولوی عبد الحی صاحب تو دیوبندی خیالات کے ہیں زبردستی فتوےٰ اپنے مدعا کے مطابق دیتے ہیں لہذا میں فتوےٰ دیتا ہوں کہ یونیورسٹی کے ساتھ الحاق اور امداد لینا جائز ہے میرے فتوےٰ کی تصیح ان اصحاب سے کرائیں جو دیوبندی نہیں مثلاً مؤید ملت طاہرہ حضرت مولانا مولوی شاہ احمد رضا خاں قادری صاحب بریلوی علاقہ روہیلکھنڈ۔ اور مولوی اشرف علی صاحب تھانوی ممالک مغربی و شمالی۔

رسالہ "المحجۃ المؤتمنہ" کا صفحہ ۲ (مولوی حاکم علی کے تاریخی مرسلہ کا متن)

المحجہ کے مطالعہ سے جہاں یہ بات کھُل کر سامنے آتی ہے کہ امام احمد رضا اور اُن کے ہم نوا علماء و مشائخ کی بدولت دوقومی نظریہ ۱۹۲۰ء ہی میں ایک مسلّمہ نظریہ بن چکا تھا، کے ایل گابا یہ بتائے بغیر کہ کن حضرات کی بدولت اِس نظریہ کو احیاء نصیب ہوا، لکھتے ہیں:-

"دوقومی نظریہ تو ۱۹۲۰ء ہی میں ایک مشہور اور مسلّمہ نظریہ بن چکا تھا۔"[۱۲۷]

وہاں مولوی حاکم علی کی ان مزید کوششوں کا سراغ ملتا ہے جو اُنہوں نے "پیارے" مسلمانانِ ہند کو جمعیت العلماء کی دست بُرد سے بچانے کے لئے انجام دیں ——— جس کے مفتیوں نے "تحریکِ ہجرت"، "ترکِ موالات اور ہندو مسلم اتحاد و داد" جیسی نقصان دہ تحریکوں کو مسلمانوں میں محبوب و مقبول بنانے کے لئے بالکل مذہبی رنگ دے دیا تھا اور قرآن و حدیث و احکامِ شرعیہ میں دیدہ و دانستہ تحریف کے مرتکب ہوئے تھے۔[۱۲۸] مزید برآں اُنہوں نے ملتِ اسلامیہ کی تعمیر و تخصیص اور رہنمائی کے لئے "فتوائے اصلی جمعیت علمائے ہند"[۱۲۹] لاہور سے رسالے کی صورت میں شائع کیا۔ مذکورہ فتویٰ اُس زمانے میں روزانہ پیسہ اخبار میں بھی چھپا تھا۔

۱۲۷؎ مجبور آوازیں از خالد لطیف گابا مطبوعہ لاہور ۱۹۷۵ء ص ۱۰

۱۲۸؎ دیباچہ از عبدالمنان اعظمی۔ فتاوی رضویہ جلد ششم (از امام احمد رضا) مطبوعہ مبارک پور اعظم گڑھ، انڈیا ۱۹۸۱ء بار اوّل، ص ۳، ۴

مذکورہ فتاوی رضویہ کے صفحہ ۹۶ پر مرزا محمد اسمٰعیل بیگ نے اپنے سوال (بسلسلہ شورش نان کوآپریشن اور ہندو مسلم اتحاد) محررہ ۲۴ شعبان ۱۳۳۹ھ/ ۳ مئی ۱۹۲۱ء میں مولوی حاکم علی صاحب کا ضمناً ذکر کیا ہے۔

۱۲۹؎ رسائل رضویہ (جلد دوم) مرتبہ محمد عبدالحکیم اختر شاہجہان پوری مشمولہ المحجۃ المؤتمنہ مطبوعہ لاہور ۱۹۷۶ء ص ۸۶۔

اصلی اور سچی جمعیۃ العلمائے ہند کا فتویٰ

جواز معاملت با کفار و یہود و نصاریٰ و عدم جواز با معاملت وہابیہ دیوبندیہ

حال میں مولوی حاکم علی صاحب بی اے پروفیسر اسلامیہ کالج لاہور نے مولانا شاہ احمد رضا خانصاحب بریلوی کا جو عالم متبحر ہیں فتویٰ ترک موالات کے خلاف شایع کیا ہے جس میں لکھا ہے کہ حضرت شاہ صاحب ممدوح علمائے عرب و عجم کے سرتاج ہیں حتیٰ کہ کسی شخص کو بھی اُنکے تفقہ اور تبحر علمی کے اعتراف سے گریز نہیں ہو سکتی چنانچہ خود مولوی اصغر علی صاحب روحی ایم اے ایل مولوی فاضل و منشی فاضل پروفیسر اسلامیہ کالج لاہور حضرت شاہ صاحب ممدوح کی نسبت حسب ذیل تحریر فرماتے ہیں

"مولنا مولوی شاہ احمد رضا خانصاحب کا تبحر علمی و تفقہ علمائے احناف کے نزدیک مسلم ہے انکی وسعت علمی اور دقیق النظری اور استنباط مسائل اجتہادیہ پر مجھے پورا وثوق ہے۔ اُن کے فتاوائے عربیہ اس امر کی تصدیق کیلئے کافی ہیں اور علمائے ممالک غیر اُنکی علمی خدمت کے معترف ہیں"

تو آپ برادران اسلام انصاف فرمائیں کہ میں نے آپکو کوئی غلط مشورہ نہیں دیا تھا۔

پیارے بھائیو! میں تو ہر وضو میں سر کا مسح کرنیکے یہ پڑھا کرتا ہوں (ترجمہ) راضی ہوا میں ساتھ اللہ تعالیٰ کے بحیثیت رب کے اور ساتھ اسلام کے بحیثیت دین کے اور ساتھ ہمارے سردار محمد صلے اللہ علیہ وسلم کے بحیثیت نبی اور رسول کے اور ساتھ قرآن کے بحیثیت امام کے اور ساتھ نماز کے بحیثیت فریضہ کے اور ساتھ مومنوں کے بحیثیت برادران کے اور ساتھ صدیق کے اور ساتھ فاروق کے اور ساتھ ذوالنورین کے اور ساتھ مرتضیٰ کے۔ اللہ تعالیٰ اُن سے راضی ہووے"۔ تو پیارے بھائیو یعنی سچے مسلمانو یعنی اصلی سُنیو یعنی اصلی حنفیو اصلی شافعیو اصلی مالکیو اصلی حنبلیو نہ کہ نقلی حنفیو! میں راضی ہوا ہوں کہ آپ میرے بھائی ہیں اور میں آپکے اصلی سنی ہونے پر راضی ہوں تو یہ کب ممکن تھا کہ میں آپکو غلط مشورہ دیتا یا دوں۔ خداوند کریم ہم سب اصلی سنیوں کو شر شیطان شر نفس اور شر دشمنان سے بچائے اور سخت ترین ہمارے دشمن دیوبندیہ وہابیہ ہیں کہ اپنے تئیں حنفی قرار دیکر ہماری جڑیں اُکھاڑنا چاہتے ہیں

یہ بھی سُن لیجئے کہ ۳۵ سال کی عمر[۱۳۰] میں مینے بیعت طریقہ کی۔ میں امامت نماز کرانیسے تامل کیا کرتا تھا۔ ایک وقت آگیا کہ میرے مرشد نے مجھے امامت نماز سپرد کی اور میرے پیچھے نماز پڑھتے رہے ایکوقت مجھے اپنے ضمن میں لیلیا یعنی وصیت مجھے فرما کر وصی مقرر فرمایا اور آخر میں میرا ہاتھ اپنے دست مبارک میں لیکر فرمایا کہ "تو میں ہیں۔" میں تینوں بالعدہ سپرد کیتیا۔ تمام تبرک شریف مجھے عطا فرمائے۔ کچھ عرصہ کے بعد جب میری رسائی ایک خاص مقام تک ہوگئی تو میں حضرت مجدد الف ثانی رضہ کے روضہ مبارک میں حاضر حضور پُرنور ہوا تو القاء فرمایا کہ تجھکو ہمنے پاک کیا پیارے بھائیو! یہ ہے میرے مولوی اور مفتی اور اہل طریقہ ہونے اور خلیفہ مجاز اور وصی ہونے کی سند لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ۔ خدا گواہ ہے اور سارا جہان گواہ رہے کہ جو کچھ میں نے بیان کیا ہے اس میں سرمو بھی فرق نہیں ہے۔ میں ایک سال سے گاندھی کا خاموش مقابلہ کر رہا تھا۔ کئی دفعہ جوش میں آیا۔ استخارہ کیا مگر اجازت نہ ملتی تھی۔ اب جو گاندھی اور دیوبندیوں کے خلاف میرے پاس کافی مصالحہ اللہ تعالیٰ نے جمع کرا دیا تو استخارہ کیا۔ اجازت مل گئی لہذا میں گاندھی اور دیوبندیوں وغیرہ کیساتھ جہاد کرنے پر کھڑا ہو گیا ہوں۔ گاندھی تمہاری جڑ اکھاڑنیکی فکر میں ہے۔ ہمارے سادہ لوح شوکت علی اور محمد علی اور اپنے علم کے نشے مخمور علامہ ابوالکلام اسکی چال سے واقف نہیں ہیں اور دراصل تو ابوالکلام آزاد نے اپنے ہاتھوں سے ہی اپنے تئیں ہلاکت میں ڈال لیا ہوا ہے۔ اسی کا اثر ہے کہ ابوالکلام کو اس رسے سے باندھکر گاندھی کلکتہ سے بمبئی کھینچ لایا ہے۔ ابوالکلام تو گاندھی کے سامنے دم نہیں مار سکتا۔ یہ تو وہ مثال ہے کہ سانپ کے منہ میں چھپکلی آگئی۔ کھا جائے تو کوڑھی ہو جائے اور چھوڑ دے تو کل داغ لگ جائے۔ علامہ ابوالکلام اِحضا و تذکرہ تجھکو لنگے پنجہ سے خلاصی ہو بحرمت سید نا محمد رسول اللہ صلے علیہ وسلم وعلی آلہ واصحابہ وسلم اٹھو اور دونوں برادروں کو میری طرف لے آئیے کہ اصلی سُنّی ملت کی شریعت پر کاربند ہو جاؤ اور دیوبندی وہابیوں یعنی نقلی حنفیوں سے محفوظ ہو جاؤ۔ گاندھی نے تمہاری جڑ پر ایسی کلہاڑی کس حال میں کونسی ضرب لگائی؟ یہ کہ پہلے بنارس تو نہ گیا۔ کیلئے بازی کی؟ یہ کہ گاندھی اور راجپیت را ئے اور مدن موہن مالوی ظاہرا آپس میں بگڑے اور یہ سوانگ بنالیا کہ گاندھی تو ہمارا معاون بنیٹھا۔ بھائیو یہ دراصل

---

[۱۳۰] مولوی حاکم علی کے تعلیمی ریکارڈ کے اندراجات کے مطابق ان کی تاریخ پیدائش ۱۸۶۹ء نکلتی ہے۔ حضرت میرجان کابلیؒ کا وصال ۱۳۔ نومبر ۱۹۰۱ء کو ہوا۔ مولوی صاحب بیان فرماتے ہیں کہ وہ ۳۵ سال کی عمر میں حضرت میرجان کابلیؒ کے ہاتھ پر بیعت ہوئے۔ بروایت میاں اخلاق احمد ایم اے، مولوی صاحب کالج کے پرنسپل بننے کے بعد بیعت ہوئے تھے۔ مولوی صاحب ۹۹/۱۸۹۸ء میں پرنسپل ہوئے۔ اِس حساب سے اُن کی تاریخ پیدائش ۱۸۶۳ء نکلتی ہے۔

محمد صدیق

تو ہمارے ساتھ عدم تعاون "تعلق" کر رہا ہے۔ نہ کہ انگریزوں کیساتھ عدم تعاون۔ اس
بہروپیے بچو۔ لاجپت رائے عدم تعاون کے خلاف ہو گیا اور مدن موہن مالوی ابھی کہ بنارس
کالج اور ڈی اے وی کالج کی حفاظت کرتے رہیں۔ اور ایک آدھ بہروپی مثال جھاپ کر مسلمان
کے بچوں کو باہر نکالتے رہیں کہ علی گڑھ کالج اور اسلامیہ کالج لاہور اور اسلامیہ مدارس کو تباہ
کر دیں۔ اور سوار اجیہ سارا کا سارا آپ ہی ہضم کر جائیں اور مسلمانوں کو ساتھ ملا کر گائے کا
مذبح ہونا قانوناً بند کرا لیں کہ جب سارا سوراجیہ ہضم کر جائیں اور گائے کا ذبح ہونا قانوناً
بند کرا لیں تو پھر انگریزوں کے دوست بنکر پہلے ملیچھ مسلمانوں کو تو ہلاک کر لیں اور پھر انگریزوں
کے ساتھ بھی بھگت لیں۔ اس میرے بیان کے ثبوت میں دیکھو پرچہ زمیندار ۲ نومبر ۱۹۲۰ء
خیر الحمد للہ والمنۃ کہ بتاریخ یکم نومبر ۱۹۲۰ء عالیجناب موید ملت طاہرہ اعلیحضرت مولینا
مولوی شاہ احمد رضا خاں صاحب قادری بریلوی کا فتویٰ موصول ہوا ہے۔ میرے فتوے کی
پوری پوری تصدیق ہو گئی بلکہ بہت کچھ مزید درج ہے اسی سے مجھے ٹھیک پتہ لگا ہے کہ
مولوی اشرفعلی صاحب تو سر و سرغنہ دیوبندیہ ہیں۔ یا اللہ میری توبہ مجھ سے یہ غلطی میرے ایک

دوست نے کرا دی۔ اب میں بر سر مطلب آتا
ہوں۔ وہ خط مبارک جو شاہ صاحب قبلہ کے
فتوے کیساتھ ملفوف تھا حسب ذیل ہے۔
بسم اللہ الرحمن الرحیم نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم
مکرم کرم فرمائے جناب مولوی حاکم علی صاحب بی
سلمہم۔ بعد ادائے ہدیہ مسنونہ ملتمس کل
۱۱ بجے آپ کا فتویٰ آیا۔ اسوقت سے شب
کے ۲ بجے تک اہم ضروریات کے باعث ایک
حرف لکھنے کی فرصت نہیں ہوئی۔ آج صبح بعد
وظائف یہ جواب املا فرمایا۔ امید ہے کہ مجموعۂ
فتاوے کی نقل کے بعد آج ہی کی ڈاک سے
مرسل ہو۔ اور مولےٰ تعالیٰ قادر ہے کہ کل ہی
آپ کو پہنچ جائے (فقیر مصطفےٰ رضا قادری)

فتویٰ مبارک حسب ذیل ہے

الجواب۔ موالات و مجرد معاملت میں
زمین و آسمان کا فرق ہے۔ دنیوی معاملت

جس سے دین پر ضرر نہ ہو سوا مرتدین مثل
وہابیہ دیوبندیہ وامثالہم کے کسی سے ممنوع
نہیں۔ ذمی تو معاملات میں مثل مسلم ہے
لہم مالنا وعلیہم ما علینا۔ اور غیر ذمی سے بھی
خرید فروخت اجارہ استجارہ ہبہ استیہاب
بشروطہا جائز۔ خریدنا مطلق ہر مال کا کہ مسلمان
کے حق میں متقوم ہو اور بیچنا ہر جائز چیز جس
میں اعانت حرب یا اہانت اسلام نہ ہو
اُسے نوکر رکھنا جس میں مسلم پر اسکا استعلا
نہ ہو اسکی جائز نوکری کرنا جس میں کوئی کام
خلاف شرع نہ ہو۔ ایسے ہی امور میں اجرت پر
اس سے کام لینا یا اس کا کام کرنا بمصلحت
شرعی اُسے ہدیہ دینا جس میں کسی رسم کفر کا
اعزاز نہ ہو۔ اس کا ہدیہ قبول کرنا جس سے
دین پر اعتراض نہ ہو حتی کہ کتابیہ سے
نکاح کرنا بھی فی نفسہ حلال ہے۔ وہ صلح کیطرف
جھکیں تو مصالحت کرنا مگر وہ صلح کہ حلال کو حرام
کرے یا حرام کو حلال۔ یونہی ایک حد تک معاہدہ
و موادعت کرنا بھی اور جو جائز عہد کر لیا اسکی
وفا فرض ہے اور غدر حرام۔ الیٰ غیر ذالک من
الاحکام۔ درمختار میں ہے۔ "والمرتد یحبس ابدا
ولا تجالس ولا تواکل حتی تسلم ولا تقتل اھ
قلت وہو الحیلۃ فانہا تبقی ولا تکفی وقد شملت
المرتد وعصارنا وامصارنا لامتناع القتل"۔
محیط میں ہے۔ "اذا خرج للتجارۃ الی ارض العدو
بامان فان کان امرا لا یخاف علیہ منہ وکانوا قوما
یوفون بالعہد یعرفون بذالک لہ فی ذالک منفعۃ
فلا باس"۔ ہندیہ میں ہے۔ "اذا اراد المسلم
ان یدخل دار الحرب بامان للتجارۃ لم یمنع ذالک

منہ وکذالک اذا اراد حمل الامتعۃ الیہم فی البحر
فی السفینۃ"۔ اسی میں ہے۔ قال محمد لا باس
بان یحمل المسلم الی اہل الحرب ماشاء الا الکراع
والسلاح فان کان خزا من ابریسم او غیلا رقیقا من
القز فلا باس بادخالہ الیہم ولا باس بادخال
الصفر والشبہ الیہم لان ہذا لا یستعمل للسلاح"
اسی میں ہے لا یمنع من ادخال البغال والحمیر
والثور والبعیر۔ فتاوی امام طاہر بخاری میں
ہے مسلم آجر نفسہ من مجوسی لا باس بہ۔ ہدایہ
میں ہے من ارسلہ اجیرلہ مجوسیا او خادما
فاشتری لحما فقال اشتریتہ من یہودی او
نصرانی او مسلم وسعہ اکلہ۔ درمختار میں ہے
الکافر یجوز تقلیدہ القضاء لیحکم بین اہل الذمۃ
ذکرہ الزیلعی فی التحکیم۔ محیط میں ہے۔ قال محمد

۳ر دسمبر ۲۰۱۹ء

لم یبعثہ ملک العدو من الہدیۃ الی امیر الجیش المسلمین
او الی الامام الاکبر وہو مع الجیش فانہ لا باس
بقبولہا ویصیر فیئا للمسلمین وکذالک اذا اہدی
ملکہم الی قائد من القوائد المسلمین لہ منعۃ ولو کان
اہدی الی واحد من کبار المسلمین لیس لہ منعۃ یختص
ہو بہا"۔ اسی میں ہے لو ان عسکرا من المسلمین دخلوا
دار الحرب فاہدی امیرہم الی ملک العدو ہدیۃ فلا
باس بہ وکذالک لو ان امیر الثغور اہدی الی ملک
العدو ہدیۃ واہدی ملک العدو الیہ ہدیۃ وقال
اللہ تعالی والمحصنت من المومنت والمحصنت
من الذین اوتوا الکتب من قبلکم اذا آتیتموہن
اجورہن۔ وتمام تحقیقہ فی فتاونا وقال اللہ
تعالی وان جنحوا للسلم فاجنح لہا وقال تعالی

الا الذین عاھدتم من المشرکین ثم لم ینقصوکم
ولم یظاھروا علیکم احدا فاتموا الیھم عھدھم الی
مدتھم ان اللہ یحب المتقین وقال اللہ تعالیٰ
واوفوا بالعھد ان العھد کان مسئولا وعنہ صلے اللہ
تعالیٰ وسلم۔ الصلح جائز بین المسلمین الا صلحا
احل حراما او حرم حلالا۔ وقال صلے اللہ تعالیٰ
علیہ وسلم لا تغدروا۔

وہ الحاق ہو یا اخذ امداد اگر نہ کسی امر خلاف
اسلام و مخالف شریعت سے مشروط نہ اسکی
طرف منجر تو اسکے جواز میں کلام نہیں۔ ورنہ ضرور
ناجائز وحرام ہوگا۔ مگر یہ عدم جواز اس شرط یا
لازم کے سبب سے ہوگا۔ نہ بر بنائے تحریم مطلق
معاملت جسکے لئے شرع میں اصلا اصل نہیں
اور خود ان مانعین کا طرز عمل انکے کذب دعوے
پر شاہد۔ ریل تار ڈاک سے تمتع کیا معاملت
نہیں؟ فرق یہ ہے کہ اخذ امداد میں مال لینا ہے
اور انکے استعمال میں دینا عجب کہ معاملت
میں مال دینا حلال اور لینا حرام۔ اس کا جواب
یہ دیا جاتا ہے کہ ریل ڈاک تار ہمارے ہی
ملک میں ہمارے ہی روپے سے بنتے ہیں۔
سبحان اللہ امداد تعلیم کا روپیہ کیا انگلستان
سے آتا ہے؟ وہ بھی یہیں کا ہے تو حاصل وہی ٹھہرا
کہ معاملت میں اپنے مال سے نفع پہنچانا
مشروع اور خود نفع لینا ممنوع۔ اس الٹی عقل
کا کیا علاج۔ مگر اس قوم سے کیا شکایت جس نے
نہ صرف شریعت بلکہ نفس اسلام کو پلٹ دیا۔
مشرکین سے وداد بلکہ اتحاد بلکہ غلامی و انقیاد
فرض کیا۔ خوشنودی ہنود کیلئے شعائر اسلام
بند اور شعائر کفر کا ہاتھوں پر علم بلند۔ مشرکین

کی جے پکارنا۔ انکی حمد کے نعرے مارنا۔ انہیں
اپنی اس حاجت دینی میں جسے نہ صرف فرض
بلکہ ایمان ٹھہراتے ہیں۔ یہاں تک کہ اس میں شک
ہونے والوں پر حکم کفر لگاتے ہیں۔ اپنا امام و
ہادی بنانا۔ مساجد میں مشرک کو لیجا کر مسلمانوں
سے اونچا کھڑا کر کے واعظ مسلمین ٹھہرانا مشرک
کی ٹکٹی کندھوں پر اٹھا کر مرگھٹ میں لیجانا مساجد
کو اس کا ماتم گاہ بنانا اس کیلئے دعائے مغفرت
و نماز جنازہ کے اشتہار لگانا وغیرہ وغیرہ ناگفتہ
بہ افعال موجب کفر و مورث ضلال۔ یہاں تک
کہ صاف لکھدیا کہ اگر اپنے ہندو بھائیوں کو
راضی کر لیا تو اپنے خدا کو راضی کر لوگے۔ صاف
لکھدیا کہ ہم ایسا مذہب بنانیکی فکر میں ہیں جو
ہندو مسلم کا امتیاز اٹھا دیگا اور سنگم اور پریاگ
کو مقدس علامت ٹھہرا دیگا۔ صاف لکھدیا کہ
ہم نے قرآن و حدیث کی تمام عمر بت پرستی پر
نثار کر دی۔ یہ ہے یہ ہے موالات یہ ہے حرام
یہ ہیں کفریات یہ ہیں ضلال تام۔ فسبحان مقلب

روزانہ پیسہ اخبار لاہور

القلوب والابصار ولا حول ولا قوۃ الا
باللہ الواحد القہار واللہ تعالیٰ اعلم
فقیر احمد رضا قادری عفی عنہ

جواب امام اہلسنت دامت برکاتہم عین حق
ہے۔ کلام الامام امام الکلام۔ دیوبندیوں
نے منع استصواب حق و صواب مگر تھانوی
صاحب کا استثنا عجب العجائب یہ سردسر غنہ
دیوبندیہ ہیں۔ افعی را کشتن و بچہ اش را نگاہ
داشتن کا حال معلوم نہ کہ بچگان کشتن و

افعی را گذاشتن۔ واللہ تعالیٰ اعلم
فقیر مصطفےٰ رضا قادری نوری عفی عنہ
مہتمم دار الافتائے اہل سنت وجماعت بریلی
محمد عبد اللہ السنی الحنفی القادری الرضوی البہاری
محمد عبد الرحمن عرف محمد رضا خاں قادری
حامد رضا خاں قادری ولد اعلیحضرت مولنٰنا
احمد رضا خاں

خیر اب سب اہل اسلام جان لیں کہ ہندوؤں
اور باقی کافروں اور یہود و نصاریٰ کیساتھ
تولیٰ جائز نہیں۔ مگر معاملت جائز ہے۔ لہذا
علی گڑھ کالج کا الحاق اور اسلامیہ کالج کا الحاق
جائز ہے اور سرکار سے ان دونوں کیلئے امداد
لینا جائز ہے۔ پس تو اب پیچھا چھوڑ دو گاندھی
کا اور دیوبندیوں کا اور اللہ کے توکل پر خاموش
ہو کر اپنے جائز کاروبار میں مصروف ہو کر اللہ
تعالیٰ کی عبادت کرو۔ (خادم اسلام فقیر
حاکم علی۔ ۲۳ صفر ۱۳۳۹ھ) [۱۳۱]

---

[۱۳۱] روزنامہ "پیسہ اخبار" لاہور ۳۔ دسمبر ۱۹۲۰ء ص ۳-۴۔

ضروری اطلاع

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم

برادرانِ اہلسنت کو اطلاع فقیر کے پاس شکایتیں گزریں بعض صاحب باوصف بے علمی دنیا طلبی کے لیے وعظ گوئی کرتے ہوئے اکنافِ ہند میں دورہ فرماتے ہیں اور یہاں سے اپنا علاقہ انتساب بتاتے ہیں جس کے سبب فقیر سے محبت رکھنے والے حضرات دھوکا کھاتے ہیں اس شکایت کے رفع کو یہ سطور مسطور۔ یہاں بحمدہ تعالیٰ نہ کبھی خدمت دینی کو کسب معیشت کا ذریعہ بنایا گیا نہ احباب علمائے شریعت یا برادرانِ طریقت کو ایسی ہدایت کی گئی بلکہ تاکید اور سخت تاکید کی جاتی ہے کہ دستِ سوال دراز کرنا تو درکنار اشاعتِ دین وحمایت سنت میں جلب منفعت مالی کا خیال دل میں بھی نہ لائیں کہ انکی خدمت خالصًا لوجہ اللہ ہو۔ ہاں اگر بلا طلب اہلِ محبت سے کچھ نذر پائیں ردّ نہ فرمائیں کہ اس کا قبول سنت ہے۔ یہاں سے نسبت ظاہر فرمانے والے صاحبوں کے پاس فقیر کی دستخطی مہری سندِ علمی یا اجازت نامہ طریقت ضرور ملاحظہ فرمائیں زبانی دعوے پر کان نہ دھریں۔ والسلام

فقیر احمد رضا عفی عنہ

اعلان

فقیر دیرینہ عرض کرتا ہے کہ مزید اطلاع کے لیے بعض حضرات کے اسمائے گرامی تحریر کیے جاتے ہیں جنکا علاقہ اعلحضرت مدظلہ سے خصوصیت کے ساتھ ہے ان میں جو بفضلہ تعالیٰ علم میں کامل ہیں ان سے مسائل بھی پوچھے جائیں اور ان کا بیان بھی سنکر فیض پائیں۔

(۱) صاحبزادہ جناب مولٰنا الحاج مولوی محمد حامد رضا خانصاحب۔ محلہ سوداگراں بریلی۔ عالم

فاضل مفتی کامل مناظر مصنف حامی سنت و مجاز طریقت ہیں۔

(۲) صاحبزادہ جناب مولانا مولوی محمد مصطفےٰ رضا خانصاحب محلہ سوداگران بریلی۔ عالم فاضل مفتی کامل مناظر مصنف حامی سنت و مجاز طریقت ہیں۔

(۳) جناب مولانا مولوی حکیم امجد علی صاحب ساکن اعظم گڈھ وارد حال محلہ سوداگران بریلی۔ عالم فقیہ مصنف واعظ مناظر حامی سنت و مجاز طریقت۔

(۴) جناب مولانا الحاج الشاہ مولوی سید ابوالمحمود احمد اشرف صاحب۔ درگاہ شریف کچھوچھا ضلع فیض آباد (وارث سجادہ) عالم فاضل مناظر واعظ خوش بیان تلمیذ اعلیحضرت حامی سنت۔

(۵) جناب مولانا الحاج مولوی احمد مختار صاحب صدیقی عـــہ ۲۳۶ محلہ مشائخان میرٹھ۔ عالم فاضل واعظ خوش بیان و مجاز طریقت۔

(۶) جناب مولانا مولوی سید محمد آصف صاحب کانپور محلہ فیل خانہ قدیم۔ عالم و مجاز طریقت

(۷) جناب مولانا سید احمد صاحب الوری۔ صاحبزادہ جناب مولانا مولوی سید دیدار علیصاحب عالم مدرس واعظ مناظر مجاز طریقت۔

(۸) جناب مولانا مولوی امام الدین صاحب کوٹلی لوہاراں مغربی ضلع سیالکوٹ عالم واعظ مجاز طریقت۔

(۹) جناب مولانا مولوی احمد بخش صاحب۔ ڈیرہ غازی خان۔ عالم فاضل کامل مدرس واعظ مناظر مفتی مجاز طریقت

(۱۰) جناب مولانا مولوی محمد اسمٰعیل صاحب پشاور۔ عالم واعظ مجاز طریقت۔

(۱۱) جناب مولوی سید احمد حسین صاحب میرٹھ۔ مجاز طریقت۔

(۱۲) جناب مولانا مولوی احمد حسن خانصاحب امروہی محلہ حیدر آباد۔ عالم واعظ مجاز طریقت

(۱۳) مداح الحبیب جناب مولوی جمیل الرحمن خانصاحب۔ بریلی محلہ بہاری پور (میلاد خواں خوش الحان مداح سرکار دوجہاں)

(۱۴) جناب مولانا مولوی حکیم حبیب الرحمن خانصاحب مدرس اول مدرسۃ الحدیث پیلی بھیت۔ عالم فاضل مدرس مجاز طریقت

(۱۵) جناب مولانا مولوی حبیب اللہ صاحب خطیب مسجد خیر نگر میرٹھ۔ عالم مجاز طریقت۔

(۱۶) جناب مولانا مولوی محمد خلیل الرحمن صاحب بہاری مدرس مدرسہ عربیہ مدراس۔ عالم واعظ مجاز طریقت۔

(۱۷) جناب مولانا مولوی سید دیدار علی صاحب مفتی جامع آگرہ ساکن الور عالم فاضل مفتی کامل مدرس واعظ مناظر حامی سنت مجاز طریقت۔

(۱۸) جناب مولانا مولوی رحم الٰہی صاحب مدرس مدرسہ اہل سنت محلہ سوداگران بریلی عالم فاضل مدرس مجاز طریقت۔

(۱۹) جناب مولانا مولوی محمد رحیم بخش صاحب آرہ اعلیٰ مدرس و بانی مدرسہ فیض الغربا۔ عالم مدرس مفتی مناظر واعظ و مجاز طریقت

(۲۰) جناب مولانا مولوی سرفراز احمد صاحب محلہ جھکڑی کھوہ مرزا پور۔ عالم واعظ مجاز طریقت۔

(۲۱) جناب مولانا مولوی شفیع احمد خانصاحب مدرس مدرسہ اہل سنت بریلی وامین الفتوی بدار الافتا۔ عالم مفتی واعظ مناظر و مجاز طریقت۔

(۲۲) جناب مولانا مولوی شمس الدین صاحب ضلع ناگپور قصبہ بانسی علاقہ جود ھپور۔ عالم مدرس مجاز طریقت۔

(۲۳) جناب مولنا مولوی ظہیر الحسن صاحب ساکن اعظم گڈھ۔ عالم مدرس و مجاز طریقت۔

(۲۴) جناب مولنا مولوی محمد ظفر الدین صاحب بہاری پروفیسر مدرسہ عربیہ خانقاہ شمسرام۔ عالم فاضل کامل مفتی مصنف مدرس مناظر حامی سنت مجاز طریقت ملقب از جانب اعلیحضرت مدظلہ الاقدس بہ ولدی الاعز۔

(۲۵) جناب مولنا مولوی محمد عبد السلام صاحب ملقب از جانب اعلیحضرت بلقب عبد الاسلام عقب کوتوالی جبلپور۔ عالم فاضل مفتی کامل مناظر مصنف حامی سنت مجاز طریقت۔

(۲۶) جناب مولنا مولوی حکیم محمد عبد الاحد صاحب خلف الرشید حضرت مولنا محدث سورتی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ملقب از جانب اہل سنت مدراس بہ سلطان الواعظین مہتمم مدرسۃ الحدیث پیلی بھیت۔ عالم واعظ مناظر مدرس حامی سنت مجاز طریقت۔

(۲۷) جناب مولنا الحاج المولوی محمد عبد العلیم الصدیقی ۲۳۳ محلہ مشائیخاں میرٹھ۔ عالم فاضل واعظ خوش بیان مجاز طریقت

(۲۸) جناب مولنا المولوی عبد الباقی برہان الحق صاحب صاحبزادہ حضرت مولنا عبد الاسلام۔ عالم فاضل مفتی واعظ مصنف مجاز طریقت ملقب از حضرت قبلہ بہ نور عینی۔

(۲۹) جناب مولنا مولوی عبد الحکیم خانصاحب ساکن شاہجہانپور ضلع میرٹھ۔ عالم مدرس مصنف صوفی مجاز طریقت

(۳۰) جناب مولنا مولوی عبد الحق صاحب پنجابی مدرس مدرسۃ الحدیث پیلی بھیت عالم مدرس مفتی مجاز طریقت۔

(۳۱) جناب مولنا مولوی ابو عبد القادر عبد اسعد صاحب کوٹلی لوہاراں مغربی ضلع سیالکوٹ عالم واعظ مجاز طریقت۔

(۳۲) جناب مولنا مولوی حاجی عبد الجبار صاحب۔ بنگالی۔ عالم مجاز طریقت۔

(۳۳) جناب مولنا مولوی حافظ سید عبد الرشید صاحب مظفر پوری۔ عالم مجاز طریقت

(۳۴) جناب مولنا مولوی عبد الکریم صاحب چتور گڈھ علاقہ میواڑ۔ عالم واعظ مجاز طریقت۔

(۳۵) جناب مولنا الحاج مولوی عبد الرحمن صاحب جو پور تکیہ آدم شاہ وارد حال مدینہ طیبہ۔ عالم مدرس مجاز طریقت

(۳۶) جناب حاجی سیٹھ خان محمد صاحب دھورابی کاٹھیاوار حامی سنت

(۳۷) جناب سیٹھ عبد الستار اسمٰعیل صاحب گونڈل کاٹھیاوار حال مقیم رنگون سورتی بازار حامی سنت و فرار دہندہ تھانوی از رنگون۔

(۳۸) جناب مولنا مولوی عبد العزیز صاحب مدرس مدرسہ جامع مسجد پیلی بھیت۔ عالم مجاز طریقت

(۳۹) جناب مولنا مولوی غیاث الدین صاحب بہار۔ عالم واعظ مجاز طریقت۔

(۴۰) جناب مولنا مولوی سید فتح علیشاہ صاحب کھروٹہ سیداں ضلع سیالکوٹ۔ عالم واعظ مجاز طریقت۔

(۴۱) جناب قاضی قاسم میاں صاحب۔ پوربندر کاٹھیاوار۔ حامی سنت مجاز طریقت۔

(۴۲) جناب حاجی مولوی منشی محمد لعل خانصاحب ملقب از جانب اعلیحضرت بلقب حامی سنت ماحی بدعت ۲۲ زکریا اسٹریٹ کلکتہ۔ ناصر ملت عدو بدعت مجاز طریقت۔

(۴۳) جناب مولنا مولوی محمد شریف صاحب کوٹلی لوہاراں مغربی ضلع سیالکوٹ۔ عالم واعظ مجاز طریقت

(۴۴) جناب مولنا الحاج المولوی منیر الدین صاحب بنگالی عالم مجاز طریقت

(۴۵) جناب مولنا مولوی محمود جانصاحب جام جودھپور، کاٹھیاوار۔ عالم واعظ مناظر مصنف حامی سنت مجاز طریقت

(۴۶) جناب مولنا مولوی سید محمد ظہیر الدین الہ آبادی عالم مجاز طریقت۔

(۴۷) جناب مولنا مولوی حکیم محمد نعیم الدین صاحب مہتمم مدرسہ اہلسنت مراد آباد چوکی حسن خاں۔ عالم فاضل مناظر مصنف واعظ حامی سنت مجاز طریقت۔

(۴۸) جناب مولنا مولوی حاجی سید نور احمد صاحب چاٹ گام۔ عالم واعظ مجاز طریقت و مجاز حضرت مفتی حنفیہ مکہ معظمہ شیخ صالح کمال رحمۃ اللہ علیہ۔

(۴۹) جناب مولنا مولوی محمد یعقوب علیخانصاحب بلاسپور ضلع رام پور۔ عالم واعظ مجاز طریقت۔

(۵۰) جناب حاجی حافظ قاری محمد یقین الدین صاحب ساکن محلہ ملوکپور بریلی امام تراویح اعلیحضرت مدظلہ الاقدس مجاز طریقت۔

(نوٹ) جو حضرات باوصف نسبت خاصہ اپنے اسما اس فہرست میں نہ پائیں اپنی خدمات سنت کا ذکر کرتے ہوئے اعلیحضرت مدظلہ الاقدس کو اطلاع دیں کہ اسوقت صرف بعض اہالی ہند کے اسما محض یادداشت سے لکھے ہیں سمائی عرب و افریقہ ان سے علیحدہ ہیں نیز بہت ممکن ہے کہ بعض ضروری نام رہ گئے ہوں جو اطلاع ملنے پر آیندہ شائع کر دیئے جائیں گے جن صاحبوں کے بیان اوصاف میں میری ناواقفی سے کمی ہوئی ہو اسکی معافی چاہتا ہوں چونکہ فرق مراتب دشوار تھا اسلیے ترتیب اسما بترتیب حروف تہجی رکھی گئی ہے۔

قطعہ ہائے تاریخ وفات اعلیٰحضرت

از:۔ میر نذر علی درد کاکوروی (مرحوم)

حافظ، محدث، منطقی، حاجی فقیہہ و متقی	احمد رضا خاں مولوی۔ کو آگیا حکم قضا
ہر سمت ہے شور و فغاں، ہر دل میں ہے درد نہاں	ہے شامِ غم آگیں عیاں، ہر لب پہ ہے واحسرتا
تیغ اجل کا۔ کاٹ بھی۔ اے دردِ بیدِ مصب کاٹ ہے	ہیں بے سر و پا شرع دیں۔ علم و کرم فضل و تقا

۱۳۴۰ھ

دیگر

درد پئے رحلتِ احمد رضا	گفت کہ۔ الحق رضی اللہ عنہ

۱۳۴۰ھ

دیگر

جمعہ کا دن ملا اور ماہِ صفر	رنگ لائی ہے یہ نسبت قادری
ہاتفِ غیب نے درد یہ دی صدا	مصلح احمد رضا وادخلی جنتی

۱۳۴۰ھ

دیگر

افسوس ہے۔ افسوس ہے	بے مثل عالم اٹھ گیا
اے درد سالِ وصل ہے	مقبولِ حق احمد رضا

۱۳۴۰ھ

نوادرات

انموذجات مخطوطاتِ امام احمد رضا

۱۔ سفر المطالع للتقویم والطالع	فارسی	۳۰
۲۔ رویۃ الہلال رمضان المبارک ۱۳۲۳ھ	فارسی	۳۱
۳۔ رسالہ زیچ بہادرخانی	فارسی	۳۲
۴۔ الجفر الجامع ۱۳۳۲ھ	فارسی	۳۳
۵۔ رسالہ جبرو مقابلہ	اردو	۳۴
۶۔ استخراج لوگارثم عدد و عدد لوگارثم	فارسی	۳۵
۷۔ جامع الافکار	فارسی	۳۶
۸۔ رسالہ در علم تکسیر	عربی	۳۷
۹۔ رسالہ در علم مثلث کروی القائم الزاویۃ	فارسی	۳۸
۱۰۔ القواعد الجد فی الاعمال الجبریہ	عربی	۳۹
۱۱۔ شرح چغمینی	عربی	۴۰
۱۲۔ طلوع و غروب نیّرین	عربی	۴۱
۱۳۔ تصریح فی شرح التشریح	عربی	۴۲
۱۴۔ کتاب اصول الہندسہ	عربی	۴۳
۱۵۔ مقدمہ	عربی	۴۴

(صنعت براءت واستہلال میں فقہ کی ۹۰ مشہور ومعروف کتابوں کے ناموں سے ترتیب دیا ہوا امام احمد رضا قدس سرہٗ کا مقدمہ جلد اوّل فتاویٰ رضویہ)

نوشتہ ہلال رمضان المبارک ۱۳۲۳ھ

بمسر ... حقیقی ابدی مذکور

اقول ...

تقویم الشمس الوقت المطلوب　تقویم القمر فیہ　عرض القمر فیہ

میل القمر فیہ　مطالع القمر فیہ

مزیج بہادر خانی

از ربع دور و رط جیب این تمام ۱۲

قوله تمام آن قوس باشد و بہر حال تمام قوس منفصح را آنہ پس فلک را جیب جیب ستہ تمامش جیب ل ک ح ۱۲

قوله و باین اعتبار سہم مکتوب در شکل مثلا بر حاشیہ ج ر ہ را کہ سہم قوس اب ست سہم قوس ر ب ست سہم قوس اہ گویند ۱۲

قوله سر قوس جزوی باشد کہ ہمان نصف قوس ست ۱۲

قوله آن قوس و طرف جیب یعنی ہمان نصف قوس ۱۲

قوله ہمان قوس بالجملہ کہ نصف قوس ست ۱۲

قوله از ربع جیب تمام کہ طریقہ استخراج ادخال مذکور شد ۱۲

قوله باقی سہم بمعنی مصطلح سہمی حساب ۱۲ منہ

قوله تا ربع از نصف قطر مثلاً در مثال مفروض سابق قوس اب کمتر از ربع بود جیب تمامش از ربع کہ ۳ بودہ است نصف قطر کہ پنج ست کاستیم دو باقی ماند ہمین مقدار سہم ا ک ست یعنی ہمان سہم مصطلح حساب نہ سہم اول کہ ج ی بود دلیلش آنکہ چون ب ک بحکم فرض ۴ بود و ب ہ کہ نیز نصف قطر ست ۵ لاجرم ک ہ بحکم شکل عروسی ۳ باشد زیرا کہ مربع ب ہ برابر مربعین ب ک و ک ہ ست و چون از ا ہ ۵ جزء ک ہ ۳ جزء بر آید

الجفر الجامع سنہ ۱۳۳۲ ھ

بدانکہ زمام سوم کسورات را التضمین الحروف گویند کہ سطر ثانی او مثل زمام اول می باشد

(سطر) بدانکہ در علم جفر قاعدہ اطراح جملہ ششش قسم است طرح اول موافق عناصر اربعہ کہ ۴،۴ است طرح دوم موافق کواکب سبعہ سیارہ کہ ۷ ۷ است و طرح سوم موافق افلاک تسعہ کہ ۹،۹ است و طرح چہارم موافق بروج کہ ۱۲،۱۲ است و طرح پنجم موافق منازل قمر کہ ۲۸ ۲۸ است و طرح ششم موافق درجات بروج کہ ۳۰،۳۰ است پس عدد جمل کبیر از سوال گرفتہ اول با عداد مراتب عناصر ضرب کنند و حروف حاصل نماید ہمچنین بازا عداد زمام سوال مذکور را در عدد مراتب سبع سیارہ ضرب کنند و حروف حاصل را علحدہ نویسد ہمچنان تا آنکہ شش اقسام طرح مذکورہ بعمل آرد و بعدہ حروف زمام سوال را خالص نمودہ اول آن را نویسد بعدہ این خالص حروف متصل زمام اول بنویسد بعدہ این سہ زمام را یک زمام سازد و تکسیر نماید کہ مطلب حاصل شود

بیان دائرۃ قوی

(سطر) بیان دائرہ قوی و تنزل و ترفع و ترقی و مساوا کہ در علم جفر مطلوب است و تمام راز این علم در این مخفی است

ترقی

تنزل غ ی ا ق ب ترفع

ت مساوا

ی غ (ا) ب ق	ث ا (ب) ج ر	ل ب (ج) د ش	م ج (د) ه ت	ن د (ه) و ث	س ه (و) ز خ	ع و (ز) ح ذ
ف ز (ح) ط ض	ص ح (ط) ی ظ	ق ط (ی) ک غ	ر ی (ک) ل ب	ش ک (ل) م ج	ت ل (م) ن د	ث م (ن) س ه
خ ن (س) ع و	ذ س (ع) ف ز	ض ع (ف) ص ح	ظ ف (ص) ق ط	غ ص (ق) ر ی	ب ق (ر) ش ک	ج ر (ش) ت ل
د ش (ت) ث م	ه ت (ث) خ ن	و ث (خ) ذ س	ز خ (ذ) ض ع	ح ذ (ض) ظ ف	ط ض (ظ) غ ص	ی ظ (غ) ا ق

جامع الافکار

قوله و تمام عرض بلد مطلوب السمت ۱۲

قوله و عرض آن از عرض مکه زیاده بود اقول اما نقص مابین الطولین از نود پس فمعود نیز دراو ضروری بود زیرا که شرط ظلی ست لکن زیادت عرض بر عرض حرم کرم ندانم از چه او ضروری ست بلکه بحال مساوات و نقص نیز بر بهانه همین وجه جاری ست درین هر دو صورت عمود در بلاد شمالیه دائما از سمت الرأس بلد بسوی شمال افتد و ح ه کمتر از ح ۵ اعنی از تمام عرض البلد آید و چون که ارتفاع مار بسمت الرأس بلدین دائما از مغرب اعتدال بسوی شمال مائل بود و انحراف شمالی آید هکذا
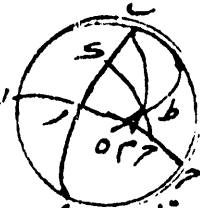
ه ر عرض البلد ست و ط ک عرض مکه و ب ط ه عمود بر ا ه ح نصف النهار بلد و ه ط ل دائره ارتفاع و ح ط ک نصف النهار مکه و ک ب ما بین الطولین بلکه اگر بلد عدیم العرض بود استخراج سمت باین وجه آسان تر باشد که بر دو عمل استخراج ط ه و ح ه کم مینو و حاجت باخراج عمود نبود هکذا
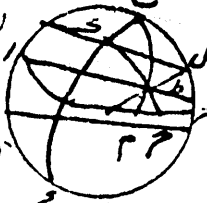
ا ل نصف النهار بلد ب ما معدل ست و ب ما سمت الرأس بلد و ب ما ط ل دائرة الارتفاع و ح قطب شمالی و ط سمت الرأس مکه و ح ط ک نصف النهار مکه پس زاویه ط ک ر قائمه باشد یا نصف النهار و بحکم ظلی نسبت ظل ط ک عرض مکه مکرمه همچو نسبت ظل ط ب ما ک مجهوله ک ر ما بین الطولین پس ظل عرض مکه مرفوع باشد بجیب معظمه را بر جیب ما بین الطولین منحط بخشند ظل زاویه ب ما اعنی قوس ل ب که قوس انحراف ست
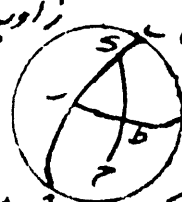
رسالہ در علم جنگ پیر

بسم الله الرحمن الرحيم

الحمد لله رب العالمين والصلاة والصلاة على اشرف المرسلين سيدنا
محمد وعلى آله وصحبه اجمعين اذا اردت ان تضع آية او اسما
من اسماء الله تعالى او اي شيء تريد
في الوقف الثلاثي فاستخرج عدده بحساب الجمل واطرح
منه اثني عشر وما بقي فاقسم على ثلاثة ثم ابدأ

٢	٩	٤
٧	٥	٣
٦	١	٨

بهذا المثلث وزد في كل بيت عليه واحدا على النسق حتى يتم
المثلث لتسع بيوت كل سطر منه يشتمل على ثلاثة خطوط العرضية
منها تسمى سطورا والطولية اضلاعا والمأربان الواقعان من زاوية
الى اخرى معا بل ترا هما القطران والبيت الذي يبدأ منه الوضع
يسمى مفتاحا والذي يختم عليه يسمى مغلاقا والبيت الواقع في الوسط
يسمى قطبا والوسطاني من السطر الاول يسمى نا[illegible] ومن السطر الثالث
[illegible] ومن الضلع الايمن [illegible] ومن الضلع الايسر ما[illegible] فلك
ان تبدأ من [illegible] هذه البيوت الاربع شئت فاذا عينت المبدأ فسر منه
للثاني على سير الفرس وكذلك من الثاني الى الثالث ايضا
على سير الفرس ومن الثالث الى الرابع على سير الرخ ومن الرابع

شرح چغمینی

تقاطعها مع الافق فی الجانبین علی نقطتی المشرق والمغرب من الافق ثم اذا ارتفع و
انتقل الی مدار جنوبی مثلا ینتقل القوس الشرقی من دائرۃ الارتفاع وکذا الی جنوب المعدل
والغربی الی الشمال وکذا تقاطعها الشرقی الی جنوب نقطۃ المشرق والغربی الی شمال نقطۃ المغرب

نقطۃ المغرب

نقطۃ المشرق

وہکذا ۱۲ او ند عہ فی افق مائل

قول والشمس من مدار الی مدار ۱۲

ص ۵۱ قولہ ارتفاعہا عن جنبیہ بل دوائر لا تتناہی ۱۲

قولہ ~~لا انطباق علیہا~~ دائرۃ نصف النہار

ولذا یقع الظل فی نصف النہار فی سطح دائرۃ
نصف النہار ۱۲

قولہ لا انطباق علیہا اقول فی الافق المستوی حین وصول مرکز الکوکب علی تقاطع دائرۃ
المعدل ودائرۃ نصف النہار یصدق حد دائرۃ الارتفاع علیہما جمیعا فافہم ۱۲

والجواب ان الکوکب اذا کان علی نقطۃ المشرق کان دائرۃ الارتفاع شرقیا غربیا وہکذا کل
ارتفع حتی وصل مرکزہ الی دائرۃ نصف النہار وکذلک بعد الزوال الی البلوغ مرۃ اخری فی
منتصف اللیل فعلم ان دائرۃ الارتفاع فی جمیع الدورۃ شرقیۃ غربیۃ اعنی منطبقۃ علی
معدل النہار فکذلک فی آن وصول الکوکب تقاطع المعدل ودائرۃ نصف النہار ولا یحسن
ان یجعل ویذہن الآن بین دائرۃ الارتفاع جنوبیۃ شمالیۃ بحکم الانطباق علی دائرۃ نصف
النہار وان کان لک الحکم ممکنا فی نفسہ لصدق الحد علی دائرۃ نصف النہار بل علی دوائر
غیر متناہیۃ ح فافہم ۱۲

قولہ اصلا لان المعدل عظیمۃ فیمر الکوکب علیہا فی جمیع الدورۃ وان انحرف عنہا لم
یبق مار السمت الراس القدم ۱۲

ص ۵۳ قولہ علی اقصر المسافات وکما فی نقطۃ غیر المرکز فی جوف المحیط یخرج منہا خطوط الی

تعريج في شرح التشريح

ذلك للمرئى تكون اعظم فى القريب لكثرة انفراج ما بين الخطين واصغر فى البعيد لتقاربهما

حتى اذا ازداد البعد جدا التقى الخطان ولم تحدث الزاوية فلا يحصل الابصار ۱۲

قوله وذلك ما اردناه اقول وبالله التوفيق لقد ابعد الرجل النجعة فانما كان المقصود اثبات

ان زاوية ج ز ب اعظم من زاوية ب ز ا فاستطرق اليه بان ب ز ا جزء من ب ز ط وج

ز ب مساوية ب ز ط فيكون الجزء اصغر منه واثبت تساوى هاتين بانهما تماما زاويتي

ح ز ط وح ز ج وهما متساويتان فاضطر لاثبات تساوى هاتين الى رسم مثلثين

ولاثبات تساويهما ففعل ما فعل وكل ذلك عندى تطويل مستغنى عنه بل كان يكفيه ان يقول

انا نفرض قوسى ا ب ب ج متساويتين ونصل ب ز فيقوم على ا ج غير عمود فيحدث به عند

ز زاويتان احديهما وهى ب ز ا حادة والاخرى وهى ج ز ب منفرجة فلا بد ان يكون

الاولى صغرى فالقوس المرئية بها اصغر فى الرؤية من صاحبتها وذلك ما اردناه وهذه

صورته وقد عهدنا من عادته انه يطيل البراهين الهندسية بمقدمات بعيدة لا حاجة اليها

كانه يريد بذلك اظهار العلم وليس العلم باطالة لا طائل تحتها بل العلم الاكتفاء بقدر الحاجة

وتقريب الكلام الى الافهام والله تعالى اعلم ۱۲

قوله وهذه صورته
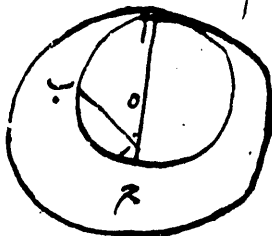
(کتاب اصول الهندسه)
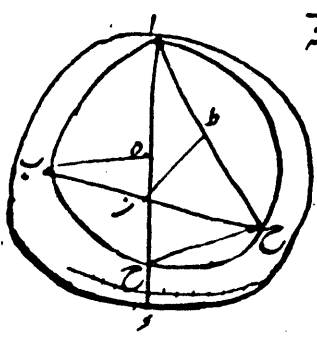
۱۴۵۹۱۵۵۹۱۵ ۳ ثم حولنا حصل قید له اط لو مد یعہ وہو لا
یخالف حساب الفاضل الکاشی الا ببعض روابع ولعل فی ارقام نسخة شرح
المجسطی غلطاً من الناسخ نعم لاشک فانا قسمنا الستة حاصل ضرب تک
فی ششسه علی ع لو نط ام اله حصل قید له اط لو مه لہ وضربنا قید
له اط لو نو فی و لو نط ام اله حصل ب ث ا ا ا ا نط ل ا مسه فلابد من الخطاء
فی روابع احد الرقمین نعم بعد ہذا الکلام جربنا لطالع ہذا الکتاب فوجدناه ذکر
الحساب صـ۱۴۶ و اقتصر فیہ من الخانات علی سبعة واو ھے بزیادة ترقیم
خانتہ لیکون حاصل الحساب مقرونا بالصحة و واصلا الی الحقیقة فحمدنا الله تعالی
علی واضحة عملنا وتاکد عندی ان نسبة القطر الی المحیط کنسبة الواحد الی
۵۶۲۶۵ ۱۴۱۵۹۲۶۵ ۳ وان القطر بالاجزاء المحیطیة قید له اط لو مد یعہ واذا اردت
تحویل ہذہ العشریات الی العام کان ۲۸۳۱۸۵۳ ثم مرة اخری
قسمنا ۶۰ ۳ علی العدد المذکور فی الکتاب جمیعاً باخذ العشری الی ۱۶ مرتبة
فجاء قسط القطر ۱۱۴۵۹۱۵۵۹۰۲۶۱۴۶ تحویلہ قید له اط لو
مد نح مد مدح منہ والله تعالی اعلم ۱۲

قولہ = $\sqrt{2}$ (ح) ای یساوی جذر ۲ لانک اذا رسمت علی دائرة
مربعا وفیہا مربعا کان قطر الدائرة ضلع المربع الخارج وقطر المربع الداخل فضلع
الخارج من ضلع الداخل کضلع مربع من قطرہ وضلع المربع دائما جذر نصف
مربع قطرہ لان مربع القطر ضعف مربع الضلع فیہما اذا فرضنا ان نصف القطر
الدائرة = ۱ کان قطرہا اعنی ضلع المربع الخارج = ۲ وکان ضلع الداخل
جذر ۲ لان ۲ نصف مربع ۲ وہذا ظاہر ۱۲

۱۲ قولہ = ۳۶ ۵۶ ۱۴ ا ۳ وسیاتی اشباہہ بوجہ آخر صـ۱۴۵ بعد ورقتین ۱۲

بسم الله الرحمن الرحيم

نحمده ونصلي على رسوله الكريم

الحمد لله هو الفقه الاكبر والجامع
الكبير لزيادات فيضه المبسوط
الدرر الغرر به الهداية ومنه
البداية، واليه النهاية، بحمده
الوقاية. ونقاية الدراية،
وعين العناية. وحسن الكفاية
والصلاة والسلام على الامام
الاعظم للرسل الكرام، مالكي و
شافعي احمد الكرام، يقول
الحسن بلا توقف، محمد الحسن
ابو يوسف، فانه الاصل المحيط،
لكل فضل بسيط، ووجيز ووسيط
البحر الزخار، والمدد المختار
وخزائن الاسرار، وتنوير الابصار
ورد المحتار على منح الغفار
وفتح القدير، وزاد الفقير،
وملتقى الابحر ومجمع الانهر،
وكنز الدقائق وتبيين الحقائق
والبحر الرائق، منه يستمد

كل نهر فائق، في المنية،
وبه الغنية. ومراقي الفلاح،
وامداد الفتاح، وايضاح الاصلاح
ونور الايضاح، وكشف
المضمرات، وحل المشكلات،
والدر المنتقى، وينابيع المبتغى،
وتنوير البصائر، وزواهر
الجواهر. البدائع النوادر،
المنزه وجوبا عن الاشباه
والنظائر. مغني السائلين، و
نصاب المساكين. الحاوي
القدسي لكل كمال قدسي
وانسي. الكافي الوافي الشافي،
المصفى المصطفى المستصفى،
المجتبى المنتقى الصافي،
عمدة النوازل، وانفع الوسائل
لاسعاف السائل بعيون المسائل
عمدة الاواخر، وخلاصة
الاوائل، وعلى آله وصحبه،

واهله وحزبه مصابيح الدجى،
ومفاتيح الهدى. لاسيما
الشيخين الصاحبين، الآخذين
من الشريعة والحقيقة بكلا
الطرفين، والختنين الكريمين
كل منهما نور العين ومجمع
البحرين، وعلى مجتهدي
ملته، وائمة امته،
خصوصا الاركان الاربعة
والانوار اللامعة، وابنه
الاكرم، الغوث الاعظم
ذخيرة الاولياء. وتحفة
الفقهاء، وجامع الفصولين،
فصول الحقائق والشرع المهذب
بكل زين. وعلينا معهم
وبهم ولهم. يا ارحم
الراحمين. آمين
والحمد لله رب العلمين.

رضا کونسل کا قیام

ادارہ تحقیقات امام احمد رضاؒ نے اعلیٰ حضرت مولانا شاہ احمد رضا خاںؒ فاضل بریلوی قدس سرہٗ کے افکار و آثار پر غور و فکر اور تحقیق کرنے اور ان کی نادر و نایاب تصانیف کو اہل علم کے سامنے پیش کرنے کے لیئے رضا کونسل کے نام سے ایک مشاورتی مجلس قائم کی ہے جہاں ارباب علم و فن جمع ہو کر باہمی گفت و شنید کے ذریعے غور و فکر کریں گے اور تعمیری منصوبہ بندی کے بعد قدم اٹھائیں گے۔ انشاء اللہ تعالےٰ۔

یہ حقیقت کسی سے پوشیدہ نہیں کہ دور جدید میں ملت اسلامیہ کے انتشار فکر و عمل کا علاج یہی ہے کہ ہم اسلام کی طرف لوٹ چلیں لیکن اسلام سے والہانہ لگاؤ اسی وقت پیدا ہو سکتا ہے جب ہم سید کائنات حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے سرفروشانہ محبت کریں اور اس میں شک نہیں کہ پاک و ہند میں یہ امام احمد رضاؒ ہی تھے جنہوں نے دلوں میں عشق مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی لو لگائی۔ اس لیئے آپ کے افکار و آثار کو تازہ کرنا درحقیقت شمع محبت فروزاں کرنا ہے۔ تو آیئے ہم سب مل کر عشق رسولؐ کی اس شمع کو روشن کریں۔

بلاشبہ کوئی عظیم مقصد اللہ تعالےٰ کے فضل و کرم کے بغیر حاصل نہیں ہو سکتا، لیکن حصول مقصد کے لیئے ایثار و قربانی کی ضرورت ہوتی ہے۔ اس لیئے ہم آپ کو تعاون کی دعوت دیتے ہیں، اگر آپ کو ہماری رائے اور پروگرام سے اتفاق ہے اور یقیناً ہوگا تو از راہ کرم اپنی رائے سے مطلع فرمائیں۔ اللہ تعالےٰ آپ کا اور ہمارا حامی و ناصر ہو۔

سید ریاست علی قادری
(ڈائریکٹر ادارۂ تحقیقات امام احمد رضا)
کراچی

اغراض و مقاصد

۱۔ امام احمد رضا پر کام کی رفتار کا جائزہ۔

۲۔ امام احمد رضا کی تصانیف کو کس طرح منظرِ عام پر لایا جائے۔

۳۔ ہر سال ماہِ صفر میں امام احمد رضا کانفرنس کا انعقاد۔

۴ ہر سال مجلّہ "معارفِ رضا" کا اجراء۔

۵۔ امام احمد رضا کی تصانیف کے دنیا کی مشہور زبانوں میں تراجم۔

۶۔ امام احمد رضا کو علمی، ادبی اور جدید تعلیم یافتہ طبقوں میں روشناس کرانا۔

۷۔ امام احمد رضا پر پندرہ جلدوں پر مشتمل خاکہ کی تیاری۔

۸۔ ادارۂ تحقیقاتِ امام احمد رضا کے زیرِ نگرانی ایک مشاورتی مجلس "رضا کونسل" کا قیام

۹۔ ادارۂ تحقیقات امام احمد رضا کو جدید بنیادوں پر قائم کرنے کے لیے مالی تعاون کے ذرائع تلاش کرنا۔

۱۰۔ ادارۂ تحقیقاتِ امام احمد رضا کے لیئے کم از کم ۱۰۰ ایسے مستقل ممبران کا مہیا کرنا جو ہر ماہ ۱۰۰ روپیہ ادا کرسکیں۔

۱۱۔ رضا پریس، رضا لائبریری اور رضا ریسرچ اکیڈمی کا قیام۔

۱۲۔ امام احمد رضا کو اسکول، کالج اور یونیورسٹی کی سطح پر نصاب میں داخل کرانے کی جدوجہد کرنا۔

۱۳۔ امام احمد رضا کی ان کوششوں کو اجاگر کرنا جو انہوں نے انگریز اور ہندوؤں کی غلامی سے آزادی حاصل کرنے کے لیئے کیں۔

۱۴۔ امام احمد رضا کے مشن کو آگے بڑھانے میں دامے، درمے، قدمے، سخنے حصہ لینا۔

سوالنامہ برائے رضا کونسل

۱۔ اسم گرامی مع ولدیت ______________________

۲۔ گھر کا پتہ اور فون نمبر ______________________

۳۔ دفتر یا دکان کا پتہ اور فون نمبر ______________________

۴۔ اگر آپ عالم، پروفیسر یا مصنف ہیں تو اپنی علمی خدمات کی تفصیلات تحریر فرمائیں

____

— — — — — — — — — — — — —

____

۵۔ کیا آپ رضا کونسل میں بنفس نفیس تشریف لا کر اپنے مشوروں سے نواز سکتے ہیں؟

۶۔ کیا آپ ادارہ کے اشاعتی پروگرام کو عملی جامہ پہنانے کے لیئے چل پھر کر یا لکھ پڑھکر تعاون کر سکتے ہیں؟

۷۔ کیا آپ ادارہ کے اشاعتی پروگرام میں مالی تعاون کر سکتے ہیں؟

۸۔ اگر جواب اثبات میں ہے تو تحریر فرمائیں ماہانہ یا سالانہ کتنی رقم ادا کر سکتے ہیں؟

۹۔ کیا آپ ہمارے ادارہ کی مطبوعات خود خرید کر یا دوسروں سے سفارش کر کے مدد کر سکتے ہیں؟

۱۰۔ کیا آپ ادارہ کے محققین کو امام احمد رضاؒ سے متعلق نادر کتابیں، رسائل یا اخبارات فراہم کر سکتے ہیں؟

۱۱۔ کیا آپ اپنے تعلیم یافتہ اور مخیر حضرات کے پتے بھیج سکتے ہیں جو امام احمد رضاؒ کے مشن کے لیئے دامے، درمے، قدمے، سخنے کام کرنے کے لیئے آمادہ ہوں؟

۱۲۔ آپ کے پاس اگر کوئی ٹھوس اور معقول تجویز ہو تو برائے کرم ہمیں لکھیئے۔

مذہبی اور ادبی کتابوں کی اشاعت کا

عظیم ادارہ

جوابتک

مذہبیات ، تاریخ ، اخلاقیات اور ادبیات اردو

پر پچھد سے زائد گرانقدر ضخیم کتب ' انکے متن یا ترجمے

شائع کر چکا ہے

ہم اپنے قارئین سے مزید تعاون کے خواستگار ہیں

تاکہ اس راہ میں اور گراں قدر خدمات انجام دے سکیں